دو قرآن

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ

ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

دو قرآن

(نو ترمیم ایڈیشن)

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی



نام کتاب ... ... دو قرآن

نام مصنف ... ... ڈاکٹر غلام جیلانی برق

قیمت ... ...

اہتمام ... ... ارشد پرویز

ناشر ... ... پرویز بکڈپو دہلی

تقسیم کار

ناز پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

ترتیبِ مضامین

پیش نامہ

یہ ۱۹۳۸ئہ کی بات ہے :

میں امتِ مسلمہ لائبریری امرتسر میں بیٹھا تھا۔ بعض پرانے اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ روزنامہ انقلاب کا کوئی خاص نمبر میرے سامنے آگیا۔ چند صفحے اُلٹے تو میری نگاہ ایک عنوان "قرآن حکیم اور علم الآفاق" پر جم کر رہ گئی۔ مضمون پڑھا تو پسند آیا۔ لکھنے والے کا نام تھا پروفیسر غلام جیلانی برق جو اُن دِنوں محض ایم۔ اے تھے اور اب تو ماشاءاللہ ایم اے پی ایچ ڈی ہیں۔ ڈاکٹری کی یہ سند انہوں نے کہیں بعد میں حاصل کی۔

میں نے سوچا کیا ہی اچھا ہو اگر وہ اس قسم کے مضمون "البیان" کے لئے بھی لکھا کریں۔ کچھ عرصے کے بعد میں نے اُن کے نام رسالہ جاری کر دیا اور اُس کے ساتھ ایک خط بھی لکھ دیا۔ چند روز کے اندر اندر ان کا پہلا مضمون دفتر میں پہنچ گیا۔

آج پھر کئی برس کے بعد سوچتا ہوں، قدرت کے وسیلے کتنے عجیب و غریب ہیں! مجھے کیا معلوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے قلم سے قرآن مجید کے معارف پر ایک ایسی کتاب نکلے گی جو اردو لٹریچر میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہو گی اور وہ مجھے اس کا دیباچہ لکھنے کے لئے کہیں گے اور سچ مچ اس کا شرف مجھے ہی حاصل ہو گا۔ کبھی خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوچی تھیں لیکن قدرت کے وسیلے کتنے حیرت انگیز ہیں! اُن بوسیدہ اخبارات کی ورق گردانی اور حسین و جمیل کتاب کی اشاعت کے درمیان اتنا تعجب انگیز رشتہ ایسی غیر مرئی کڑیاں!

دو اڑھائی برس تک ان کا کوئی نہ کوئی مضمون دوسرے چوتھے مہینے البیان میں ضرور شائع ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۴۲ء کے اوائل میں اُن کی طرف سے "دو قرآن" کے مسودے کی ایک قسط موصول ہوئی۔ شروع میں خیال تھا کہ عام طویل مضمونوں کی طرح یہ بھی زیادہ سے زیادہ دو چار قسطوں میں ختم ہو جائے گا۔ لیکن نہیں ایک مرتبہ یہ سلسلہ شروع ہوا تو پورے چودہ مہینوں کے بعد ختم ہوا اور جس طرح پہلی قسط دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکا کہ یہ سلسلہ اتنا طویل ہوگا اسی طرح یہ بھی محسوس نہیں ہو سکا کہ اُن کی محنت "البیان" کے پڑھنے والوں کی طرف سے ایسی بے قرار شکر گزاریوں کا خراج حاصل کرے گی کہ عین اُس زمانے میں جبکہ کاغذ نہ صرف انتہائی طور پر گراں ہے بلکہ گراں قیمت پر بھی ملنا مشکل ہے۔ احباب کے مسلسل تقاضوں سے متاثر ہو کر ان مضامین کو ایک مستقل کتاب کی شکل میں چھاپنا پڑے گا۔ دفترِ امتِ مسلمہ ہم سب کے دلی شکریے کا مستحق ہے کہ اُس نے اپنے نامساعد حالات کے باوجود اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔

"دو قرآن" میں جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے بتایا گیا ہے کہ قرآن ایک نہیں، دو ہیں۔ ایک وہ جو کتاب کی شکل میں ہر مسلمان کے گھر میں موجود، ہر حافظ کے سینے میں محفوظ ہے۔ اور دوسرا وہ جو کائناتِ ارض و سماء کی شکل میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ یہ دھرتی، یہ سورج، یہ چاند، یہ ان گنت تاروں بھری کہکشاں۔ یہ بادل اور یہ ہوائیں۔ یہ پانی سے لدی ہوئی گھٹائیں۔ یہ مہکتے ہوئے پھول۔ یہ چہکتے ہوئے پرندے، سمندر اور خشکی کے یہ مہیب جانور۔ یہ سونے چاندی۔ ایلومینیم۔ کوئلے اور لوہے کی کانیں۔ یہ سربفلک پہاڑ۔ یہ لق و دق صحرا

اور وسیع و بسیط سمندر۔ یہ سب کے سب اس قرآن کی آیات ہیں۔ ایک قرآن میں لکھی ہوئی آیتیں ہیں اور دوسرے میں عمل و حرکت کرتی ہوئی آیتیں۔ ایک قرآن اصول و قوانین کا ضابطہ ہے اور دوسرا اس کی عملی تشریح۔

قرآن حکیم اور صحیفۂ فطرت کی آیات کا یہ حیرت انگیز تطابق ہی تو ہے جس پر غور و فکر کرنے کا بار بار حکم دیا گیا ہے لیکن مسلمانوں کی بدنصیبی کہ انہوں نے مظاہر فطرت اور عجائباتِ عالم کے اندر چمکتی ہوئی سچائی سے منہ موڑ کر زندگی سے باہر کسی دوسری سچائی کی تلاش شروع کر دی، مگر زندگی اور سچائی دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔ تاریک حجروں میں کوئی روشنی نہیں ہے۔ خانقاہوں اور قبرستانوں میں موت کے پہرے ہیں۔ زندگی کے نشان نہیں ہیں اور اوراد و ظائف میں انسانی کرامات میں بازوؤں کو شل کر دینے والی سردی اور دماغوں کو منجمد کر دینے والی برودت ہے۔ عمل و حرکت پر آمادہ کر دینے والی حرارت و تمازت نہیں ہے اس قوم کی بدقسمتی میں کیا شک ہے جس نے مچلتی ہوئی زندگی کے ساتھ بغل گیر ہونے کی بجائے سوئی اور سہمی ہوئی موت کے پہلو میں لیٹنا گوارا کر لیا۔

قرآن برائے نام مسلمانوں کا مذہب نہیں ہے، تمام انسانوں کا مذہب ہے تمام زمانوں کا مذہب ہے اور تمام جہانوں کا مذہب اور زیادہ صحیح لفظوں میں زندگی کا مذہب ہے۔ وہ کتاب جو انسان کو زندگی اور اس کے مظاہر سے الگ کسی ناقابلِ فہم سچائی کی ترغیب دیتی ہے، خالقِ کائنات کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔

قرآن کس طرح فطرت کی مہیب سے مہیب اور حقیر سے حقیر چیزوں کی ۱۔۲۹

طرف انسانی ذہن کو متوجہ کر کے اسے سبق اندوزی کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کی پوری تفصیل تو آپ کو آئندہ صفحات میں ملے گی۔ البتہ اشارے کے طور پر میں بھی ایک بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ چند ہی روز کا ذکر ہے کہ میں سورۂ نحل کی اُن آیات کی تلاوت کر رہا تھا جن میں نوعِ انسانی کو شہد کی مکھّی کے کارناموں کی طرف متوجہ کر کے یہ لکھا ہے کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ یعنی شہد کی مکھی کے ان اعمال میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں سبق موجود ہے۔

اتفاقاً اسی روز میں نے ایک انگریزی کتاب میں شہد کی مکھّی پر ایک مختصر مضمون بھی پڑھا، اس میں لکھا تھا کہ انسان اپنی زندگی کے لئے زیادہ سے زیادہ تین خواہشیں کر سکتا ہے۔ صحت، دولت اور عقل۔ یہ تینوں چیزیں شہد کی مکھّی کو میسّر ہیں اس لئے کہ وہ سورج کی روشنی۔ تازہ ہوا اور خوبصورت پھولوں اور پھلوں میں گھومتی رہتی ہے اور سخت محنت کر کے شہد کے ذخیرے جمع کرتی رہتی ہے اس مختصر مضمون کا مطالعہ کرنے کے بعد میں نے اپنے دِل سے سوال کیا۔ کیا درحقیقت مکھّی کے اعمال میں انسانوں کے لئے سبق موجود نہیں ہے؟

زندگی ہی مذہب ہے! یہ بنیادی اصول ہے جسے آپ ذہن میں رکھ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے۔

جناب برقؔ نے یہ کتاب لکھ کر درحقیقت قرآن پاک کی اتنی زبردست خدمت سر انجام دی ہے جس کی سعادت اس سے پہلے ہندوستان کے کسی مسلمان کو حاصل نہیں ہوئی۔ مظاہر فطرت کے متعلق کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسے انہوں نے سائنس کی روشنی میں پیش نہ کیا ہو اس کارنامۂ عظیم کے لئے نہ جانے انہوں نے کتنی کتابوں

کا مطالعہ کیا ہو گا، کتنی سخت محنت کی ہو گی۔ کتنا وقت صرف کیا ہو گا۔ میں اِن تمام مسلمانوں کی طرف سے جو قرآن کے سر چشمے سے، سائنس کے پیالے میں پانی لے کر اپنی پیاس بجھانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مِصر میں یہ کام علاّمہ طنطاوی جوہری نے سرانجام دیا تھا۔ عربی زبان سے نابلد ہونے کے باعث ہندوستان کے مسلمان اس سے مستفید نہیں ہو سکے۔ ہندوستان کے مسلمان اب فخر کر سکتے ہیں کہ اُن کے ہاں بھی ایک طنطاوی ہے۔

میں نے قلم اٹھایا تھا، کتاب کا دیباچہ لکھنے کے لئے لیکن نہیں لکھ سکا۔ پھر سوچا، دیباچہ نہ سہی، تعارف ہی سہی۔ لیکن تعارف بھی نہیں لکھ سکا۔ اس لئے کہ اچھی چیزیں تعریف سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ مسرت اور حیرت کا اظہار کر سکا ہوں اور وہ بھی اتنا نہیں جتنا میں اپنے دِل میں محسوس کرتا ہوں۔

پریت نگر۔ ۲۰/ دسمبر ۱۹۶۳ء

محمد اقبال سلمانی

باب ۱

تمہید

قرآن حکیم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دو ہیں۔ کتابِ الٰہی اور صحیفۂ فطرت، یعنی کائنات۔ ہر دو کو اللہ نے آیات کہا ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق تو ظاہر ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (یوسف ۱) قرآن کے مندرجات کتاب مبین کی آیات ہیں۔

دلیل اوّل

اور دُوسری طرف صحیفۂ کائنات کے مختلف مناظر کو بھی بارہا آیات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (آلِ عمران ۔ ۱۹۰)

ارض و سماء کی تخلیق اور اختلافِ لیل و نہار میں عقل مندوں کے لئے آیات موجود ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ .... وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (البقرۃ ۔ ۱۶۴)

ارض و سما کی تخلیق، اختلاف لیل و نہار، سمندر میں تیرنے والی مفید کشتیوں اور اس گھٹا میں جو زمین و آسمان کے درمیان خیمہ زن ہے، اربابِ عقل کے لئے آیات موجود ہیں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ

زمین و آسمان کی پیدائش اور تمہاری زبانوں

اختلاف السنتکم والوانکم (روم-۲۲)

اور رنگوں کا اختلاف اللہ کی آیات میں سے ہے

وفی خلقکم وما یبث من دآبۃ ایٰتٌ لقوم یوقنون ۝ (جاثیہ-۴)

تمہاری پیدائش اور چوپاؤں کی افزائش نسل میں اہلِ یقین کے لئے آیاتِ الٰہی موجود ہیں۔

دلیل دوم

قرآن اور صحیفہ کائنات ہر دو بظاہر بے ترتیب سے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ربطِ آیات و سُور مفسرین کے لئے ہمیشہ ایک معما بنا رہا اور کائنات کی ظاہری بے ترتیبی عیاں ہے۔ ستاروں کی بکھری ہوئی محفل سلسلہ کوہستان تک بلند و پست چوٹیاں۔ انسانی دُنیا میں الوان و طبائع کا اختلاف، اقلیم اشجار میں ظاہری بے نظمی اور حشرات و حیوانات کی بے آہنگی۔ طلبائے کائنات کو ہمیشہ پریشان کرتی رہی۔ ہر دو بظاہر بے ترتیب ہیں لیکن دراصل ایک زبردست نظام کے حامل ہیں جس طرح اسرار قرآن انسانی فہم سے وراء الورا ہیں۔ اسی طرح صحیفہ فطرت باوجود عیاں ہونے کے ازبس ادق ہے۔ علمائے مغرب، افعالِ الٰہی (کائنات) کے مطالعہ پر عمریں صرف کر چکے ہیں۔ ان بزرگوں کی ہر کوشش انہیں پیامِ درماندگی دے رہی ہیں اور وُہ قدم قدم پر یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ

"معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد"

دلیل سوم

جس طرح دُنیا کا کوئی بڑے سے بڑا عالم قرآن کی ایک آیت نہیں بنا سکتا، اسی طرح بڑے سے بڑا سائنس دان ایک پتّے اور ذرّے تک کی تخلیق سے عاجز ہے۔

اہمیّتِ مطالعہ فطرت

جس طرح قولِ خدا (قرآن) کا مطالعہ فرض ہے اسی طرح عملِ خدا (کائنات) کا مطالعہ بھی ازبس لازمی ہے

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (عنکبوت - ۲۰)

اے رسولؐ! دنیائے انسانی کو حکم دے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھے کہ خدا نے کس طرح آفرینش کی ابتدا کی۔

جس طرح قرآن سے اعراض باعثِ ہلاکت ہے۔

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ (آلِ عمران - ۱۸۷)

ان لوگوں نے کلامِ الٰہی سے مُنہ پھیر لیا۔

اسی طرح صحیفۂ کائنات سے اعراض سے بھی عذابِ الٰہی کا باعث بنتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ (یوسف - ۱۰۵)

ارض و سماء میں کتنی ہی ایسی آیات ہیں جن سے یہ لوگ مُنہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔

ایک مقام پر صحیفۂ کائنات کے مطالعے سے اعراض کی سزا قومی موت تجویز کی گئی ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِي مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ لا وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ج (اعراف ۱۸۵)

کیا یہ لوگ آسمان و زمین وغیرہ کی تخلیق پر غور نہیں کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہے۔

مطالعۂ کائنات کی اہمیت کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق، قرض وغیرہ پہ ڈیڑھ سو آیات ہیں اور مطالعہ کائنات کے متعلق سات سو چھپن۔ قرآن حکیم ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے آخری پیامِ الٰہی ہے۔ اگر آج یہ کتاب ہمیں معادنِ ارضیہ، دفائنِ جبال اور خزائنِ بحار سے مستفید ہونے کا درس نہیں دیتی اور ترقی یافتہ اقوام کا ہم دوش نہیں بناتی، تو یہ کتاب (خاکم بدہن) صراحتہً ناقص و نامکمل ہے اور اس کا دعویٰ

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (نعوذ باللہ) بے بنیاد ہے۔ آج اہلِ مغرب لوہے، تانبے، بارود اور دیگر خزائنِ ارضی سے فائدہ اٹھا کر فلکِ علم و ہنر پر آفتاب بنے ہوئے ہیں۔ ہواؤں میں اڑ رہے ہیں، دریاؤں میں تیر رہے ہیں۔ زمین کی بعید ترین اطراف کی خبریں لمحوں میں سُن رہے ہیں۔ عملِ تبخیر سے ریلیں دوڑا رہے ہیں۔ آنے والے حوادثِ سماویہ (باد و باراں) کی خبریں دے رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ صحیفۂ کائنات کے مطالعہ کے بعد اس کے قوانین و آیات کو اپنی بہتری کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِیْبُ سُوْدٌ ○ وَ مِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ کَذٰلِکَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۷-۲۸)

غور کرو کہ پہاڑوں میں سفید، سرخ اور سیاہ رنگ پتھروں کی تہیں موجود ہیں۔ نیز انسانوں چرپاؤں اور مویشیوں کے مختلف رنگوں کا مطالعہ کرو اور یاد رکھو اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔

اس آیت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصلی علم صحیفہ کائنات کے مطالعے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ خوف یا خشیۃ اللہ صرف علمائے کائنات ہی کا حصّہ ہو سکتا ہے جس طرح شکسپیئر، رُوسو، لقمان، سعدی، بو علی سینا اور اقبال کی صحیح عظمت کو سمجھنے کے لئے اُن کے اعمال (تصانیف) کا مطالعہ ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صحیح عظمت و رفعت، کمالِ تخلیق، جمالِ تکوین، نظامِ ربوبیت اور حیرت انگیز نسقِ کائنات کو سمجھنے کے لئے صحیفہ فطرت میں غور و تدبّر کرنا پڑے گا۔ اگر کسی مصنف کی تعریف اس کی تصنیف پڑھے بغیر ہو سکتی ہے تو اللہ کی

حمد و ثنا بھی اس کے حیرت انگیز اعمال پر تدبّر کئے بغیر ممکن ہے۔

ایک بھوکا روٹی ملنے پر، پیاسا پانی حاصل کرنے کے بعد اور جاہل دولتِ علم سے بہرہ ور ہو کر شکریہ ادا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اولاد ملنے پر یوں شکر الٰہی ادا فرماتے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ (ابراہیم ۔ ۳۹)	اس اللہ کا شکر ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے دو بیٹے اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ عطا فرمائے۔

حضرت یوسف علیہ السّلام زندان سے رہا ہو کر فرماتے ہیں۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ ۚ (یوسف ۔ ۱۰۰)	اللہ نے جیل خانے سے نکال کر مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ یَاْتِنِیْ اَجَلِیْ | حَتّٰی اکْتَسَبْتُ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالًا

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے موت سے پہلے مجھے لباس اسلام سے مزیّن کیا

لیکن مسلمان کو محض ذاتی فائدے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے ربّ العالمین ہونے پر شکریہ ادا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

غور فرمائیے کہ مطالعہ کائنات کی طرف دعوت دینے کے علاوہ کس وسیع ہمدردی کا پیام دیا گیا ہے۔ اللہ کو صرف حقیقی حمد و ثنا پسند آتی ہے۔ اس لئے آج بعض ایسی اقوام معزز کر دی گئیں جو خدا کی صحیح معنوں میں شاکر ہیں اور ہمیں ریاکاری و زبانی حمد و ثنا کی سزا ذلّت اور غلامی کی صورت میں[1] دی گئی حالانکہ ظاہری ساجد دل

---

[1] دیگر اقوام نے اقوالِ خدا سے روگردانی کی اور صرف اعمالِ خدا کا مطالعہ کیا اس لئے وہ پورا پورا فائدہ نہ اٹھا سکیں ہم نے اقوال و اعمال دونوں کو پس پشت ڈال دیا اس لئے ہم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ (البیانؔ)

اور مصلیوں سے ہماری مساجد معمور ہیں لیکن :-

قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ○ (سبا ۱۳) — میرے حقیقی شکرگذار بندوں کی تعداد بہت کم ہے۔

زمین کے اندر معدنیات کا ایک حیرت انگیز سلسلہ موجود ہے۔ فضا میں مخفی قوانین سمع و بصر (ریڈیو و ٹیلی ویژن) محو عمل ہیں۔ آج بجلی اور اس کے کرشموں جرِ ثقیل اور اس کے معجزوں، سٹیم اور اس کے عجائبات، پٹرول اور اس کے کمالات سے دیگر اقوام فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ حالاں کہ :-

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ق (بقرہ - ۲۹) — تمام کائنات و خزائن ارضی تمہارے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

قدرت کی طرف سے ہمیں آنکھیں، کان اور دل و دماغ عطا ہوئے ہیں لیکن ہم نے ان اعضاء کا صحیح استعمال نہ کیا اور آج اس جرم کی سزا بھگت رہے ہیں۔

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ○ (بنی اسرائیل ۳۶) — انسان سے آنکھ، کان اور دل کے صحیح یا غلط استعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔

اسلام میں تفکر و تدبّر کو بہترین عمل قرار دیا گیا۔ حدیث میں وارد ہے۔

(صحیفۂ کائنات میں گھڑی بھر تفکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے)

ایک صبح بیدار ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے فرمایا۔

لَقَدْ أُنْزِلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَ آيَةٌ وَيْلٌ لِّمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَدَبَّرْ وَيْلٌ لَهُ ثُمَّ وَيْلٌ لَهُ۔ — آج رات مجھ پر ایک آیت اتری ہے بلاکت ہو اس پر جو اسے پڑھے اور غور نہ کرے اس پر دوبارہ سہ بارہ ہلاکت ہو۔

پھر یہ آیت پڑھی :

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

(بقرہ-۱۶۴)

زمین و آسمان کی تخلیق رات دن کے اختلاف سطحِ سمندر پر تیرنے والے مفید جہازوں اور مردہ زمین کی نس نس میں زندگی بھرنے والی بارشوں۔ پھر پھر کر چلنے والی ہواؤں اور ان بادلوں میں جو زمین و آسمان کے درمیان خیمہ آرا ہیں۔ اہل دانش کے لئے کچھ اسباق موجود ہیں۔

قرآن حکیم مؤمنین کو بلندی و رفعت کی بشارت دینے آیا تھا۔

اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

(آل عمران-۱۳۹)

اگر تم ایمان دار رہے تو دنیا میں سر بلند رہو گے۔

آج دُنیا میں وہی قوم بلندی و آزادی اور عزت حاصل کر سکتی ہے جو صحیح معنوں میں فیض رساں اور خادمِ خلق ہو جو مخازن و معادن کو استعمال میں لا کر رفاہِ عامہ کے لئے گاڑیاں چلائے، دریاؤں پر پُل باندھے، نہروں اور سڑکوں کا جال بچھائے سمندر کی طغیانیاں مسخر کر کے انہیں تجارت کے قابل بنائے۔ جس کی تلاش و جستجو سے ایک عالم فائدہ اُٹھائے جو آبشاروں سے بجلی پیدا کر کے دنیا کو روشنی اور طاقت عطا کرے، جو کوئلے اور پٹرول کا صحیح استعمال جانتی ہو اور جس کے فولادی اسلحہ اعدائے انسانیت کے لئے تباہی و ہلاکت کا پیام ہوں۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ

ہم نے فولاد پیدا کیا جو ایک پُر ہیبت اور

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (حدید ۲۵) | نہایت مفید دھات ہے۔

قرآن حکیم میں ہمیں امر بالمعروف کا لقب دیا گیا ہے۔ معروف یہ بھی ہے کہ ہم کائنات کے اسلحہ خانہ سے قوت و ہیبت کا وہ سامان پیدا کریں کہ شیطان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گُل ہو جائے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال - ۶۰) | تم وہ سامانِ قوت پیدا کرو اور تھانوں پہ تمہارے گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن، اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

تامرون بالمعروف میں تامرون کا لفظ صاف صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ خیر الامم وہ ہے جو دُنیا میں معروف یعنی نیکی، عدل، مساوات اور صلح و آشتی کا حکم دے سکے۔ حکم دینا حاکم کا کام ہوتا ہے لہذا خیر الامم کے لئے حاکم ہونا ضروری ہے اور اُس زمانے میں کوئی حکومت معادن ارضی کے استعمال کے بغیر ایک دن کے لئے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ منکر کے لفظ میں ہر قسم کی بدی شامل ہے۔ دُنیا میں غلامی سب سے بڑی بُرائی ہے۔ یہ ذلت بدکاری، جہالت اور فلاکت کی آخری منزل ہے ایک غلام قوم میں معروف کا شائبہ تک باقی نہیں رہتا۔ وہ بکریوں کا ایک ریوڑ ہوتی ہے جس طرح بکری کا دُودھ، گوشت، چمڑا، ہڈیاں، مینگنیاں اور بال تک فروخت کیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک حاکم قوم محکوم قوم کی تمام پیداوار، سرمایہ، اجناس، زمین اور جان تک صرف اپنے فائدے کے لئے استعمال کرتی ہے کیا ایسی قوم خیر الامم کہلا سکتی ہے؟

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ | مسلمانو! تم خیر الامم ہو اور دُنیا کی بہتری کے لئے

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط (آلِ عمران-۱۱۰)

اٹھے ہو تمہارا کام معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہے۔

"اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ خیر الامم بننے کے لئے تمام دُنیا کی بہبودی پر توجہ کرنا پڑے گی اور یہ صِرف اِسی صورت میں ممکن ہے کہ ہمارے پاس نفع رسانی کے تمام اسباب موجود ہوں۔ ہم عالم گیر علم، ہیبت خیز اسباب قوت اور جاذب قلوب متاع اخلاق کے مالک ہوں۔ اگر ایک طرف دنیا ہمارے اخلاق کی ثناخواں ہو تو دُوسری طرف ہماری شمشیر خاراشگاف سے ہفت اقلیم کی طاغوتی طاقتیں رعشہ بداندام ہوں۔ یہی معروف ہے اور یہی وُہ قبائے زریں ہے جو خیر الامم کے قامت پر راست آتی ہے۔

ایک حقیقت جس طرح سُورج مشرق سے نکل کر مغرب کی طرف سفر کرتا ہے اور دُوسری صبح پھر مشرق سے نمودار ہوتا ہے اسی طرح علم و تہذیب کا آفتاب بھی گردش کرتا رہتا ہے۔ محققین اس امر پر متفق ہیں کہ تہذیب کا آفتاب پہلے مشرقی ممالک پر چمکا تھا۔ چین اور ہندوستان، بابل اور مصر کی تہذیبیں از بس قدیم ہیں۔ رفتہ رفتہ مغرب کا ایک خطہ یونان علم و عرفان کا مرکز بن گیا۔ ۳۳۶ء ق م سکندرِ اعظم نے ایرانی سطوت کا خاتمہ کیا اور ۳۳۱ء ق م میں مصر پر قبضہ جما لیا تھا۔ سکندر کی وفات کے بعد یونان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گیا اور خانہ جنگی کے شعلے اطرافِ ملک میں بھڑک اٹھے۔

۲۴۸ء ق م میں پارتھیا[1] بیدار ہوا اور تھوڑی سی مدت میں ایک طاقت در

---

[1] پارتھیا۔ خراسان اور استرآباد کے درمیان پانچ سو میل لمبے علاقے کا نام تھا جولیس سیزر کے قتل کے بعد جب روم اور بروٹس میں جنگ چھڑ گئی تھی تو پارتھیا نے بروٹس کی حمایت کی تھی۔ (برق)

سلطنت بن گیا۔ تقریباً دو صدیوں کے بعد سوم میں آثارِ حیات پیدا ہونے لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک زبردست سلطنت بروئے کار آگئی۔ روم نے پارتھیا کو پہلی شکست ۳۸ئہ ق م میں اور دوسری ۱۶۳ئہ میں دی ۲۲۶ئہ میں پارتھیا کے آخری آثار دنیا سے مٹ گئے اور آفتاب تہذیب پوری آب و تاب سے پھر مغرب پر چمکنے لگا۔

کچھ عرصے کے بعد ایران میں زندگی نے ایک نئی کروٹ لی۔ ساسانی خاندان کا علم مدائن پر لہرانے لگا۔ دوسری طرف رومتہ الکبریٰ کے طوفان میں آثارِ جزر نظر آنے لگے یہاں تک کہ ساتویں صدی کے وسط میں ریگستان عرب سے علم و عرفان کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا جس سے مشرق و مغرب ہر دو سیراب ہو گئے۔

چند صدیوں کے بعد آفتاب علم و تمدن پھر مغرب کی طرف بڑھا۔ جرمنی فرانس ہسپانیہ اور انگلستان سے ہوتا ہوا مغرب اقصیٰ (امریکہ) تک جا پہنچا اور اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ مشرق سے آفتاب پھر نکل رہا ہے اور ہندوستان، ایران اور ٹرکی میں پھر سے بیداری کے آثار عیاں ہیں۔ اس حقیقت کی طرف اللہ نے اہلِ بصیرت کو یوں متوجہ کیا ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاۗءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ

اے اللہ تو جسے چاہتا ہے وارثِ زمین بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غلامی میں مبتلا کر دیتا ہے عزت و ذلت تیرے اختیار میں ہیں دنیا کی تمام بلندیاں (خیر) تیرے دستِ قدرت میں ہیں اور تو ہر چیز پر قادر ہے تو ہی وہ مالک ہے جو تہذیب و تمدن کے روزِ روشن

اَلنَّهَارَ فِی اللَّیْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۔

(آل عمران ۲۶-۲۷)

کو غلامی کی کالی رات میں اور رات کو دن میں بدلتا رہتا ہے مُردہ اقوام کی خاکستر میں اخگر حیات پیدا کرنا اور زندہ اقوام (جو کاہل ہو چکی ہیں) کو موت کی نیند سلانا تیری سُنت ہے۔

ان حقائق کو ایک بیدار آنکھ اور نور سے لبریز دِل دیکھ سکتا ہے لیکن واحسرتا کہ مسلم اس دولت سے محروم ہے وَهُمْ عَنْ اٰيَاتِنَا مُعْرِضُوْنَ ٥ یہ لوگ آیاتِ کائنات سے اعراض کر رہے ہیں۔

کپاس اور گندم کی ترکیب آٹھ عناصر سے ہوئی۔ اختلاف مقادیر سے

مقادیر

کہیں وُہ عناصر گندم کی صورت میں جلوہ گر ہوئے اور کہیں کپاس کی شکل میں پانی میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے اگر اس مقدار کو ذرہ بھر گھٹا بڑھا دیا جائے تو ایک زہر تیار ہو گا۔ اگر یہ دو عناصر مساوی مقدار میں جمع کر دیئے جائیں تب بھی ایک مہلک مرکب بنے گا۔ آکسیجن و ہائیڈروجن ہر دو قاتل و مہلک گیسیں ہیں جن کے مختلف اوزان سے لاکھوں مرکبات تیار ہو سکتے ہیں اور ہر مرکب زہر ہلاہل ہوتا ہے۔ لیکن اگر دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ترکیب دی جائے تو ان دو زہروں سے پانی تیار ہو گا جو تمام عالم کا مدارِ حیات ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (انبیاء آیت ۳۰) | ہم نے پانی کو ہر چیز کا مدارِ حیات قرار دیا ہے۔

غور فرمائیے کہ اللہ مقادیر کا کتنا بڑا عالم ہے وُہ کس طرح معین مقداروں سے کائنات کی مختلف اشیاء تیار کر رہا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (۵۴ : ۴۹) | ہم نے ہر چیز کو (عناصر کی) معین مقدار سے پیدا کیا ہے۔

لیموں اور کالی مرچ ہر دو ہائیڈروجن دس حصّے اور کاربن بیس حصّے سے تیار ہُوئے ہیں لیکن سالمات کے تفاوت سے ہر دو کی شکل، رنگ ذائقہ اور تاثیر بدل گئی۔ اسی طرح کوئلہ اور ہیرا کاربن سے بنے ہیں لیکن سالمات کے اختلاف سے ایک کا رنگ کالا، دُوسرا سفید، ایک قابل شکست اور دُوسرا ٹھوس ہے۔

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (حجر-۲۱)

ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم معین مقدار میں ہر چیز کو نازل کرتے ہیں۔

وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِیْنَ (مومنون ۱۷)

اور ہم اشیاء کی تخلیق (و ترکیب) سے غافل نہیں تھے

کائنات کی ہر چیز عناصر کی نہایت دقیق و انسب آمیزش سے تیار ہوتی ہے اگر یہ ترکیب ذرہ بھر کم و بیش ہو جائے تو سلسلۂ حیات آناً فاناً درہم برہم ہو جائے اگر آج اللہ تعالیٰ پانی کی ساخت میں سے ہائیڈروجن صرف ایک درجہ کم کر دے تو دریاؤں اور سمندروں میں زہر کا سیلاب آجائے اور کوئی ذی حیات باقی نہ رہے غور فرمائیے کہ اللہ کا علم عناصر و مقادیر کس قدر لرزہ فگن اور ہیبت انگیز ہے تمام نباتات کے عناصر ترکیبی ایک ہیں یہ صرف اختلافِ مقادیر کا اعجاز ہے کہ :۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

حیوانات و نباتات کی ترکیب آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائٹروجن اور چند دیگر نمکوں سے ہُوئی۔ انہیں عناصر سے ہڈیاں، پٹھے، خون اور بال تیار ہُوئے اور انہی سے درختوں کے پتّے شگوفے پھُول، خوشے، رس اور پھل بنے۔ کڑواہٹ، ترشی اور مٹھاس انہی عناصر کا کرشمہ ہے اور رنگ و وضع کی یہ نیرنگیاں انہی کی بدولت ہیں

وَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ○ (حجر۱۹)

ہم نے سب چیزیں تول تول کر پیدا کیں۔

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو سات سو چھپن دفعہ مناظرِ قدرت و قوانینِ فطرت پر غور کرنے کی ہدایت کی گئی، علامہ ابن رُشد، فارابی، ابو علی سینا اور فخر الدین رازی نے بھی ہمیں اسی طرف متوجہ کیا لیکن ہم نے توجہ نہ کی نتیجہ یہ کہ آج دُوسری قومیں برق و باد پر سوار ہو کر منازلِ حیات طے کر رہی ہیں اور ہم صحرائے حیات میں طوفانِ ریگ کے تھپیڑے کھا رہے ہیں علامہ شعرانی اسلام کے طبیعی پہلو کو سمجھتے تھے اور انہیں یقین تھا کہ اگر مُسلمان، مسلمان رہا تو وُہ علم شریعت کی طرح علمِ فطرت میں بھی ایک نہ ایک دِن کمال پیدا کر کے رہے گا، اسی لئے تو فرمایا تھا کہ:

اِنَّ الْاِسْلَامَ فِیْ اَوَّلِ اَمْرِہٖ کَانَ شَرِیْعَۃً وَّ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ یَکُوْنُ حَقِیْقَۃً

اسلام آغاز میں محض شریعت تھا اور آخری زمانے میں حقیقت بن جائے گا۔

وُہ آخری زمانہ یہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم آیات ارض و سما کی طرف متوجہ ہو کر اسلام کو ایک حقیقت اور ٹھوس اصلیت ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (جاثیہ-۳)	زمین و آسمان میں اہل ایمان کے لئے حقائق و لطائف موجود ہیں۔
وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝ (جاثیہ ۴)	دولت یقین سے مالامال اقوام کے لئے خلق انسانی و حیوانی میں آیاتِ الٰہیہ موجود ہیں۔

شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ مُسلمانوں کی فلاح و نجات اس وقت صحیفۂ کائنات کے مطالعہ میں ہے وہی اقوام آج با علم، طاقت ور اور پر ہیبت ہیں جنہوں نے فطرت سے قوانین قوت کا درس لیا اور اسلوب قدرت کے مطالعہ میں عمریں صرف کر دیں۔ علم الآفاق سے غفلت و جہالت نے مُسلم کو ذلیل کر

ڈالا۔ اس کا توازن ملی جاتا رہا۔ اس کی سلطنتیں اجڑ گئیں، سرحدیں غیر محفوظ ہو گئیں اور اس کی تمام حفاظتی تدابیر خام ثابت ہوئیں۔ اگر آج ہم اپنی خامیوں کو متعین کرنے اور ان کا علاج سوچنے کے لئے کوئی کمیشن مقرر کریں تو ہماری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ اس لئے کہ اقتصادیات، سیاسیات و دیگر اصناف علم و تمدن کے ماہرین ہمارے ہاں موجود نہیں۔

یورپ میں ہر خامی کا علاج سوچنے کے لئے کمیشن بٹھلائے جاتے ہیں جن کے سامنے بڑے بڑے ماہرین فن شہادتیں دیتے ہیں اور یہ کمیشن تمام نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد ایک رپورٹ حکومت کو بھیجتے ہیں۔ اگر آج کسی بین الاقوامی مجلس کے سامنے تحدید اسلحہ، اقتصادیات، توازن قوت و تقسیم دولت پر شہادت دینے کی ضرورت پڑے تو کیا اسلامی دنیا کے ۷۰ کروڑ افراد میں سے کوئی ایک عالم بھی ایسا نکل سکے گا جس کی شہادت کو کچھ بھی اہمیت حاصل ہو؟ ہمیں دنیا کی طرف شاہد بنا کر بھیجا گیا تھا۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ: ۱۴۳) ہم نے تمہیں لوگوں کے لئے شاہد بنا کر بھیجا ہے۔

بہ دیگر الفاظ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم تمام شعبہائے علم و تمدن میں وہ مہارت پیدا کریں کہ ہر مسئلے پر ہماری شہادت آخری ثابت ہو لیکن افسوس کہ جہالت کی وجہ سے ہماری رائے کو لغو اور شہادت کو مردود قرار دیا گیا۔

استعمال اعضاء

اللہ نے آنکھیں، کان اور عقل دیکھنے، سننے اور سوچنے کے لئے عطا کئے ہیں۔ جو قوم ان اعضاء و حواس کو استعمال نہیں کرتی وہ حقیقتاً اندھی، بہری اور لایعقل ہے وہی لوگ صاحب عقل ہیں جو کائنات کے مناظر و حقائق کو ایک حقیقت رس نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس آواز کو جو کائنات

کے ہر ذرّے سے بلند ہو رہی ہے کان لگا کر سنتے ہیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَا اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِھَا ج (الحج - ۴۶)	یہ لوگ مناظر ارضی کی کیوں سیر نہیں کرتے تاکہ ان کے دل سمجھنے لگ جائیں اور کان سننے کی نعمت سے بہرہ در ہوں۔

ایک قوم کا زوال دراصل زوالِ حسیات کی داستان ہے۔

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ہ (حج ۴۶)	دراصل آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ایک مردہ قوم کے دل بے حس ہو جاتے ہیں۔

بہتر سواری دنیا کی بعض اقوام موٹروں اور طیاروں پر سوار ہو کر جادۂ حیات طے کر رہی ہیں اور ہم یا تو پا شکستہ ہو کر ٹھنڈے سایوں میں محوِ استراحت ہیں اور یا آہستہ خرام اونٹوں پر جھومتے جھامتے چلے جا رہے ہیں ہمارے سُست رَو کارواں کا بہ مراحل پیچھے رہ جانا حتمی و یقینی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے لئے بہترین سواریوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ہ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ ط (زمر ۱۷ - ۱۸)	مبارک ہیں وہ لوگ جو کسی بات کو سُن کر احسن ترین چیز کو اختیار کرتے ہیں۔

کعبہ کی اہمیت مسلمان دنیا کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے ہیں جنہیں باوجود اختلاف رنگ و نسب چند چیزوں نے متحد کر رکھا ہے واحد خدا، واحد رسول، واحد کتاب، واحد عربی زبان (صلوات و عبادات میں) اور واحد قبلہ۔ ہمارے علماء و اغنیاء کو حکم دیا گیا تھا کہ ہر سال کعبہ میں جمع ہو کر قومی فلاح کی سبیل سوچیں اور استحکام ملت کے ذرائع پر غور کریں تفکر فی الافاق قیام امت کا سب سے

بڑا ذریعہ ہے اور اس قانون صلاح و بقا کا علم حاصل کرنا جو کائنات میں محو عمل ہے نجات و حیات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّھْرَ الْحَرَامَ وَالْھَدْیَ وَ الْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

(مائدہ ۹۷)

اللہ نے عزت کے گھر کعبہ کو حرمت والے مہینوں جن میں جنگ بند کر کے وسائل حیات سوچنے کا حکم دیا گیا ہے اور قربانی کے جانوروں کو امت کے لئے ذریعہ استحکام بنایا ہے (کعبہ کی تعمیر کا بڑا مقصد یہ ہے) کہ تم یہ معلوم کر سکو کہ اللہ کا علم ارض و سما کو محیط ہے اور کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

لیکن آج کعبہ میں کوئی ایسی درس گاہ موجود نہیں، جو اللہ کے بے پناہ علم (اوزان و مقادیر) کی طرف راہنمائی کرے۔ غور فرمایئے کہ سمندر کی تاریک گہرائیوں میں مچھلی کے انڈے سے مچھلی ہی پیدا ہو رہی ہے کوہ قاف کے سیاہ غار میں ایک مچھر کا بچہ مچھر بن رہا ہے۔ بطونِ حیوانات میں قطرات منویہ مناسب، موزوں اور صحیح اشکال اختیار کر رہے ہیں جوفِ صدف میں قطرہ آب گہر بن رہا ہے نہ کہ کوئلہ اللہ اکبر اس عالم الغیب کی جہانگیر اور ہمہ بین نگاہ سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی بچی ہوئی نہیں۔ ہر مقام اور ہر محل پہ نہایت صحت و استحکام سے کام ہو رہا ہے۔ کائنات کی یہ کارگاہِ جلیل نہایت نظم و نسق سے چل رہی ہے۔ میزان و اعتدال سے چل رہی ہے۔ کہیں کوئی غلطی نہیں۔ سقم نہیں، بدنظمی نہیں، فتور نہیں

فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ

(ملک ۳)

بار بار دیکھو۔ کیا تمہیں اس لاانتہا سلسلہ خلق میں کوئی بدنظمی نظر آتی ہے؟

کیا اللہ کے اس ہیبت انگیز علم کا اندازہ لگانے کے لئے کعبے میں کوئی درسگاہ موجود ہے؟ نہیں! اس لئے لِتَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ کا منشا پورا نہیں ہو رہا ہے آج حج محض ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔ وہاں انسانوں کی ایک بھیڑ جمع ہو جاتی ہے جو چند حرکات جو عی دکر ہی سر انجام دینے کے بعد واپس آجاتی ہے۔ کوئی نیا تخیل اور کوئی نیا درسِ حیات سیکھ کر نہیں آتی کعبے کے یہ فرائض کسی حد تک آج آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹیاں[1] سر انجام دے رہی ہیں۔ جہاں دُنیا کے ہر گوشے سے طلبہ صحیفۂ کائنات کا درس لینے آتے ہیں۔

مومناں را فطرت آموز است حج — ہجرت آموز و وطن سوز است حج

طاعتے سرمایۂ جمعیتے — ربط اوراق کتاب ملتے

آں کہ زیرِ تیغ گوید لا الہ — آں کہ از خونش بروید لا الٰہ

آں سرور آں سوز مشتاقی نماند — در حرم صاحب دلے باقی نماند (اقبالؒ)

اُمَّۃً وَّسَطًا

قرآن حکیم میں مسلمانوں کو اُمَّۃً وَّسَطًا (اعتدال پسند) کہا گیا ہے ہم کئی طرح سے اُمّتِ وسطیٰ ہیں۔ ہم علوم مغرب (یونان) کو مشرق تک پہنچانے کا واسطہ بنے۔ عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم اور ہندو دھرم جسم کو کچل کر خشک روحانیت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ہم نے جسم و روح اور دین و دُنیا میں آشتی پیدا کی۔ جن علمائے طبیعی کو روما الکبریٰ کے رہبان کچل رہے تھے۔ ہم نے انہیں

[1] صرف لیشھدوا منافع لھم کی حد تک اور آگے دیئے گئے لِاسوائے اللہ کی حقیقت سے عالمِ انسانیت یکسر غافل ہے الا ماشاء اللہ اور حج کے یہی دو مقصد سورہ حج میں بتائے گئے ہیں اس مقصد ثانی کو جو حقیقی ہے فراموش کر دینے سے مقصد اول بھی غیر صحیح ہُوا جا رہا ہے۔ (مدیر البیان)

اپنے دامنِ رافت میں پناہ دی اور مذہب و ایمان کا ہاتھ ان کے سر پر رکھا پھر جغرافیائی حیثیت سے بھی ہم اُمّتہً وَسطاً ہیں۔ یعنی ربع مسکون کے عین وسطی حصّوں میں آباد ہیں بہ دیگر الفاظ ہم اس چراغ کی طرح ہیں جو وسطِ محفل میں جل رہا ہو۔ ہمارا یہ مذہبی و جغرافیائی فرض تھا کہ ہم دُنیا کو علم و عرفان کی روشنیوں سے جگمگاتے اور اقوام کی نگاہوں کو تجلیاتِ معارف سے خیرہ کرتے، لیکن وائے برما! کہ جہالت سے ہمارا اپنا گھر تاریک ہو رہا ہے۔

تمثیل ایک بادشاہ اپنے محل کو جواہرات سے سجاتا ہے، دُنیا کے بہترین صناع نقاشی کرتے ہیں، ایرانی غالیچے بچھائے جاتے ہیں، سنہرے پردے لٹکائے جاتے ہیں۔ بہترین پھولوں کے گلدستے لگائے جاتے ہیں اور زیب و زینت کا آخری کمال دکھلایا جاتا ہے، پھر کتنا ظلم ہو گا، اگر اس کی چہیتی بیوی، بچوں، خادموں اور درباریوں میں اس زیب و جمال کو پسند کرنے کی حس ہی موجود نہ ہو، اور وہ اس محل میں بیل کی طرح داخل ہو کر اس کی سجاوٹ سے غیر متاثر رہتے ہوں۔

یہی حال مسلمانوں کا ہے مَالِکُ الاَرضِ وَالسَّمَاءِ نے طارم فلک کو کن خیرہ ساز نقوش سے آراستہ کر رکھا ہے فرشِ زمین پر پھولوں کی کیا قیامت انگیز بہار جما رکھی ہے۔ کائنات میں حسن و شباب کا کیا طوفان اُبل رہا ہے لیکن وائے برما کہ ہماری آنکھیں اس حسن و جمال سے متمتع ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں۔ ایک بیل کو کیا معلوم کہ طلوع و غروبِ آفتاب کی رنگینیوں میں کیا حسن ہے؟ اور ایک الھڑ دہقانی کو کیا معلوم کہ ساون کی اُودی اُودی گھٹائیں کیف و مستی کا کیا کیف انگیز پیام دے رہی ہیں۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ۣ الْكَوَاكِبِ (صافات ۶)

ہم نے آسمان کو حسین ستاروں سے سجا رکھا ہے

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۝ (حجر ۱۶)

ہم نے آسمانوں کو کئی حصّوں میں بانٹ کر اسے اہلِ نظر کے لئے سجا دیا ہے۔

ہے کوئی لطف اٹھانے والا، پسند کرنے والا اور دیکھنے والا؟

تمہارے لئے اگر یہ درست ہے کہ قرآن کے اوّلین و آخرین مخاطب ہم ہی ہیں تو سنئے قرآن کیا کہتا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۔ (ابراہیم ۳۲، ۳۴)

اللہ وہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کئے جس نے بارشیں برسا کر تمہارے لئے پھل تیار کئے۔ سمندروں میں الٰہی قانون سے تیرنے والے جہاز تمہارے قبضے میں دیئے۔ نہریں تمہارے لئے مسخر کیں۔ گھومنے والے آفتاب و ماہتاب پر تمہیں حکمران بنایا۔ اور لیل و نہار کا سلسلہ تمہارے بس میں کر دیا نیز تمہیں وہ سب کچھ دیا جس کی تمہیں تمنا تھی۔

اس آیت میں لَكُمْ (تمہارے لئے) کا لفظ پانچ دفعہ استعمال ہُوا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں مسلمانوں کے لئے تھیں اور مُسلمانوں کے واسطے سے باقی عالم انسانیت کے لئے، لیکن آج [illegible] ج، بجلی، روشنی اور اثیر کو فرنگ نے مسخر کر رکھا ہے۔ سمندروں کی مہیب سطح [illegible]ن کی حکومت ہے۔ باغات و انہار کے مالک وہی ہیں۔ آبشاروں اور نہروں سے وہی لوگ بجلی نکال کر دُنیا کو روشنی و طاقت

دے رہے ہیں اور ہم بجلی کے لیمپ کو دیکھ کر صرف حیران ہوتے رہتے ہیں۔
یہ کیوں؟ اس لئے کہ:۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ٥ (بقرہ۔ ۲۵۸)	اللہ اپنے اوپر ظلم توڑنے والوں کو کبھی سیدھی راہ پر نہیں ڈالتا۔

فرشِ زمین

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا (بقرہ ۲۲) اللہ نے زمین کو تمہارے لئے بستر بنایا۔
اور مقامِ حیرت ہے کہ ہم اپنے بستر کی ماہیت تک سے ناواقف ہیں ہمیں یہ قطعاً معلوم نہیں کہ یہ زمین کن عناصر سے تیار ہوئی، کب بنی، کس سہارے پر قائم ہے اس کے بطن میں کیا ہے۔ اور یہ اس پہ پانی کہاں سے آگیا؟ ہمارا یہ "ہمہ دان" مُلّا کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہُوا لیکن کیا اس قدرت کا علم حاصل کرنا ہمارے فرائض میں شامل نہیں؟ اگر نہیں تو اس ارشاد کے کیا معنی ہیں؟

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (مائدہ ۹۷)	یہ اس لئے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا علم ارض و سما کو محیط ہے۔

فولاد

فولاد سے تیار شدہ اشیاء مثلاً جہازوں، طیاروں، ٹینکوں اور توپوں کی ہیبت سے آج دُنیا لرز رہی ہے۔ وُہ قومیں کس قدر طاقتور ہیں جنہیں استعمالِ فولاد کا علم حاصل ہے اور وُہ قومیں کس قدر ضعیف و ذلیل ہیں جو اس علم سے بے گانہ ہیں۔ آج سے ۱۳۶۲ سال پہلے ایک اُمّیؐ (فداہ ابی و امی) نے فاران کی چوٹیوں سے مسلمانانِ عالم کو یہ پیغام سُنایا تھا کہ:۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ	ہم نے فولاد اتارا جس میں زبردست ہیبت

وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (حدید ۲۵)	اور دنیا کے لئے بے شمار فوائد ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس طرف توجّہ نہ دی اور ذلّت و رسوائی کے جہنم میں دھکیل دیئے گئے۔ اگر آج ہماری برائے نام اسلامی سلطنتیں فولاد کے استعمال سے آگاہ ہو جائیں تو ان کا موجودہ ضعف قوت میں اور انحطاط عروج میں بدل جائے۔

اِن آیات کی موجودگی میں یہ کہنے کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے کہ قرآن تمام نوع انسان کے لِئے درسِ ہدایت نہیں؟ فی الحقیقت رسُولِ عربی علیہ السّلام کا دیا ہوا پیغام وُہ عالی شان دستورُ العمل ہے جس پر کاربند ہونے کا لازمی نتیجہ زندگی قوت، حشمت، تسخیرِ بحر و بر اور تمکن فی الارض ہے۔

حمد بے حد مر رسولِ پاک را — آں کہ ایماں داد مشتِ خاک را

نکتہ یہ امر قابلِ غور ہے کہ قرآن حکیم میں فقہی آیات عموماً یَسْئَلُوْنَکَ کے جواب میں ملتی ہیں مثلاً یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ..... یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ (بقرہ ۲۱۹) وغیرہ اور مطالعہ کائنات پر نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے ہیں جن سے اعراض کی سزا قومی و ملّی ہلاکت ہے۔

ایک تاریخی واقعہ حضرت عزیر علیہ السّلام بیتُ المقدس کے پاس سے گزرتے ہیں جسے بخت نصر تباہ کر چکا تھا اور سوچتے ہیں کہ کیا اس ہلاک شدہ بستی کا احیاءِ ثانی ممکن ہے؟ اللہ نے آپ کو سو سال کے لِئے موت دے دی اور پھر زندہ کر کے فرمایا:۔

فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۚ (بقرہ۔ ۲۵۹)	اپنے طعام (انجیر) اور پینے کی چیز (دودھ) کی طرف دیکھ کہ سو سال کی لمبی مدت میں بھی کوئی چیز خراب نہیں ہوئی

دُودھ اور انجیر کا اتنے عرصہ تک خراب نہ ہونا کوئی معجزہ نہیں، بلکہ آج ماہرین اشربہ واغذیہ کو اس قابلیت سے ڈبوں میں بند کرتے ہیں کہ سالہاسال تک خراب نہیں ہوتیں۔ اسی آیت کا مندرجہ ذیل ٹکڑا:

وَانْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ قف وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا۔ (بقرہ-۲۵۹)	اپنے گدھے پر غور کر، اور ہم تمہیں دُنیا کے سامنے ایک نمونہ بنا کر پیش کرنے والے ہیں۔ پھر ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم کس طرح انہیں ترتیب دیکر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔

موجودہ علم التشریح کی طرف کس زور کی دعوت ہے۔ جب عزیر علیہ السلام گدھے اور اس کی ہڈیوں کی ترتیب پر غور کر چکے تو الٰہی صناعی و تخلیق سے مرعوب ہو کر پکار اُٹھے۔

قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (بقرہ-۲۵۹)	تو عزیر پکار اٹھا کہ مجھے قدرت الٰہی کا علم اب حاصل ہُوا ہے۔

یہی وُہ علم ہے جس کا نتیجہ خشیہ ہے اور جس سے ایمان میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور یہی وُہ آیات ہیں جن سے ارباب علم کے دِل دہل جاتے ہیں اور سینے نورِ عرفاں سے معمور ہو جاتے ہیں:

اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ (انفال-۲)	جب ان کے سامنے آیاتِ الٰہی کی تفسیر پیش کی جاتی ہے تو اُن کے سینے نور سے منوّر ہو جاتے ہیں۔

آج مغربی تجربہ گاہوں میں حیوانوں کو چیر پھاڑ کر الٰہی صناعی کا تماشا دیکھا جا رہا ہے، اللہ کی حیرت انگیز تخلیق و نظامِ آفرینش کا مطالعہ ہو رہا ہے اور مسلم نہ صرف

جاہل ہے بلکہ ان علوم کو خلافِ اسلام قرار دیتا ہے۔ ہم کئی صدیوں سے اس مخبوط الحواسی کی سزا بھگت رہے ہیں اور ابھی نہ جانے کتنے قرن اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ ط (حشر۔۱۹)	یہ لوگ خدا کو بھول گئے اور خدا نے ان کو یوں حواس باختہ کیا کہ انہیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔

ابتلائے خلیلؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے تمام کائنات بایں حسن و جمال پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کو ان تمام حسین مظاہر فطرت میں سے ایک معبود کا انتخاب کرنا تھا۔ آپ کی عرش رس نگاہ آسمان کے نوری کھلونوں کو چیر کر بدیع السمٰوٰت والارض تک جا پہنچی اور آپ نے یہ رُوح افزا اعلان فرمایا کہ:۔

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (انعام ۷۷)	میں غروب ہونے والے مظاہر کی پرستش نہیں کرتا۔

یہ تھی پہلی ابتلائے خلیلؑ!

اس کے بعد تحقیق کا درجہ آتا ہے۔ ابراہیمؑ تقلید سے متنفر تھے۔

اگر تقلید بودے شیوہ خوب
پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے (اقبالؒ)

اِسی لئے فرمایا:۔

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ط (بقرہ۔۲۶۰)	اے رب مجھے احیائے اموات کا منظر دکھلا۔

چنانچہ چار ذبح شدہ پرندے ابراہیمؑ کی آنکھوں کے سامنے دوبارہ زندہ کئے گئے اور یہ تھی دُوسری ابتلائے خلیلؑ

جب ابراہیمؑ ان ابتلاؤں میں پورے اُترے اور صاحب تحقیق و نظر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا تو اللہ نے آپ کو امامت و سلطنت کی یوں بشارت دی:

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ (بقرہ - ۱۲۴)	کہ اے ابراہیمؑ میں تمہیں دُنیائے اسلامی کا امام بنانے والا ہوں۔

ابراہیمؑ نے پوچھا کہ میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ تو کہا:

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ○ (بقرہ - ۱۲۴)	کہ تیری اولاد میں سے ظالم لوگ صلاحیت امامت کھو بیٹھیں گے۔

جہالت سب سے بڑا ظلم ہے۔ آج اولادِ ابراہیمؑ اسی لئے ذلیل و رُسوا ہے کہ کلامِ خدا (قرآن) اور عمل خدا (کائنات) ہر دو سے جاہل ہے اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ زمین کے خزانوں کو استعمال کیئے بغیر کوئی قوم چند گھنٹوں کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

قرآن حکیم میں بار بار حکم دیا گیا ہے:

نظر

اُنْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (یونس ۱۰۰) زمین و آسمان پر نظر ڈالو۔

آؤ دیکھیں کہ نظر کے معنی لغت میں کیا ہیں۔

نظر: دیکھنا، غور کرنا، معائنہ کرنا، سوچنا (قاموس فیروزآبادی)

تو گویا ہمیں کائنات کو دیکھنا، اس پر سوچنا، غور کرنا اور اس کے تمام پہلوؤں کا معائنہ کرنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس قسم کا دیکھنا ان آنکھوں سے ہو سکتا ہے جواب نفی میں ہے اس لئے کہ آنکھ کا دائرہ بصارت از بس محدود ہے۔ اگر نظر کمزور ہو تو عینک استعمال کرنا پڑتی ہے۔ اگر اٹک سے لاہور تک کا سفر کرنا پڑے تو

ریل گاڑی کی ضرورت ہوتی ہے چونکہ اللہ نے ہمیں نظر کا حکم دیا ہے، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس حکم کی تعمیل بہتر سے بہتر رنگ میں کریں اور تیزیٔ بصارت کے جس قدر وسائل مل سکیں، انہیں استعمال میں لائیں۔ آج دُنیا میں بہترین آلات بینائی ایجاد ہو چکے ہیں۔ جن سے تخلیق کے بہت سے مخفی پہلو عریاں ہو کر سامنے آجاتے ہیں۔ ان کے آلات کو عربی میں منظار اور اردو میں خوردبین یا دُوربین کہا جاتا ہے۔

ایک مُسلم کو حکم ہے کہ وُہ فریضۂ صلوٰۃ ادا کرے اب یہ مُسلم کا فرض ہے وُہ جسم کو پاک کرے، صاف کپڑے پہنے اور مسجد تک چل کر جائے یہ خُدا کا فرض نہیں کہ اُس کے کپڑے دھوئے، اُسے وضو کرائے، اور فرشتوں کو بھیجے کہ جاؤ میرے پیارے بندے کو اُٹھا کر مسجد میں پھینک آؤ۔ بعینہٖ اسی طرح یہ مُسلم کا فرض ہے کہ وُہ کائنات کا مطالعہ و معائنہ کرنے کے لئے وسائل نظر تلاش کرے تاکہ الٰہی حکم کی تکمیل ہو سکے۔

انتساب جب کوئی فرد قوم کے لئے کسی پہلو میں مفید ثابت ہوتا ہے تو اس کی یادگار باقی رکھنے کے لئے عمارات وغیرہ کو اس کے نام پر منسُوب کر دیا جاتا ہے مثلاً سر گنگارام ہسپتال، سر فضل حسین لائبریری، دلنہ ہاسٹل اور ایمرسن کالج۔ اللہ کے ہاں حشرات و دواب اور اشجار و احجار کو وُہ اہمیت حاصل ہے کہ قرآن حکیم کی بعض سُورتیں اُن کی طرف منسُوب کر دی گئیں۔ سورہ بقرہ میں ۶۱۲۲ الفاظ اور ۲۸۶ آیات ہیں مختلف مضامین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جنّت و دوزخ کا ذکر ہے۔ ایمان و نفاق پر بحث ہے، مختلف پیغمبروں کے تذکرے ہیں اور بہت کچھ ہے۔ لیکن اس سُورۃ کا نام بقرہ (گائے) رکھا گیا۔ مومن، جنّت، موسیٰ، عیسیٰ، یا کتاب

نہیں رکھا گیا۔

اِسی طرح بعض دیگر سُورتوں کے نام یہ ہیں:

نمل (چیونٹی) نحل (مگس شہد) عنکبوت (مکڑی) انعام (چوپائے) دخان (گیس، سٹیم، دھواں) مائدہ (طعام) الکہف (غار) نور (روشنی) صافات (اڑتے ہوئے پرندے) طور (پہاڑ کا نام) نجم (ستارہ) قمر (چاند) حدید (فولاد) قلم (آلۂ تحریر تصنیف) الدھر (زمانہ) انفطار (پہاڑوں وغیرہ کا پھٹنا) البروج (آسمان کے حصّے) الطارق (مُسافر شب یعنی ستارے وغیرہ) الفجر (صبح) البلد (شہر) الشمس (سورج) اللیل (رات) الضحیٰ (طلوعِ آفتاب کے بعد کا وقت) التین (انجیر) زلزال (کانپنا، زلزلہ) العصر (زمانہ) الفیل (ہاتھی) لھب (آگ کا بھڑکنا) الفلق (طلوعِ صبح) الناس (انسان)۔

غور فرمائیے! مناظرِ کائنات کو کس قدر اہمیّت حاصل ہے کہ کتابِ الٰہی کے کئی حِصّے اُن کی طرف منسوب ہیں۔

ہر کہ محسُوسات را تسخیر کرد | عالمے از ذرّہ تعمیر کرد
کوہ و صحرا، دشت و دریا بحر و بر | تختۂ تعلیم اربابِ نظر (اقبالؒ)

انسانی علم کا تعلق مندرجہ ذیل اشیاء سے ہو سکتا ہے۔

علم

۱۔ پانی سے: مثلاً اشربہ، ادویہ وغیرہ تیار کرنا۔

۲۔ زمین سے: انہار کھودنا، معادن نکالنا، طبقات الارض کی چھان بین، پٹرول اور کوئلہ کی تلاش۔

۳۔ ہوا سے: ہوا میں اُڑنا، ہوا کا تجزیہ، ہوا کی طاقت کو استعمال کرنا وغیرہ۔

۴۔ آگ سے: سٹیم تیار کرنا۔ انجن بنانا۔ آتش بار طیارے ٹینک اور توپیں تیار کرنا

۵۔ نباتات سے: تجزیۂ نباتات کے بعد خواصِ نباتات معلوم کرنا۔

۶۔ حیوانات سے: حیوانات سے سواری و باربرداری کا کام لینا۔ اچھی نسلیں پالنا، چمڑے رنگنا، پوستین تیار کرنا اور کعبہ میں ہر سال کئی لاکھ ذبح شدہ حیواناتِ قربانی کو بجائے نقصان رساں ہونے کے مفید بنانا۔

۷۔ اجسام النّاس سے: علم الاعضاء، علم الطب، تشریح الافعال وغیرہ۔

۸۔ نفوس سے: علم العبادات، شاعری، موسیقی وغیرہ۔

گویا کائنات کا ہر منظر عجائبات کی ایک دُنیا پہلو میں لئے دبکا بیٹھا ہے۔ ہر ذرہ ہمیں قوت و جبروت کا ایک لازوال پیام دے رہا ہے اور ہر پتا بقا و صلاحیت کی حیات انگیز داستان سُنا رہا ہے لیکن افسوس ہم ان آیات سے غافل ہیں۔

يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (یوسف ۱۰۵)	یہ لوگ مناظر کائنات سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔

شعاعیں پروفیسر آرتھر اڈنگٹن کاسمک شعاعوں (COSMIC RADIATION) پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جو کاسمک شعاعیں عالم بالا سے تخلیق ارض سے پہلے روانہ ہوئی تھیں وہ زمین پر اب پہنچی ہیں۔ یہ مقدار میں بہت کم اور طاقت میں بہت زیادہ ہیں، نباتات و ازہار (پھولوں) کا تنوع انہی کی وجہ سے ہے۔ آغازِ آفرینش میں صرف ایک پھول کسی پودے پر لگا ہو گا جب اِس پودے کے بیج زمین پر جھڑے تو کسی بیج میں "کاسمک شعاع" داخل ہو گئی، فوراً

اِس میں ایک تغیر آگیا، چنانچہ اس بیج کے پھول رنگ و صورت میں دوسرے ہم جنسوں سے الگ ہو گئے یہ لالہ و گلاب کی مختلف قسمیں اسی شعاع کی کارستانیاں ہیں۔

شعاعی جنکشن ایک انچ بھر فضا میں سے وہ تمام شعاعیں گزر رہی ہیں جو پانی، گھاس، عمارات اور شمس و قمر سے نکل کر ہر طرف پھیل رہی ہیں۔ اگر خوردبین سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس انچ بھر جگہ میں سے کروڑوں اجرام سماوی کی شعاعیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی گزر رہی ہیں۔ قطبی ستارے کی ضعیف ترین شعاع آفتاب کی طاقت ور موج نور کو چیر کر جا رہی ہے اور ایک بہت بڑا ریلوے جنکشن، اس انچ بھر فضائی مقام کے مقابلے میں ہیچ نظر آتا ہے۔

روشنی کی طاقت روشنی ایک مہیب طاقت ہے جو کرنوں کا زینہ لگا کر آسمان سے اُتر رہی ہے، اگر ہم اس روشنی کو جمع کر سکیں جو ٹینس کے میدان پر صرف ایک دِن میں پڑتی ہے تو اس قوت سے دو سو گھوڑوں کی طاقت کا ایک انجن قیامت تک چلایا جا سکتا ہے۔

روشنی کی قیمت ہم اپنے کارخانوں اور گھروں میں بجلی سے کام لیتے ہیں جس کا منبع اوّلین آفتاب ہے۔ یورپ کے ایک ماہر طبیعات نے اندازہ لگایا ہے کہ تمام دُنیا میں ہر سال صرف ½ چھٹانک وزن کی بجلی خرچ ہوتی ہے جس کے پیدا کرنے پر ۴۳ کروڑ روپیہ لاگت آتی ہے۔ دُوسری طرف جو روشنی سُورج سے صرف ایک دِن میں زمین پر آتی ہے، اُس کا وزن

۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۱۵ ۸۰ من ہے۔ بجلی کے حساب سے اِس روشنی کی قیمت ڈالر بنتی ہے اللہ سبحانہ کا لطفِ عمیم دیکھو کہ ہم ایک پائی تک صرف کئے بغیر طاقت کے اس بے پناہ خزانے سے متمتع ہو رہے ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمان ۱۳) | تم اللہ کی کون کون نعمتوں کا انکار کرو گے۔

علمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ آفتاب ہمیں دس ارب سال تک اور روشنی دیتا رہے گا۔

گہوارۂ زمین ابتداء میں زمین ہموار تھی اور اس پر ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اگر آج زمین کو پھر ہموار کر دیا جائے تو ہر مقام پر تقریباً دس ہزار فٹ گہرا پانی چھا جائے۔ کچھ مدت کے بعد زمین کی اندرونی حرارت سے بطن الارض کے مواد اچھل کر باہر آ گئے اور ہر سو پہاڑ نظر آنے لگے۔ زلزلوں کے علاوہ پانیوں کی شکست و ریخت اور طولِ زماں نے بھی سطحِ زمین کو ناہموار بنانے میں کافی حصّہ لیا۔ زمین کا ناہموار ہونا ایک الٰہی رحمت ہے ورنہ یہ انسانی و حیوانی زندگی کا گہوارہ نہ بن سکتی۔

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا (طٰہٰ ۵۳) | اللہ وُہ ہے جس نے زمین کو تمہارا گہوارہ بنایا۔

عادتِ الٰہیہ بعض حیوانات بعض اعضا کو زیادہ استعمال کرتے ہیں تو وُہ بڑھ جاتے ہیں اور بعض کم استعمال کرتے ہیں تو وُہ رفتہ رفتہ مٹ جاتے ہیں۔ نباتات میں بھی یہی سنّتِ الٰہیہ جاری ہے۔ کچھ صدیاں بیشتر کیلے کی پھلی میں امرود کی طرح چھوٹے چھوٹے بیج ہوا کرتے تھے جن کی کاشت سے کیلا پیدا کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ کیلے کی شاخیں لگانے کا رواج ہو گیا جب

قدرت نے دیکھا کہ بیج کو استعمال نہیں کیا جاتا تو آہستہ آہستہ بیج کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اور آج کیلے میں بیج دِکھائی نہیں دیتا۔ قدرت کا ازل سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ وُہ صِرف ان اقوام کو دُنیا میں باقی رکھتی ہے جو مفید ہوں اور غیر مفید اقوام کو کیلے کے بیج کی طرح مِٹا دیتی ہے۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (رعد-۱۷)	زمین میں صِرف اسی کو رنگِ دوام حاصل ہوتا ہے جو دُنیا کے لئے مفید ہو۔

اللہ سنتا ہے

آج ہم تموّج ایثری کی بدولت ہزارہا میل دُور کی باتیں چشم زدن میں بے تار و سلسلہ سُن رہے ہیں۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ ایثر اللہ کے دائرۂ اختیار کے اندر ہے یا باہر؟ اگر اندر ہے تو لا محالہ کائنات کی ہر وُہ آہٹ صدا اور جنبش جو ایثر میں جنبش پیدا کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے پنہاں نہیں رہ سکتی[1]۔ نظریۂ امواج ایثری نے ہمیں یقین دلا دیا کہ:

اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ۔	اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

امپیریل کالج آف سائنس (لنڈن) کے ایک پروفیسر مسٹر ولیم ایک دفعہ انسانی کان کی ساخت پر غور کر رہے تھے۔ الٰہی صناعی کے حیرت انگیز کمالات سے مرعُوب ہو کر چلّا اُٹھے:

"HE WHO PLANTED EARS

SHALL HE NOT HEAR?"

---

[1] بلکہ (نعلم ما توسوس بہ نفسہ) اللہ تعالیٰ انسان کے وسوسوں تک سے واقف ہیں۔ (مدیر البیان)

"جس اللہ نے کان ایجاد کیئے ہیں، کیا وہ خود صفت سمع سے محروم ہے؟"

سبحان اللہ پروفیسر ولیم کو اپنے علم و مطالعہ کی بدولت اللہ کی صفت سمع پر کیا روح افزاء ایمان حاصل ہے۔

ماحول سے تطابق

تمام کائنات کی ترکیب بجلی کے خوردبینی ذرات یعنی منفیوں (ELECTRONS) سے ہوئی۔ منفیوں کا اختلاط مثبت ذرات برقیہ یعنی ثباتیوں (PROTONS) سے ہوا اور یہ مرکب عقیمیہ (NEUTRON) کہلایا چند عقیمیے مِل کر جواہر (ATOMS) بنے اور جواہر کا مجموعہ سالمہ (MOLECULE) کہلایا۔ ہر جوہر اور ہر سالمہ بجلی کا ایک چھوٹا سا خزانہ ہے۔

نباتات کی ترکیب بھی ان ہی ذرات برقیہ سے ہوئی۔ صرف نام کا فرق ہے نباتات میں عنصر نباتی کی ترکیب خلیوں (CELLS) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیہ منفیوں اور ثباتیوں کا ایک مرکب ہوتا ہے۔ جس کے اجزائے ترکیبی بنائیے (PROTOPLASM) کہلاتے ہیں۔ یہ خلیہ کوئی مُردہ چیز نہیں بلکہ نہایت حساس اور پیچیدہ خزانۂ حیات ہے جس کے مقابلہ میں گھڑی یا مطبع کی مشین ازبس سادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہر بنائیے میں ماحول کے ساتھ بدلنے کی حیرت انگیز استعداد موجود ہے۔

آغاز میں پودے سمندر کے ساحل پر نمودار ہوئے تھے جب ان کے بیج جھڑے تو آندھیاں، پرندے اور بارشیں انہیں نئے ماحول میں لے گئیں، جہاں پودوں میں کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی، جو گلاب کا پودا کسی باغ میں اُگا تھا اور اسے ہر وقت حیوانات کی غذا بننے کا ڈر رہتا تھا۔ قدرت نے حفاظت کی خاطر اُس

کے ساتھ بہت زیادہ کانٹے دیئے اور جو گلاب کسی باغ میں اگا تھا جس کے اردگرد اونچی دیوار تھی اور ایک مالی بھی حفاظت پر مقرر تھا، اس کے کانٹے کم کر دیئے اور پھر جنگلی اور بستانی پودے میں بہ لحاظِ نزاکت و لطافت بھی کافی فرق دیکھا گیا۔ باغ میں پودے مالی اور نظارگیوں کی خواہش سے بھی متاثر ہو کر زیادہ خوشنما و نازک بن گئے۔

شرلے کہتا ہے کہ میں نے پائیں باغ کے ایک کونے میں پپی کا ایک پھول دیکھا جس کے کنارے کچھ سفیدی مائل تھے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ یہ پھول بالکل سفید ہو جائے۔ اگلے سال یہ پھول زیادہ سفید ہو گیا اور چند سال کے بعد بالکل سفید۔

نباتات کی طرح حیوانات کو بھی نئے ماحول میں نئے اعضاء و آلات مل جاتے ہیں۔ پرندے کی چند ہڈیاں صرف گیس سے پر ہوتی ہیں، تاکہ ہوا میں اپنا بوجھ آسانی سے اٹھا سکے۔ مینڈک کی وہ تھیلی جو پانی میں تیرنے کے کام آتی ہے، خشکی پر پھیپھڑے کے فرائض سر انجام دیتی ہے اسی طرح مچھلی کو پانی میں جس قدر آلات کی ضرورت تھی وہ سب عطا ہوئے۔ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ کسی قوتِ ناظمہ کے بغیر ہو رہا ہے؟ کیا کائنات کی اس حیرت انگیز مشین کو چلانے کے لیئے کوئی دماغ مصروفِ عمل نہیں کیا یہ تخلیق و آفرینش کے بصیرت افروز معجزے محض حسنِ اتفاق سے ظاہر ہو رہے ہیں ہر گز نہیں۔

ایک مغربی عالم کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"THE IDEA OF MIND BEHIND AND MIND

WITHIN SEEMS AS RATIONAL AND WORKING HYPOTHESIS AS ANY."

"یہ خیال کہ ایک دماغ کائنات کے اندر اور باہر مصروفِ عمل ہے۔ ایک معقول اور قابلِ یقین تخیل ہے۔

رفتارِ آفرینش زمین میں ارتقائے آفرینش پر لاکھوں صدیاں صرف ہوئیں۔ ایک وہ وقت بھی تھا کہ کائنات عقل سے محروم تھی، انسان کی تخلیق نے اس کمی کو پورا کیا۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی ایجاد گزشتہ تاریخ تخلیق کا آخری و اکمل باب تھا۔ ابھی ایسے دماغ آئیں گے، جن کی تمہید ہم ہیں۔ خدا جانے یہ دنیا کہاں جا رہی ہے آج سے دس لاکھ سال بعد کیسے انسان آئیں گے، اور ان کے دماغ کس قدر بلند ہوں گے، کوئی نہیں بتلا سکتا۔ برناڈ شا کہتا ہے کہ کئی لاکھ سال بعد انسانی عقل ارتقاء کی اس منزل تک جا پہنچے گی کہ طیاروں اور موٹروں سے ہزار گنا زیادہ تیز رفتار سواریاں ایجاد ہو چکی ہوں گی اور جس طرح کہ آج حجری زمانے کے آلات و ظروف اور ازمنہ وسطیٰ کی منجنیق عجائب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے۔ اس زمانے میں طیارے وغیرہ زمانۂ جاہلیت کی یادگار سمجھ کر عجائب گھروں میں رکھ دیئے جائیں گے۔ سچ ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔

جب ہم کسی آیت یا منظر کو مٹا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسا ہی پیدا کر دیتے ہیں۔

تلافیِ آفات انسانی بدن کی مشین پر غور فرمائیے۔ ایک ڈاکٹر اس اعتماد پر جسم میں سوراخ کر دیتا ہے کہ اندر ایک حیرت خیز مشین،

پوست گوشت بنانے پر لگی ہوئی ہے۔ اگر تلافی مافات کا یہ قدرتی سلسلہ نہ ہوتا تو ہزارہا مریض عمل جراحی (آپریشن) کے بغیر ہلاک ہو جاتے۔ اسی طرح کا ایک سلسلہ عالمِ اخلاق میں بھی کام کر رہا ہے۔ ہم گذشتہ گناہوں اور کج راہیوں کی تلافی توبہ و ندامت سے کر سکتے ہیں اور برہمنوں کا یہ اصول کہ گناہ کی تلافی نہیں ہو سکتی درست نہیں

ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ۔ (نساء - ۱۷)	جو لوگ جلد ہی سنبھل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ خامیوں کو نظر انداز فرما دیتا ہے۔

اللہ کا دارالحکومت

اگر سرما کی کسی رات کو مریخ کا کوئی باشندہ بمبئی کے بازاروں میں اُتر آئے تو وہ ہر طرف بلند عمارات اور خوبصورت دکانیں دیکھے گا، جن میں بجلی کے قمقمے نور کا سیلاب اٹھا رہے ہونگے موٹروں کا تانتا بندھا ہوگا ہر طرف ایک چہل پہل نظر آئے گی، تو کیا وہ یہ خیال کریگا کہ یہ تمام رونق خود بخود پیدا ہو گئی؟ کیا ایک جوہری کی دکان میں چاندی اور سونے کے برتن خود بخود قرینے سے سج گئے؟ کبھی نہیں۔ ذرا اندھیری رات میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ ستاروں کے قمقمے کس شان و شکوہ سے جل رہے ہیں۔ نور و تجلی کا کیا سیلاب اُمنڈ رہا ہے۔ کہکشاں کی شاہراہوں پر کروڑوں آفتاب کیسی بہار دکھلا رہے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کسی عظیم الشان فرمانروا کا دارالحکومت ہے۔

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ	کیا یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ اس سے بہت بلند اور پاک ہے۔

کائنات کے اس لرزہ فگن سلسلے پر غور کرنے کے بعد جرمنی کے مشہور مفکر

آئن سٹائن نے فرمایا:

THE UNIVERSE IS RULED BY MIND AND WHETHER IT BE THE MIND OF A MATHEMATICIAN OR OF AN ARTIST OR OF A POET OR ALL OF THEM; IT IS THE ONE REALITY WHICH GIVES MEANING TO EXISTENCE. ENRICHES OUR DAILY TASK ENCOURAGES OUR HOPE AND ENERGIZES US WITH FAITH WHEREVER KNOWLEDGE FAILS."

کائنات پر ایک زبردست دماغ حکومت کر رہا ہے اس سے بحث نہیں کہ وہ دماغ ریاضی داں کا ہے، یا مصور کا، شاعر کا یا ان سب کا یہ ایک حقیقت ہے جو ہماری حیات کو پر معنی بناتی ہے، امیدوں کو ابھارتی ہے اور جہاں علم کی روشنی ناکام رہے، وہاں ہمارے یقین کو اور زیادہ مضبوط کرتی ہے۔

یہی مفکر ایک اور مقام پر کہتا ہے۔

"HE WHO CAN NO LONGER PAUSE TO WONDER AND STAND RAPT IN AWE IS AS GOOD AS DEAD AND HIS EYES ARE CLOSED."

وہ انسان جو کائنات پر اظہار تعجب کے لئے ٹھہرتا نہیں اور اس پر خشیہ و تقوے کی کیفیت طاری نہیں ہوتی، وہ مر چکا ہے اور اس کی آنکھیں بصارت سے محروم ہو چکی ہیں۔

آئن سٹائن کا یہ قول آیتِ ذیل کا تقریباً ترجمہ معلوم ہوتا ہے:

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا یہ لوگ کائناتِ ارض و سما اور دیگر الٰہی مخلوق

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ لا وَّاَنْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ (اعراف ۱۸۵)	پر غور نہیں کرتے ؟ شاید ان کی موت قریب آگئی ہے ۔

ہمالہ کے بلند اور دہشت ناک سلسلے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ وُہ کسی ہیبت انگیز جبار کے پرعظمت دربار میں سہما ہُوا کھڑا ہے وُہ ہر سو وسیع و عمیق وادیاں، وُہ حواس برانگن سکوت، وُہ رعب و ہیبت کی لاانتہائیاں اور حیرت و تعجب کی بے پایانیاں اللہ اللہ انسانی عقل کپکپا اٹھتی ہے کیا ان مہیب مناظر کی خالق وہی ہستی ہے، جس نے کشمیر کے حسین و جمیل خطے کو اپنی رعنائیوں کا مظہر بنایا۔ یہ پھولوں کی دُنیا، ندیوں کے نغمے، چڑیوں کے زمزمے، ہواؤں کی لطافتیں، فضاؤں کی ملاحتیں، دنیائے رنگ، جہان نیرنگ!

وُہ سامنے سمندر کی پرجبروت دنیا میں ہمالہ پیکر موجیں ایک ہولناک چٹان سے ٹکرا کر دھاڑتی ہُوئی واپس آرہی ہیں۔ پانی کی یہ دُنیا کس قدر مرعُوب کن ہے دُوسری طرف شب ماہتاب میں کسی خاموش تنہا اور آسودہ جھیل کا منظر کس قدر دِل فریب ہے اس کے ساحل پر وُہ نیلے نیلے، اودے اودے پھول، عطر تیوں میں بسی ہوئی ساکن ہوا سطح آب پر سویا ہُوا سکون، گھاس میں نیم بیدار بگلے اور مُرغابیاں۔ آہ! یہ منظر کتنا حسین اور کتنا وجد آور ہے۔ ہم یوں محسوس کرتے ہیں کہ گویا فطرت کی بہاروں میں گم ہو رہے ہیں کسی مغربی فطرت شناس نے کیا اچھا کہا ہے:

"WHEN WE STAND AND GAZE UPON THE SCENE BEFORE US WE GROW TO FEEL A PART OF IT. SOMETHING IN IT COMMUNICATES WITH SOME-

THING IN US. THE COMMUNION BRINGS US JOY AND THE JOY BRINGS US EXALTATION."

"جب ہم کچھ رُک کران حسین مناظر پر نگاہ ڈالتے ہیں، جو ہمارے سامنے حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے ہیں، تو ہم محسوس کرتے ہیں گویا ہم ان مناظر کا ایک جزو بن چکے ہیں۔ اس حالت میں کائنات کا شاہد مستور ہم سے ہمکلام ہو جاتا ہے یہ ہم کلامی کیف نشاط پیدا کرتی ہے اور یہ نشاط وجد و مستی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

خیز و وا کن دیدہ مخمور را | دوں مخواں ایں عالم مجبور را
غایتش توسیع ذاتِ مسلم است | امتحاں ممکنات مسلم است (اقبال)

صدرِ محفل ماہرینِ علم السماء نے اندازہ لگایا ہے کہ اس نیلی فضا میں ہمارے آفتاب سے لاکھوں گنا بڑے بے شمار سورج نہایت تیزی سے محوِ پرواز ہیں اور ہمارا آفتاب کائنات کے بے شمار شمسی نظاموں کے سامنے محض ایک ذرّے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر یہ تمام شموس و اقمار مل کر قدرت کی لاانتہا دنیاؤں کی ایک چھوٹی سی کسر بنتے ہیں انسان کائنات کی اس وسیع و عریض محفل میں صدر نشین ہے کتنی بڑی تکریم اور کتنا بڑا اعزاز ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل) | ہم نے انسان کو اشرف کائنات بنایا۔

انسان کی برادری کس قدر وسیع ہے کہکشانی سیارے سے لے کر لالۂ صحرا تک سب ہی رگوں میں ایک ہی خون (ذراتِ برقیہ) دوڑ رہا ہے۔ سب کی پیدائش ایک ہی نفس (منقبیہ) سے ہوئی، اس لئے یہ سمندر، پہاڑ اور آفتاب و نجوم انسان کے بھائی ہیں۔ گو انسان عمر اور قد میں چھوٹا ہے لیکن ؎

"ہر چہ بہ قامت کہتر بہ قیمت بہتر"

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (اعراف۔۱۸۹) | اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک نفس (منفیہ) سے پیدا کیا ہے۔

ہمیں اس پُر شکوہ کائنات کا سردار بنا کر بھیجا گیا تھا لیکن حالت یہ ہے کہ ہم قدم بہ قدم پر آئینِ فطرت توڑتے ہیں۔ باقی تمام کائنات اپنے دستور العمل کو نباہ رہی ہے اور انسان:

وَالْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ (عصر۱-۲) | تاریخ عالم (والعصر) شاہد ہے کہ انسان ہمیشہ خسارے میں رہا۔

کیا یہ محض حُسنِ اتفاق ہے؟

ہماری زمین آفتاب سے نکلی تھی۔ اس لئے ارضی برقیوں کا منبع بھی آفتاب ہے۔ سورج سے نکلے ہوئے یہ ذرات آج طیور و وحوش اور لالہ و گل کی صورت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان شعلوں کو یہ شکل کس نے دی؟ کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا؟ ہم مانتے ہیں کہ دنیا میں اتفاق بھی کوئی چیز ہے لیکن اتفاقات یا مواقع اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور بُرے بھی۔ پھر یہ کیوں ہے کہ تخلیق کائنات میں تمام اچھے مواقع استعمال کئے گئے اور بُرے اتفاقات کو چھوا تک نہیں گیا؟ اس لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ کوئی نگران آنکھ اور کوئی زبردست دماغ مصروفِ عمل ہے جو تمام تعمیری مواقع مہیا کر رہا ہے اور تخریبی مواقع سے بچ رہا ہے۔ تخلیق و تکوین کے یہی وہ ایمان افروز معجزات ہیں جن پر غور کرنے کے بعد پروفیسر ولیم میکبرائڈ نے کہا تھا:

لہ نفسِ واحد کی ایک اور تفسیر اوراقِ آئندہ میں آئے گی۔ (برق)

''CAN ANYONE SERIOUSLY SUGGEST THAT THIS DIRECTING AND REGULATING POWER ORIGINATED IN CHANCE ENCOUNTER OF ATOMS ? CAN THE STREAM RISE HIGHER THAN ITS FOUNTAIN ?''

کیا کوئی شخص سنجیدگی سے یہ خیال کر سکتا ہے کہ کائنات میں یہ نظم و ہدایت عناصر کی اتفاقیہ آمیزش سے پیدا ہو گئی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی نہر اپنے منبع سے مرتفع تر سطح پر بہہ سکے۔

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ○ (مومنون ۱۷) | آفرینشِ کائنات سے ہم غافل نہ تھے۔

نقشۂ تعمیر

آم کی گٹھلی ایک چھوٹا سا صندوق یا فریم ہے، جس میں آم کے درخت کا مکمل خاکہ و نقشہ پتوں، ٹہنیوں اور پھل سمیت موجود ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا سا آم جو گٹھلی میں موجود ہے، زمین، ہوا اور آفتاب سے غذا و حرارت حاصل کرنے کے بعد پورا درخت بن جاتا ہے۔ یہ گٹھلی اس نقشے کی طرح ہے جو انجنیئر تعمیر عمارات سے پہلے تیار کرتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر جب پہلا آم اُگا تھا تو نقشہ کہاں تھا؟ جواب یہ ہے کہ خالق کے دماغ میں:

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ○ (سبا-۳)

ذرہ یا ذرے سے کم و بیش کوئی زمینی یا آسمانی چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین یعنی علم الٰہی میں موجود نہ ہو۔

مخفی طاقت

تمام کائنات پر ایک غیر محسوس طاقت کا اثر نظر آتا ہے۔ ہر چند کہ یہ طاقت غیر مرئی ہے لیکن یقیناً موجود ہے اس کی

مثال یوں ہے کہ ہم ریڈیو پر دس ہزار میل سے کوئی تقریر یا ڈرامہ سنتے ہیں اور کبھی کبھی متاثر ہو کر رو دیتے ہیں۔ مقرر دس ہزار میل دُور ہے اور ہم تک اس کی آواز ایتھر کی بدولت پہنچ رہی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ہم ایتھر سے متاثر ہو رہے ہیں جو ایک غیر محسوس طاقت ہے۔ اس سے واضح تر مثال یہ ہے کہ ایک سیب درخت سے ٹپکنے کے بعد نہ تو آسمان کی طرف دوڑتا ہے اور نہ افق کی طرف بھاگتا ہے۔ بلکہ کششِ ارضی (ایک غیر محسُوس طاقت) کے زیر اثر زمین کی طرف آتا ہے۔ دیکھا آپ نے کہ سیب کی اس افتاد پر ایک غیر مرئی طاقت کا کتنا زبردست اثر ہے۔ اسی طرح کی ایک طاقت تمام کائنات میں سرگرم عمل ہے جسے اللہ کہا جاتا ہے۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (بقرہ ۲۵۵) | اللہ کا تخت سلطنت ارض و سما کو محیط ہے۔

جس طرح پاکستان کے تمام دشت و جبل، باغ و راغ اور انسان و حیوان مل کر پاکستان کہلاتے ہیں اور انسان پاکستان کا دماغ ہے پھر کسی خاص موقعہ (مثلاً جلسہ تقریب وغیرہ) پر صرف ایک منتخب انسان صدر بزم بنتا ہے جو اہل پاکستان کے جذبات و خواہشات کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات کی بھری محفل میں اللہ تعالےٰ صدر محفل ہے جو قوت، طاقت، خواہشات اور جذبات انسانی کا منبع و مصدر ہے:

وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ (دہر ۳۰) | پہلے اللہ ایک چیز کی خواہش کرتا ہے اور پھر تم۔[1]

---

[1] یعنی انسانی اختیار، اختیار خداوندی کے ماتحت ہے۔ (مدیر البیان)

دنیائے مغرب کا ایک حکیم عجائباتِ تکوین سے متاثر ہو کر کہتا ہے:

"THE MORE WE KNOW THE MORE WE FIND THERE IS TO KNOW. THE FARTHER WE GO, THE GREATER IS OUR JOY. THE DEEPER WE PENETRATE THE HIGHER IS OUR EXALTATION. SO ON AND ON WE SHALL GO LAYMEN AND SCIENTISTS ALIKE. WE SHALL NEVER STOP, BECAUSE THE LURE IS TOO GREAT."

جوں جوں ہمارا علم فطرت بڑھتا جاتا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ابھی کچھ اور بھی ہے جسے جاننا چاہیئے اس کیف انگیز دنیا میں ہم جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، ہماری مسرتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مطالعہ کائنات پر صرف کیا ہوا لمحہ ہمیں بلند تر کیف و مستی کا پیام دیتا ہے۔ ہم سب (عوام و علماء) اس حسین منزل کی طرف بڑھتے ہی جائیں گے اور ٹھہریں گے نہیں اس لئے کہ شاہد کائنات کی تجلیاں از بس نظر فریب ہیں۔

وحدتِ کائنات پر فرانسس تھامپسن کا خیال ملاحظہ ہو:

"ALL THINGS BY IMMORTAL POWER NEAR AND FAR
HIDDENLY TO EACH OTHER LINKED ARE.
THAT THOU CANNOT STIR A FLOWER,
WITHOUT THE TREMBLING OF A STAR."

"تمام قریب و بعید اشیاء کو ایک لازوال طاقت نے مخفی طور پر بہ یک دیگر باندھ رکھا ہے جب تم ایک پھول کو چھیڑو گے تو فضائے گردوں میں ایک ستارہ کانپ اٹھے گا۔"

اللہ اکبر! توحید پر اس سے بہتر مضمون کوئی کیا باندھے گا۔ یہی وہ زمزمہ ہائے ثنا و عبودیت ہے جو قرنوں کے مسلسل مطالعہ و تفکر کے بعد ان کے دل کی گہرائیوں سے نکل رہے ہیں۔ کیا اللہ ایسے انسانوں کو سپرد جہنم کر دے گا جن کی زندگیاں افعالِ الٰہی کی تلاش میں کٹ گئیں۔ جنہوں نے ہر پتے میں انوارِ الٰہی دیکھے۔ ہر ذرے میں آفتاب الوہیت کا تماشا کیا، ہر قطرے میں اس کی صناعیاں عیاں و نہاں دیکھیں اور پھر کھول کھول کر ہمیں سمجھائیں۔

اللہ کی ان خیرہ ساز اور مبہوت کن دنیاؤں میں انسان کی حقیقت ہی کیا ہے؟ وہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جو زمین پر رینگ رہا ہے۔ پھر اس خالق ارض و سما اور قہار و جبار کی نوازش دیکھو کہ وہ اس حقیر سی مخلوق (انسان) کی طرف کبھی پیغمبر بھیجتا ہے کبھی اپنا جمال دکھاتا ہے اور کبھی ہم کلامی کا شرف عطا کرتا ہے۔ ایک عبرانی شاعر کیا پتے کی بات کہتا ہے۔

"WHEN I COSIDER THE HEAVENS, THE MOON AND THE STARS WHICH THOU HAST ORDAINED, WHAT IS MAN THAT THOU ART M'NDFUL OF HIM AND THE SON OF MAN THOU VISITED HIM."

"جب میری نگاہ تیرے مہیب آسمانوں، ستاروں اور مہتاب پر پڑتی ہے جو تیری مشیت سے مقہور و مجبور ہو کر سرگرم عمل ہیں تو معاً خیال آتا ہے کہ خدا جانے یہ انسان کیا چیز ہے جس کی تجھے اس قدر فکر ہے کہ ابنِ آدم کو تو نے اپنا جلوہ بھی دکھایا۔

لندن یونیورسٹی کے ماہر علم التشریح پروفیسر ڈیوڈ فریسر نے اللہ جانے انسانی

بدن میں الٰہی تخلیق کے کیا شعبدے دیکھے کہ مبہوت ہو کر بول اٹھا:

"OUR MINDS ARE OVERWHELMED BY IMMENSITY AND MAJESTY OF NATURE"

عظیم فطرت کے لا متناہی جلال و جبروت کو دیکھ کر میرا دل ڈوب رہا ہے۔

یہی شیدائی فطرت ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"WE HARDLY KNOW WHICH TO ADMIRE THE MORE, THE MIND THAT ARRANGED NATURE OR THE MIND WHICH INTERPRETED."

ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں، اس دماغ کی جس نے فطرت کو آراستہ کیا یا اس دماغ کی جس نے فطرت کی ترجمانی کی، یعنی علمائے فطرت۔

خالق کائنات بے حد جدت پسند ہے ایک حقیر ذرہ برقی سے کیا کچھ بنا ڈالا ارب در ارب انسان پیدا ہو چکے ہیں لیکن تنوع پسند رب نے ایک چہرہ دوسرے سے ملنے نہ دیا۔ گلوں کی بوقلموں رنگت، حیوانات و حشرات کی لا متناہی انواع، جمادات کی بے شمار اقسام، اثمار و فواکہ کے مختلف ذائقے اور کھرب در کھرب اشجار کے مختلف اوراق و اشکال، انسان سوچتا ہے تو عالمِ حیرت میں کھو جاتا ہے کہ اس قدر مصروف اور اتنا سرگرمِ عمل خدا اس قدر مہیب نگران اور اتنا جدت پسند!

ٹینیس مرعوب ہو کر پکار اٹھا:

"WHAT A MARVELLOUS IMAGINATION GOD ALMIGHTY HATH

"رب ذوالجلال کس قدر حیرت انگیز تخیل کا مالک ہے۔

یہ حسین دنیا ایک نگارستان ہے، جس میں نظر فریب نقوش و تصاویر جنت نگار بنی ہوئی ہیں ایک البم ہے جس کا ہر شاہکار لاجواب ہے اور ایک دیوان ہے جس کا ہر شعر کیف انگیز و وجد آور ہے۔ یہی وہ حسین اشعار تھے جن کو پڑھنے کے بعد سر جیمز جینز نے کہا تھا:

"THE UNIVERSE LOOKS MORE LIKE A GREAT THOUGHT THAN A GREAT MACHINE."

"یہ کائنات کوئی مشین نہیں، بلکہ کسی شاعر کا زبردست تخیل معلوم ہوتی ہے۔

فطرت کی لاانتہائیت پر علامہ ہیکل کا قول ملاحظہ ہو:

"THE UNIVERSE IS A CIRCLE WHOSE CENTRE IS EVERYWHERE, AND CIRCUMFERENCE IS NOWHERE."

"یہ کائنات ایک دائرے کی طرح ہے جس کا مرکز تو ہر جگہ نظر آتا ہے لیکن خطِ محیط کہیں نہیں ملتا۔

توازن

ہماری زمین کی دو حرکتیں ہیں، ایک اپنے گرد اور دوسری سورج کے گرد، زمین ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی ہے لیکن توازن کا یہ عالم ہے کہ کہیں کوئی ہچکولا محسوس نہیں ہوتا۔ زمین کے اس حیرت انگیز عدل و توازن کو دیکھ کر سر جیمز پکار اٹھے:

"THE TREMBLING UNIVERSE MUST HAVE BEEN BALANCED WITH UNTHINKABLE PRECISION."

اس کا نپتی ہُوئی کائنات میں ایک دقیق اور ماوراء الادراک صناعی سے عدل و توازن پیدا کیا گیا ہے۔

واقعہ ایک دفعہ سر ڈیوڈ بر دسٹر تجربہ گاہ میں قطرہ آبی کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انہیں معلوم ہُوا کہ پانی کے ہر جوہر (ATOM) کی ترکیب گھڑی کی مشین سے بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ آپ پر ایک وجد سا طاری ہو گیا اور فرطِ حیرت میں بول اُٹھے:

OH GOD ! HOW MARVELLOUS ARE THY WORKS."

او رب تیرے کام کس قدر حیرت انگیز ہیں۔

سچ ہے:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) | اللہ سے صرف علمائے فطرت ہی ڈرتے ہیں۔

یک رنگی کائنات کائنات میں کئی طرح سے یک رنگی ہے۔

۱: ماحول سے تطابق عالم گیر ہے۔ سرد ممالک میں جانوروں کے لمبے بال گرم خطوں میں کالا رنگ۔ حفاظت کے لئے ضعیف خرگوش اور ہرن وغیرہ کا ہم رنگِ زمین ہونا۔ مچھلی کے آلاتِ شناوری اور پرندے کے پر اس عالم گیر اصول کی تصدیق کر رہے ہیں۔ جو حیوانات ماحول کے مطابق نہیں چل سکتے انہیں اس طرح میٹ دیا جاتا ہے۔ جس طرح مسلمان کو جو سائنس کی دنیا میں رہ کر اوراد و وظائف اور ریش و قبا پر تمام زور صرف کر رہا ہے۔

۲: ہر چیز کی تکوین ذراتِ برقی (منفئے) سے ہُوئی۔

۳: دنیا میں باہمی احتیاج عالم گیر ہے۔ اگر مختلف نمک اور بکٹیریا موجود نہ ہوں

تو نباتات فنا ہو جائیں اور اگر نباتات نہ ہوں تو حیوانات ختم ہو جائیں۔

۴: یک رنگی کا کمال دیکھئے کہ ہر دل ایک منٹ میں ۷۰، ۷۲ دفعہ دھڑک رہا ہے۔ ہر پھیپھڑا ایک دقیقے میں ۱۶، ۱۷ مرتبہ سانس لے رہا ہے۔ پانی کی سطح ہر جگہ برابر ہے۔ ہوا ہر مقام پر پانی سے ہلکی ہے۔ بکری کے پیٹ سے ہر جگہ بکری ہی پیدا ہو رہی ہے۔ الغرض بہار و خزاں، موت و حیات اور گردش نجوم و شمس وغیرہ میں ایک زبردست تناسب، حیرت انگیز ہم آہنگی اور ایک ایمان افروز یکسانیت پائی جاتی ہے۔

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ (ملک ۳)

الٰہی تخلیق میں تمہیں کہیں بھی عدم تناسب یا فقدانِ ہم آہنگی نظر نہیں آئے گا، بار بار دیکھو کیا تمہیں کوئی ایسی کمی نظر آتی ہے۔

اس آیت کی بہترین تفسیر مغرب کے ایک عالم فطرت کی زبانی سنیئے:

"ONE PLAN, MANY VARIATIONS, ONE DESIGN, MANY MODIFICATIONS, ONE TRUTH, MANY VERSIONS."

"یہ کائنات کیا ہے؟ ایک نظام ہے جس کے مختلف پہلو ہیں ایک نظم ہے جس میں خوش گوار اختلاف ہے اور ایک صداقت ہے جس کی کئی تعبیریں ہیں۔"

سیموئل راجرز اپنے نتائجِ غور و فکر کا یوں اعلان کرتے ہیں:

"THE VERY LAW WHICH MOULDS A TEAR AND BIDS IT TRICKLE FROM ITS SOURCE, THAT LAW PRESERVES THE EARTH AND GUIDES THE PLANETS IN THEIR COURSE."

اللہ کی وُہ مشیت جو قطرے کو آنسو بنا کر آنکھ سے لڑھکا دیتی ہے، وہی مشیت زمین کو فضا میں تھامے ہُوئے ہے اور ستاروں کی ان کی معیّنہ گزرگاہوں پر حفاظت و رہنمائی کر رہی ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ (رحمٰن۔ ۷)	اللہ نے آسمان کو فضا کی وسعت میں اٹھا کر کائنات میں توازن پیدا کر دیا ہے۔

سیموئل راجرز فرماتے ہیں:

"WE ARE AT LOSS TO KNOW WHICH TO ADMIRE THE MORE, THE MATHEMATICAL ACCURACY OF THE UNIVERSE OR THE BEAUTY OF ITS DESIGN,"

ہم فرطِ حیرت سے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ کس کی زیادہ تعریف کریں۔ اس حسابی عدل و توازن کی جو زینتِ فطرت ہے یا اس حسین و جمیل ساخت کی جو کائنات میں موجود ہے۔

روشنی اور بجلی کے انجن

روشنی کو حرارت سے جُدا کرنا ناممکن ہے لیکن جگنو کی دُم میں قدرت نے ایسی روشنی پیدا کر دی جس میں حرارت موجُود نہیں آج علمائے فطرت اس قسم کی روشنی پیدا کرنے کے لئے مختلف قسم کے آلات بنا رہے ہیں۔ جگنو کا تجزیہ کر کے دیکھا جا رہا ہے جگنو خود بولتا نہیں اور علماء اس راز کو سمجھنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اوّل تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جگنو کو روشنی دینے کی ضرورت کیا تھی۔ دوم[1] اس روشنی کو حرارت سے

---

[1] ایک عالمِ مغرب لکھتا ہے کہ اگر جگنو کی دُم میں حرارت ہوتی تو وہ جہاں بیٹھتا آگ بھڑک اٹھتی اور تمام باغ و راغ جل کر خاکستر ہو جاتے۔ (برق)

کیوں جُدا کر دیا گیا۔

انسانوں نے بجلی حال ہی میں دریافت کی ہے لیکن کائنات میں بجلی کے مختلف انجن آغازِ آفرینش سے موجود ہیں مثلاً سمندر میں ایک مچھلی ایل رہتی ہے جو بجلی سے شکار کھیلتی ہے۔ یہ اپنے بعض پٹھوں کو سکیڑ کر اس قدر بجلی پیدا کر سکتی ہے جس کے صدمے سے شکار ہلاک ہو جائے۔ اسی طرح ایک اور مچھلی عجیب طرح سے شکار کھیلتی ہے۔ جب وُہ دیکھتی ہے کہ اس کا شکار کہیں قریب آ گیا ہے تو فوراً ایک قمقمہ (جو اس کے سر پہ ہوتا ہے) جلا لیتی ہے۔ جس کی روشنی میں شکار کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور وُہ لقمۂ اجل بن جاتا ہے۔

غور فرمایئے کہ جگنو اور ان مچھلیوں کے اجسام میں کس بلا کے انجن لگے ہوتے ہیں جو دیگر بے شمار اعمال کے علاوہ روشنی اور بجلی بھی پیدا کر رہے ہیں۔

ایک مغربی حکیم کیا مزے کی بات کہتے ہیں۔

"WE MUST TAKE NOTICE OF SUCH QUALITIES OF ORGANISM SUCH AS VARYING, GROWING, MULTIPLYING, DEVELOPING, FEELING AND ENDEAVOURING. A STUDY OF SUCH FACTS INTERESTS, EDUCATES, ENRICHES AND HELPS TO TAKE ALIVE THE SENSE OF WONDFR, WHICH WE HOLD TO BF ONE OF THE SAVING GRACES OF LIFE".

"ہمارا فرض ہے کہ ہم خواصِ مادہ پہ غور کریں مثلاً مادّے کا بڑھنا، پھیلنا، ارتقاء، احساس اور کوشش۔ یہ تفکر جہاں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے، وہیں ان جذباتِ حیرت کو جو حیاتِ انسانی

کی زینت ہیں جوان رکھتا ہے۔

بدن کی مشین

کائنات کا ہر ذرّہ ایک ایسا رباب ہے جس سے الٰہی دانش و صنّاعی کے ترانے نکل رہے ہیں۔ انسانی بدن کی مشین پر غور فرمائیے کہ بقول سر آرتھر کائتھ جب ہم چلتے ہیں تو صرف ایک قدم اٹھاتے وقت پورے سو پٹھے مِل کر کام کرتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک پٹھا بھی بگڑ جائے تو ہم قدم نہ اٹھا سکیں اندازہ لگائیے کہ باقی اعمال میں کس قدر عضلات و اعصاب کس کس رنگ میں سکڑتے، مڑتے، پھیلتے اور لچکتے ہوں گے۔ ہر مشین کے لئے ایک ڈرائیور، کلینر (صاف کرنے والا) تیل دینے والے اور انجنیئر کی ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے کہ انسان نہ تو اپنی مشین کا ڈرائیور ہے اور نہ مرمت کنندہ، یہ غریب تو اس ہولناک مشین کے سمجھنے تک سے قاصر ہے۔ قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ وُہ کون سی ہستی ہے جو حیوانات کی اربِ درارب مشینوں کو چلا رہی ہے، مرمّت کر رہی ہے، تیل دے رہی ہے، صاف کر رہی ہے اور پھر یہ سب کچھ ہمارے علم کے بغیر ہو رہا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝

(یونس ۳۴)

کہہ دو کہ یہ تو اللہ ہی ہے، جو پہلے پیدا کرتا ہے پھر عمل تخلیق کو دہراتا ہے تم کہاں بھٹک رہے ہو۔

انسانی علم کی انتہائی منزل

ایک گنوار اپنی بھینس، گائے، بکری، گھوڑی بیوی اور کھیت کے سِوا باقی سب چیزوں کو بے کار سمجھتا ہے۔ وُہ ان بے شمار پودوں، درختوں، پتھروں، کانوں اور دھاتوں

کے افادی پہلوؤں سے غافل ہے اور اسے قطعاً معلوم نہیں کہ کائنات کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے اس وقت تک تقریباً چودہ لاکھ نباتات دریافت ہو چکے ہیں، جن میں سے انسان صرف تین چار سو کے استعمال سے آگاہ ہے۔ اسی طرح جمادات اور حیوانات کی بے انتہا دنیائیں ہمارے لئے بدستور رازہائے سربستہ ہیں۔ ہم مکمل انسان صرف اس وقت بنیں گے جب کائنات کی ہر چیز کو مسخّر کر کے استعمال کر رہے ہوں گے۔ جب مکھّی، مچھر، گھاس، پھول، پودے، پتے، ذرّے اور قطرے کے مقصدِ تخلیق سے آشنا ہو چکے ہوں گے اور جب ہمارے معمل کالج، تجربہ گاہیں اور مشاہدہ گاہیں اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہوں گی کہ دُنیا کی ہر چیز کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

جانتے ہو کہ یہ تحقیق و تلاش اور مقصدِ تخلیق کا اعلان کس مِلّت کے فرائض میں داخل ہے۔ خود اللہ سبحانہٗ کی زبان سے سنیئے:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ (آلِ عمران ـ ۱۹۱)	جو اٹھتے بیٹھتے اور سوتے الٰہی اعمال کے تصور سے غافل نہیں ہوتے اور جو کائنات ارض و سما پر غور کرنے کے بعد یہ اعلان کرتے ہیں کہ اے رب دنیا میں کوئی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی گئی۔

آج مسلمانوں میں وُہ علماء موجود نہیں جو ایک مکھّی تک کا مقصد تخلیق بتا سکیں اور جن کا عِلم، غور و فکر، تجربہ و مشاہدہ اور تجزیہ و تشریح کا نتیجہ ہو۔ مامون الرشید (عباسی خلیفہ) اسلام کے منشا سے آگاہ تھا۔ اس کے عہد میں بیسیوں رصد گاہیں

اجرام سماوی کے معائنہ کے لئے نصب تھیں۔ حیوانات، طیور، جمادات اور نباتات پہ ۲۶ ہزار کتب تصنیف ہو چکی تھیں۔ وہ گھڑیاں بنا رہا تھا، انجن چلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زمین کو ناپ رہا تھا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ معلوم کر رہا تھا۔ لیکن افسوس کہ ہم نے اپنے اسلاف کی راہیں ہی چھوڑ دیں۔

مغرب کا ذوقِ جستجو

امریکہ کی جامعہ علوم نباتات کے بڑے دروازے پہ یہ رُوح افزا الفاظ لکھے ہیں:

"OPEN THOU MINE EYES THAT I MAY BEHOLD WONDERS OF THY CREATION".

"اے رب میری آنکھیں کھول تاکہ میں عجائباتِ تکوین کا تماشہ کر سکوں۔

صحیفۂ فطرت کے چند قدیم مفسّر

یہاں چند شیدائیانِ فطرت کا ذکر بے جا نہ ہوگا جن کی زندگی مطالعۂ کائنات میں بسر ہوئی۔ ہر چند کہ ان بزرگوں کے پاس عہدِ حاضر کے آلات و وسائل موجود نہ تھے تاہم ان میں سے بعض کے نتائجِ غور و فکر کو آج بھی صحیح سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ تھیلز (۶۰۰ ق م) نے زمین کو پانی پر تیرتی ہوئی ٹکیہ خیال کیا تھا۔

۲۔ انکزیمینڈر (ANAXIMANDER) کے ہاں زمین فضا میں معلق تھی۔

۳۔ انکیمائنز (ANAKIMINES) کا خیال تھا کہ ستارے شیشے سے بنے ہوئے ہیں اور آسمان میں نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

۴۔ فیثا غورث کے ہاں تمام کائنات زمین کے ارد گرد گھوم رہی تھی۔

۵۔ انیکا غورث (ANAKAGORES) (۴۶۰ ق م) پہلا عالم ہے جس نے

نورِ قمر کو مستعار کہا تھا۔

۶۔ ہیر کلائڈلیس (HERACLIDES) (۳۸۸ سنہ ق م) پہلا شخص ہے جس نے زمین کو متحرک مان کر کہا تھا کہ اس کا ایک چکر چوبیس گھنٹوں میں ختم ہوتا ہے۔

۷۔ ارسٹارکس (ARISTARCHUS) نے بھی زمین کو متحرک تسلیم کیا تھا اور آفتاب کو مرکزی نقطہ مان کر تمام کائنات کو اس کے گرد گھما دیا تھا نیز چاند اور سورج کا حجم و طول و عرض دریافت کیا تھا اور زمین و آفتاب کا درمیانی فاصلہ ناپا تھا۔ لیکن اس کے نتائج آج قابلِ اعتبار نہیں رہے۔

۸۔ ایراٹوستھنیس (ERATOSTHENES) (۲۷۶/۱۹۴ ق م) نے زمین کا قطر دریافت کیا تھا۔

۹۔ ہپری ہس (HIPPAREHUS) نے سال کی لمبائی معلوم کی تھی۔ اس کے دریافت کردہ سال اور ہمارے سال میں صرف چھ منٹ کا فرق ہے۔

۱۰۔ ہیرو (HERO) سنہ۱ئہ نے سٹیم انجن اور پمپ ایجاد کیا تھا۔

۱۱۔ لیوسی پس (LEUCIPPUS) سنہ ۴۶۰ ق م) اور دیمقراطیس (۴۷۰/۴۶۰ ق م) نے اعلان کیا تھا کہ ہر چیز کی ترکیب اجزاءِ لایتجزیٰ سے ہوئی ہے۔

۱۲۔ ویرو (VERRO) (۱۱۶/۱۷۰ ق م) اپنی کتاب (RES RUSTICAL) میں لکھتے ہیں۔ "گندے جوہڑوں میں جراثیم مرض پرورش پاتے ہیں" گویا نظریۂ جراثیم اسی عالم کا نتیجۂ تلاش ہے۔

۱۳۔ جولیس سیزر (مشہور شہنشاہ روم) نے کیلنڈر درست کیا تھا۔

۱۴۔ اہلِ روم آلۂ جرثقل اور محراب کے موجد ہیں۔

۱۵۔ کاپرنیکی (COPERNICUS) نے آفتاب کو مرکزِ عالم تسلیم کیا تھا لیکن تھائیکو (THYCHO) نے پھر زمین کو مرکز مان کر تمام اجرام سماوی کو اس کے گرد گھما دیا نیز اعلان کیا کہ زمین و آفتاب کا فاصلہ ½۹ کروڑ میل ہے۔

باب ۲

بہارِ نباتات

وَهُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ج وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ط اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

(انعام - ۱۰۰)

اللہ وُہ ہے جس نے آسمان سے بارش برسا کر مختلف قسم کے نباتات اگائے۔ سبز رنگ پودے پیدا کر کے ان سے خوشے نکالے اور کھجوروں کے ساتھ پھلوں کے وُہ گچھے لگائے جن تک تمہاری رسائی ہو سکتی ہے اللہ نے مختلف اور مماثل قسم کے انگور، زیتون اور اناروں کی جنتیں پیدا کیں۔ پھلوں کے لگنے اور پکنے پر غور کرو۔ ان نباتات میں اہل ایمان کے لئے معجزات و اسباق موجود ہیں۔

اس آیت میں بارش و نباتات کے ذکر کے بعد حکم دیا ہے کہ اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ (پھل پر غور کرو) نیز فرمایا کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ .... (ان نباتات میں اہل ایمان کے لئے کچھ اسباق معجزات موجود ہیں) اس لئے ضروری ہے کہ ہم نباتات و اثمار پہ کچھ غور کریں۔

زمین اور نباتات جس طرح جانور گھاس کھاتے ہیں، اسی طرح پودے زمین

کو کھاتے ہیں۔ پودوں کی غذا نائٹروجن، چونا، پوٹاس اور ہائیڈروجن وغیرہ ہے یہ عناصر اوراقِ اشجار، گوبر، ہڈیوں، خون اور بالوں وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ خزاں میں پت جھڑ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے یہ پتے زمین کو طاقت بخشتے ہیں۔ اس قدر وسیع زمین میں کھاد ڈالنا انسان کے بس کی بات نہ تھی اسی طرح ۲۵ ہزار میل لمبی زمین کو سیراب کرنا ہماری طاقت سے باہر تھا۔ اوّل الذکر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ نے خزاں میں تقریباً تمام درختوں کے پتے کھاد بنا کر ہر طرف بکھیر دیئے اور موخرالذکر مشکل کو یوں حل کیا کہ سورج نے شعاعوں کے ڈول سمندر میں ڈالے۔ ہوا کے سقّے ان ڈولوں کو اٹھا کر چل دیئے اور ہر طرف جل تھل کا عالم نظر آنے لگا۔ اگر صرف ایک ایکڑ زمین کو سینکڑوں سقّے سیراب کرنے لگیں تو سال بھر میں بھی اس کام کو سرانجام نہ دے سکیں۔ اللہ کی رحمت دیکھیے کہ ہوائیں خلیج بنگال سے کروڑوں ٹن پانی اٹھا کر پشاور کی سرزمین پر یوں برساتی ہیں کہ زمینِ مُردہ میں جوشِ نمو انگڑائیاں لینے لگتا ہے اور ہر طرف لالہ زار کھل جاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ

(فاطر ۹)

اللہ وُہ ہے جو ہواؤں کو سمندروں کی طرف بھیجتا ہے جہاں سے یہ بخاراتِ آبی کو ہانک لاتی ہیں اور اس طرح ہم مُردہ بستیوں کو سیراب کیا کرتے ہیں۔

ہمارے دوست

پودوں کی جڑ میں خردبینی حیوانات (بکٹیریا) کی ایک دُنیا آباد ہوتی جن کا عمل کیمیائی ہوتا ہے یہ حیوانات زمین کی

نائٹروجن کھا کر ایک رس سا خارج کرتے ہیں، جس میں نائٹروجن کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نائٹروجن حیاتِ نباتات کا جزوِ اعظم ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نہ ہوتا تو کوئی پودا اُگ نہ سکتا۔ غور فرمائیے کہ اللہ نے ہماری تربیت کے لئے کیا حیرت انگیز انتظام رکھا ہے اور یہ اشرفِ کائنات اپنی بقا کے لئے اس حقیر ترین مخلوق کا کس قدر محتاج ہے۔ اگر یہ بکٹیریا نظر آتا تو حشرات کا لقمہ بن کر ختم ہو جاتا۔ اس کا نظر نہ آنا اللہ کی دوسری رحمت ہے۔

بکٹیریا کی کئی قسمیں ہیں، جن کے اعمال میں قدرے اختلاف ہوتا ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہے یعنی نباتات کی تخلیق و تکمیل، ان کو تین انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) بکٹیریا (۲) پروٹوزوآ (۳) سپنجی حیوانات۔ بلند و پست زمینوں میں بہ لحاظ ضرورت اُن کی تعداد مختلف ہوتی ہے مثلاً:

بلند زمین میں بکٹیریا کی تعداد

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۱۳,۵۰,۰۰۰۰,۰۰۰۰	۲۵ سیر
پروٹوزوآ	۳,۱۵,۰۰,۰۰۰	۲۵۵ سیر
سپنجی جانور	۲,۱۰,۰۰,۰۰۰	۸۵۰ سیر

پست زمین میں

نام	تعدادِ نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
بکٹیریا	۶,۷۵,۰۰,۰۰,۰۰۰	۱۲ ۱/۲ سیر
پروٹوزوآ	۱۵۰,۰۰,۰۰۰	۱۱۲ ۱/۲ سیر

نام	تعداد نصف چھٹانک زمین میں	وزن ایک ایکڑ میں
سپنجی جانور	۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰	۴۰۰ سیر

زمین کے ہر ایکڑ میں ان حیوانات کا کام روزانہ بارہ آدمیوں کے برابر ہوتا ہے بہ دیگر الفاظ اگر ایک سو ایکڑ کھیت میں دس کسان ہل چلا رہے ہوں تو بارہ سو مزدوروں کا ایک مخفی لشکر بھی وہاں کام کر رہا ہوتا ہے۔ انصافاً فرمائیے کھیتی باڑی میں انسان کا کتنا حصہ ہے اور اللہ کا۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝

(واقعہ ۶۳ تا ۶۵)

اے کھیتی باڑی کرنے والو! کبھی غور بھی کیا اصلی کسان کون ہے؟ تم یا ہم؟ اگر ہم چاہیں تو (بکٹیریا کا عمل روک کر) تمہاری لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کرکے تمہارے حواس اڑا دیں۔

کھاد جہاں پودوں کی غذا ہے، وہاں ان خوردبینی حیوانات کے لئے بھی مدارِ حیات ہے تاکہ ہر سو ایکڑ کے یہ بارہ سو مزدور پورے انہماک اور دلجمعی سے کام میں مصروف رہیں۔ حیوانی فضلہ و پیشاب پودوں کی بہترین غذا ہے لیکن یہ چیزیں عموماً ضائع ہو جاتی ہیں۔ کچھ جلا دی جاتی ہیں اور کچھ نالیوں میں بہہ جاتی ہیں۔ اگر ہمیں نمک کی کوئی ایسی کان مل جائے جس میں نائٹروجن بھی موجود ہو تو ہماری زمینیں بہت زرخیز بن جائیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ نائٹروجن ایک وحشی عنصر ہے جو کسی دوسرے عنصر سے آمیزش پسند نہیں کرتا۔ کوئلے کے اٹھائیس من میں صرف اڑھائی سیر نائٹروجن ہوا کرتی ہے۔

جنوبی امریکہ کے ساحل پر دریائی پرندوں کے پر کثرت سے جھڑتے ہیں

اور کمی باراں کی وجہ سے وہیں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہ حصۂ زمین نائٹروجن کی بہترین کان سمجھا جاتا ہے اور یہاں سے اب تک تقریباً دس کروڑ ٹن کھاد استعمال کی جا چکی ہے۔ ہوا میں بے شمار نائٹروجن موجود ہے۔ علماء کا اندازہ یہ ہے کہ فضا کے ہر مربع میل میں دو کروڑ ٹن نائٹروجن ملتی ہے لیکن اب تک ہمارا علم بہت ناقص ہے اور اس وسیع خزانے سے کھاد حاصل کرنے کے لیئے ہم کسی طرح کے آلات ایجاد نہیں کر سکے۔

بجلی جب بادلوں میں بجلی چمکتی ہے تو ارد گرد کی آکسیجن نائٹروجن میں تبدیل ہو جاتی ہے اور بارش کے قطرے اس ذخیرے کو ہمراہ لے کر زمین پر اُتر آتے ہیں۔ ۱۷۸۱ء میں ایک عالمِ فطرت مسٹر کیونڈش (MR. CAVENDISH) نے ثابت کیا تھا کہ اگر ہوا اور آکسیجن کو برقایا جائے تو نائٹروجن پیدا ہو گی جس میں کچھ مقدار کھاد (الکلی) کی بھی ہو گی۔ نائٹروجن دُنیائے نباتات کی غذا ہے، اور نباتات ہماری خوراک بہ دیگر الفاظ سیاہ گھٹاؤں میں بجلی کا ہر تبسم انسانی دُنیا کے لئے پیامِ حیات ہے۔

آج کل بہت سی بیماریوں کا علاج بجلی کے ذریعہ کیا جاتا ہے لاہور اور دیگر مقامات پر بجلی کے کئی ہسپتال موجود ہیں۔ انسانی بدن کی طرح زمین بھی کئی امراض کا شکار بن جایا کرتی ہے۔ آسمانی بجلی زمین کے ان تمام روگوں کا واحد علاج ہے۔ جب بجلی کی لہریں ہوا سے گزر کر زمین کو چھوتی ہیں تو مُردہ زمین کی نس نس میں عناصرِ حیات پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ نئی دلہن کی طرح حمل و تولید کے لیئے پھر تیار ہو جاتی ہے انصافاً کہو کھیتی باڑی کون کرتا ہے؟ ءَاَنتُم تَزرَعُونَہٗ اَم نَحنُ الزّٰرِعُونَ۔ ہم یا تُم؟

دہلی، کلکتہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں بجلی کے زور سے گاڑیاں (ٹریم) چلائی جاتی ہیں۔ آسمانی بجلی سے بھی اس قسم کا کام لیا جاتا ہے۔ ہوا بادلوں کا انجن ہے لیکن جب فضا میں مکمل سکون ہو اور ہوا تھمی ہوئی ہو، بادلوں کو کھینچنے کا کام بجلی سے لیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ بجلی بھی کتنی بڑی نعمت ہے ایک زمانہ تھا کہ لوگ اسے قہر الٰہی کہا کرتے تھے اور قدیم آریئے اسے ایک ہولناک دیوتا سمجھ کر اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ انہیں کیا معلوم کہ اللہ کی ہر مخلوق رحمت، ہر فعل رحمت اور خود بھی سراپا رحمت ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○

(روم ۲۴)

بجلی کی چمک (جس سے تم میں بیم و رجا کی کش مکش پیدا ہو جاتی ہے) اللہ کے معجزات تخلیق میں سے ہے۔ رب کائنات آسمانوں سے بارش برسا کر اور نائٹروجن کو زمین پر ڈال کر مُردہ زمین کو حیاتِ نو عطا کرتا ہے ارباب عقل کے لئے ابر و برق میں اسباق (قوت و ہیبت) موجود ہیں۔

نائٹروجن بارود سازی کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے اندازہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں ہر سال ایک ارب ٹن نائٹروجن صرف ہوتی ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے آغاز میں جب جرمنوں نے چلی[1] (CHILE) کی نائٹروجنی کانوں پر قبضہ کر لیا تھا تو اتحادیوں کو چند ماہ تک سخت پریشانی رہی تھی۔

جرمنی کے ایک عالمِ فطرت ہیبر (HABER) نے کیمیائی عمل سے نائٹروجن

---

[1] چلی جنوبی امریکہ میں واقع ہے یہاں کی نائٹروجنی کانیں دُنیا میں بہت مشہور ہیں۔

اور ہائیڈروجن تیار کرنے کے لئے ایک اتنا بڑا کارخانہ لیونا ورک (LEUNA WERK) میں جاری کیا جس کی تعمیر پہ پچاس لاکھ پونڈ صرف ہوئے اس میں گیارہ ہزار مزدور دو ہزار پانچ سو صناع اور ایک سو پچاس علمائے کیمیا کام کرتے ہیں اور ہر روز نو ہزار ٹن کوئلہ جلا کرتا ہے۔

زمین کی بالائی سطح

زمین کی بالائی سطح پہاڑوں کے ٹوٹنے سے تیار ہوتی ہے اس شکست و ریخت کے لئے چار عامل ہمیشہ مصروف عمل رہتے ہیں۔ دریا۔ بارش۔ سورج اور پودے۔ پودوں کی جڑیں سخت سے سخت چٹانوں کو چیر کر رکھ دیتی ہیں۔ برفانی تودے اور آتش فشاں پہاڑ بھی اس کام میں مدد دیتے ہیں۔ ایک اچھی زمین کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے چکنی مٹی، ریت، چونا اور کھاد۔ ان میں سے کوئی چیز انفراداً مفید نہیں لیکن یہ سب مل کر اکسیر ثابت ہوتی ہیں۔ چونے کے بغیر زمین "دق" میں مبتلا ہو جاتی ہے نیز چونا تیزابی مادے کی شدت کو رفع کر کے زمین کو میٹھا بنا دیتا ہے اگر چونا ضرورت سے زیادہ ڈال دیا جائے تو اس سے فولاد ختم ہو جاتا ہے اور زمین بے جان ہو جاتی ہے۔ چکنی مٹی بھاری اور ٹھنڈی، ریت بھوکی اور خشک ہوتی ہے ان کے امتزاج سے نہایت عمدہ زمین تیار ہوتی ہے۔ چکنی مٹی نمی کو دیر تک روکے رکھتی ہے۔ ریت زمین کے بھاری پن کو دور کر کے اس قابل بنا دیتی ہے کہ اندرون زمین کی گیسیں پودوں کی جڑوں تک بآسانی پہنچ سکیں۔ اگر زمین چکنی اور سخت ہوتی تو نہ یہ گیسیں باہر نکل سکتیں اور نہ گندم وجو کے نرم و نازک پودے یوں آسانی سے سر اٹھا سکتے۔

حیرت انگیز نظام

زمین کو چونے کے علاوہ سلفورک ایسڈ، فاسفورک ایسڈ، نائٹرک ایسڈ اور پوٹاش کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ چیزیں عموماً پہاڑوں میں ملتی ہیں۔ اگر ہم خود ان چیزوں کی تلاش میں نکلتے اور کدال لے کر فرہاد کی طرح ہر پہاڑ کو کھودتے پھرتے تو صدیاں صرف ہو جاتیں اور پھر بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلتا۔ ہمارے رحمٰن و رحیم پروردگار نے اس مشکل کو یوں حل کیا کہ پہاڑوں پہ برف جمع کر دی جو پگھل کر پہاڑی شگافوں میں چلی گئی اور جب یہ پانی چشمہ بن کر کہیں سے نکلا تو پوٹاش اور سلفر وغیرہ کی ایک دنیا ہمراہ لے آیا یہ چشمے دریا بنے اور دریا نہروں میں بٹ کر ہمارے کھیتوں میں پہنچے اور اس طرح ہماری ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ۔

(زمر ۲۱)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے فضائی بلندیوں سے پانی اتارا جو زمین کی درزوں میں داخل ہو کر پھر چشموں کی صورت میں باہر نکلا اور ان چشموں سے (جن میں مختلف عناصر شامل تھے) رنگ برنگ کھیتیاں نمودار ہوئیں۔

نر و مادہ

عموماً ایک پھول کے دو حصے ہوتے ہیں۔ نر و مادہ۔ جب تک مادہ نر سے حاملہ نہ ہو وہ پھل یا بیج کی صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ پھول کے نر حصے میں ایک غبار سا ہوتا ہے جسے انگریزی میں پولن (POLLEN) اور اردو میں مادۂ منویہ کہتے ہیں اور حصہ مؤنث پر چھوٹے چھوٹے بال ہوتے ہیں۔ جب مادۂ منویہ کا کوئی ذرہ ان بالوں پر گرتا ہے تو اسے یہ پھانس لیتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں مثلاً ہیزل (HAZEL) کے ساتھ نر و مادہ پھول علیحدہ علیحدہ لیکن ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ نر نیچے کو جھکا ہوا ہوتا ہے اور مؤنث پھول اوپر کو اٹھا ہوا مقصد یہ کہ اگر نر کا مادہ منویہ گرے تو مادہ محروم نہ رہے۔

بعض ایسے پودے بھی ملتے ہیں، جن کے نر و مادہ الگ الگ ہوتے ہیں۔ نر کا غبار مادہ تک پہنچانے کا کام شہد کی مکھیاں، بھونرے اور تتلیاں سر انجام دیتی ہیں ان پودوں کے ساتھ نہایت حسین پھول لگتے ہیں، جن کی خوشبو اور رنگت ان بھونروں اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جب یہ نر پر بیٹھتی ہیں تو اُن کی ٹانگوں اور پروں کے ساتھ غبارِ منویہ چمٹ جاتا ہے اور پھر جب مادہ پھول پر بیٹھتی ہیں تو اس غبار کا کچھ حصہ وہیں رہ جاتا ہے اور اس طرح یہ پھول حاملہ ہو جاتے ہیں۔

بعض اشجار مثلاً چیل وغیرہ کے پھول نہ تو خوشبودار ہوتے ہیں اور نہ خوبصورت اس لئے وہ تیتریوں اور مکھیوں کو نہیں کھینچ سکتے۔ اس لئے یہاں ہوا سے کام لیا جاتا ہے۔ ہوا نر درخت کا غبار اڑا کر مادہ تک پہنچا دیتی ہے۔ چونکہ ہواؤں کا رُخ بدلتا رہتا ہے اور اس غبار کی ایک کثیر مقدار ضائع ہو جاتی ہے اس لئے ایسے درختوں پر غبار منویہ بہت زیادہ مقدار میں پیدا کیا جاتا ہے تاکہ ضائع ہونے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہے۔

چیل، دیودار اور دیگر پہاڑی اشجار ہماری معاشرت کا جزوِ اعظم ہیں۔ اگر پہاڑوں پر ہوائیں نہ چلتیں تو مادہ پھول حاملہ نہ ہو سکتے۔ نتیجہ یہ کہ بیج تیار نہ ہوتے اور یہ ہرے بھرے پہاڑ جو آج جنت نظر بنے ہوئے ہیں، کھانے کو دوڑتے۔ غور فرمائیے کہ ہوا کا وسیع و عریض کرہ انسانی خدمت میں کس انہماک سے مصروف ہے شاعر

نے اس سے قاصد کا کام لیا، دہقان نے سقّے کا اور اشجار نے دایہ کا۔ سچ ہے:

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ۔ (حجر ۲۲)	ہم نے ایسی ہوائیں چلائیں جو غبارِ منویہ سے لدی ہوئی تھیں۔[1]

مغرب کے علمائے نباتات نے صدیوں کی تلاش و جستجو کے بعد نباتات میں نر و مادہ کا نظریہ قائم کیا اور ہمارے ان پڑھ پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے آج سے ۱۳۶۲ سال پہلے بہ بانگ دہل اعلان کیا تھا۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (ذاریات ۴۹)	ہر چیز سے ہم نے نر و مادہ جوڑے پیدا کئے۔

قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس تاریک ترین زمانے میں رسُولِ عربی فداہ ابی وامی نے ایک ایسی حقیقت سے پردہ اٹھایا جسے آج جدید ترین اور ماڈرن نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ میں نے اپنے ایک ہندو پروفیسر دوست سے (جس کی ساری زندگی نباتات کی چھان بین میں بسر ہوئی تھی) ذکر کیا کہ پودوں میں نر و مادہ کا نظریہ قرآن میں موجود ہے۔ وُہ کہنے لگا یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک ایک پرانی کتاب ہے اور یہ نظریہ بالکل تازہ ہے۔ جب میں نے پکتھال کے انگریزی ترجمے سے آیت بالا کا ترجمہ نکال کر اسے دکھلایا تو وُہ کہنے لگا اگر مجھے اطمینان ہو گیا کہ جو

---

[1] لواقح کا مادہ لقح ہے جس کے معنی ہیں (۱) لقح۔ لَقَحًا و اَلْقَحَ۔ حاملہ بنانا۔ ٹیکہ کرنا (۲) اَلْقَاحَ درختوں کو حاملہ بنانا (۳) لقح و لقاح کھجور کے نر درختوں کا غبارِ منویہ المنجد دریہ ص ۲۸۳ پر مذکور ہے (POLLEN OF MALE PALM TREES) لواقح کا دُوسرا مفہوم (بخارات آبی سے لدا ہُوا ہونا) صاف ہے۔

کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ درست ہے اور پکھال کا ترجمہ بھی درست ہے تو میں قرآن کی صداقت کا علی رؤس الاشہاد اعلان کر دوں گا اور رسولِ عربی صلعم کی ثنا و تمجید سے مجھے کوئی خیال نہیں روک سکے گا۔

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ۔

(حج - ۵)

تم دیکھتے ہو کہ پہلے زمین پیاسی ہوتی ہے پھر جب ہم بارش برساتے ہیں تو وہ خوش ہوتی ہے اس کے قوائے نمو بیدار ہوتے ہیں اور وہ خوش نما اشجار و ازہار کے جوڑے (نر و مادہ) اگانے لگ پڑتی ہے۔

درخت درخت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور یہ زندگی میں ہمارے شریک ہیں یہ ہماری طرح کھاتے ہیں، سانس لیتے ہیں۔ بڑھتے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔ ان کی مشینری انسانی بدن کی مشین سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہماری طرح یہ بھی کشمکش حیات میں الجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف حیرت انگیز نظام سے جنگ کرتے ہیں۔ بڑے درخت کے سائے میں چھوٹا پودا نہیں بڑھ سکتا۔ دو درخت قریب قریب لگا دو تو وہ ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر کمزور و نحیف ہو جائیں گے۔ یہ حقائق صاف صاف اعلان ہیں اس امر کا کہ دنیا میں حقِ بقا صرف طاقتور[1] کو حاصل ہے اور کمزور (کاہل، بداخلاق، منافق، جھوٹے، بدعہد، بدقول، مکار و عیار وغیرہ وغیرہ) کو یقیناً میٹ دیا جائے گا۔

---

[1] طاقتور سے مراد لٹھ باز نہیں بلکہ ایسی قوم ہے جو اسلحہ قوت (دولتِ علم، اخلاقِ فاضلہ، عدل و سامان اور متاعِ ارضی وغیرہ) سے مسلح ہو۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ

(انبیاء ۱۰۵)

قوانینِ موت وحیات کی تفصیل کے بعد ہم نے زبور میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ زمین کی وارث صرف وہی اقوام ہوں گی جن میں زندگی کی صلاحیت ہو گی۔

تنوّعِ اشجار جس طرح انسانوں میں بعض بہادر، بعض بزدل، بعض چست اور بعض سُست ہوتے ہیں اسی طرح کا تنوع نباتات میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنبیلی حسین و نازک ہے، آک بھدا ہے۔ سرو سڈول ہے، پھلاہی بے ڈول ہے۔ کھبل اور گوکھرو ضدی ہیں کہ جتنا اکھیڑو اتنا ہی پھیلتے ہیں ایک پودا اتنا حساس ہوتا ہے کہ موجِ نفس سے مُرجھا جاتا ہے۔

اہمیّتِ نباتات دُنیا کا تمام تر حُسن نباتات سے ہے۔ یہ سیرگاہیں، یہ چراگاہیں یہ گلگشتیں، یہ روشیں اور یہ چمن سُونے پڑ جاتے اگر نباتات کا حُسن دُنیا کو اپنی طرف نہ کھینچتا۔ نباتات ہی کے دَم سے انسانی و حیوانی زندگی کی بہار قائم ہے۔ گندم، جو، چاول، پھل، کوکو، کافی، بیر، شربت اور شراب نباتات سے حاصل ہوتے ہیں۔ دُودھ، شکر، گھی اور شہد نباتات کی بدولت ہیں تمہارے کپڑے نباتات کا کرشمہ ہیں۔ ربڑ (جو ہماری معاشرت کا ضروری جزو بن چکا ہے) درختوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پٹرول کوئلے کا پسینہ اور کوئلہ مدفون جنگلوں[۱] کا دُوسرا نام۔ کوئلہ ایک زہر ہے۔ اگر کسی کمرے میں صرف پاؤ بھر کوئلہ جلا کر دروازے بند کر دیئے جائیں تو نصف گھنٹے میں اندر کے تمام آدمی دُوسری دُنیا کو سدھار جائیں۔

---

[۱] گھاس کی ایک قسم ۔ سلہ بہت قدیم زمانے میں کسی زلزلے وغیرہ کی وجہ سے جنگل زمین کے نیچے دب گئے تھے لاکھوں سال کے بعد آج یہ درخت کوئلے کی صورت میں نکالے جا رہے ہیں۔ (برق)

غور فرمائیے کہ اس سیاہ موت (کوئلہ) کے استعمال سے قومیں آج کس قدر طاقتور بنی ہوئی ہیں۔ ان کی سطوت و ہیبت کی دھاک بندھی ہوئی ہے اور دوسری طرف وہ قومیں کس قدر ذلیل و ضعیف ہیں جو کوئلے کے استعمال سے ناواقف ہیں۔

کوئلہ صورت کے لحاظ سے نہایت مکروہ اور اثر کے لحاظ سے موت ہے لیکن اس کے استعمال سے مُردہ اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ سچ ہے:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ۔ (یونس ۳۱)	موت سے زندگی اور زندگی سے موت پیدا کرنا اللہ کے ہاں از بس آسان ہے۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نباتات ہمارے لئے نہ صرف مدارِ حیات ہیں بلکہ وہ ہماری معاشرت اور تمدن تک کا جزو بن چکے ہیں۔ بعض مواقع پر پودے یوں بھیس بدل کر سامنے آتے ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے۔ غسل خانے میں تم بدن کو صابن سے صاف کر رہے ہو، جانتے ہو یہ صابن کہاں سے آیا؟ نباتاتی تیلوں سے تیار ہوا۔ بہ دیگر الفاظ تم صابن استعمال نہیں کر رہے ہو بلکہ جسم پر ایک درخت رگڑ رہے ہو۔ ہماری یہ سلک کی قمیص یہ ململ کی پگڑی اور یہ لٹھے کا پاجامہ دراصل ایک چھوٹا سا جنگل ہے، یہ الماری میں سجی ہوئی کتابیں ایک بیشہ ہیں، یہ اخبارات، رسائل، لفافے، ٹکٹ اور اشتہارات وہ درخت ہیں جنہیں مزدور کاٹ کر کارخانوں میں کاغذ بنانے کے لئے لے گئے تھے۔ امریکہ میں روزانہ اخبارات[1] کی تعدادِ اشاعت ۲۰،۰۰۰،۰۰۰ ، ۱۱ ہے۔ جانتے ہو اس قدر کاغذ پر کس قدر درخت صرف ہوئے ہونگے؟ پندرہ ایکڑ جنگل۔ جب تم کوئی اخبار خریدو تو واقعاتِ عالم پڑھنے کے علاوہ اُس چھوٹے سے درخت کی خاموش کہانی بھی سُن لیا کرو جو کاغذ کے

---

[1] امریکہ کا صرف ایک ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" چالیس لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ (مدیر البیان)

پردے میں اپنی داستان سُنا رہا ہوتا ہے۔ اس قلبِ ماہیت پر ایک شعر یاد آگیا۔ شاعر کسی انگورستان سے گزرتا ہے۔ بیلوں کے ساتھ عنابی گچھے لگے ہوئے ہیں ایک طرف ایک درخت کے نیچے شراب کا ایک مٹکا پڑا ہوا ہے۔ شاعر کا تخیل ماضی کی سہانی فضاؤں کو چیرتا ہوا فرہاد و شیریں کے عہد تک جا پہنچتا ہے یہ پرستارانِ محبت جب مر گئے تھے تو رفتہ رفتہ ان کے اجسام خاک بن گئے تھے یہ خاک کہیں کھاد بن کر شاخِ انگور کی غذا بنی اور کہیں اس سے اینٹیں اور مٹکے تیار کئے گئے۔

خونِ دلِ شیریں است ایں مے کہ ز رز نوشی
خاکِ تنِ فرہاد است ایں خم کہ نہد دہقاں (خاقانی)

حکایت

۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے کہ مجھے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ شاہی مسجد کی طرف جا رہا تھا کہ راہ میں ایک برہنہ مجذوب پر نظر پڑی، جو تمام راہگیروں کو چلا چلا کر بلا رہا تھا کہ آؤ تمہیں ایک کام کی بات بتاؤں۔ جب ہم پچاس ساٹھ آدمی جمع ہو گئے تو ایک عظیم الشان عمارت کی طرف اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔

"جانتے ہو کہ یہ محل دراصل کیا ہے؟ اس کے بعد یہ شعر پڑھا اور چلا گیا:

ہر آں پارہ خشتے کہ در منظرے است — سر کیقبادے و اسکندرے است

اسی مضمون کو غالب نے یوں ادا کیا ہے:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں

حضرت بایزید بسطامی کی طرف یہ رُباعی منسوب کی جاتی ہے:

ہر ذرہ کہ بر روئے زمینے بود است — خورشید رُخے زہرہ جبینے بود است

گرد از رخِ نازنیں یارم مفشاں ... کاں ہم رخ خوب نازنینے بودست

انکیانو کے دربار میں شیخ سعدی نے ایک قصیدہ پڑھا تھا اس کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:۔

گِلِ فرزند آدم خشت گردید ... نمی جنبد دلِ فرزندِ آدم

بسا خاکا بزیر پائے ناداں ... کہ گر بازش کنی دست است و معصم

الغرض سمندر کے ابتدائی صدفی جانور آج چونا بن کر نکلے، درخت کوئلہ بن گئے۔ انسان کی مٹی اینٹ اور پھول بن رہی ہے اور خدا جانے یہ دنیا کہاں سے کہاں جارہی ہے:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (واقعہ ۶۰ تا ۶۱)

ہم نے موت کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور ہمیں کوئی نہیں روک سکتا کہ تمہاری ماہیتیں بدل دیں اور تمہیں ایک ایسی صورت میں پیدا کریں جس کا تمہیں قطعاً علم نہیں۔

دریا بہ حباب اندر

ہندوستان میں بہت سی ایسی بوٹیاں موجود ہیں جن کے بیج خشخاش سے بیس گنا چھوٹے ہوتے ہیں قدرت نے ان باریک انڈوں میں مندرجہ ذیل اشیاء چھپا رکھی ہیں (۱) دو جڑے ہوئے پتے (۲) ایک ڈوڈی جو جڑ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے (۳) ایک گرہ سی جو ڈنڈی بنتی ہے اور (۴) جڑ پکڑنے سے پہلے چند ایام کی غذا۔

غور فرمائیے کہ یہ ننھا سا بیج کس قدر پیچیدہ مشین ہے اور کمالِ تخلیق ملاحظہ ہو

لہ زوالِ عباسیہ کے بعد اباقا خان (ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز کا پوتا) نے انکیانو کو صوبہ فارس کا گورنر مقرر کیا تھا۔ (برق)

ب باریک سا ذرہ پودا اور درخت دامن میں لئے بیٹھا ہے۔ اگر اتنا باریک ذرہ پودا اور درخت بننے کی استعداد رکھتا ہے تو اندازہ لگائیے کہ اگر انسان کچھ نے پر تل جائے تو وہ کیا کچھ نہیں بن سکتا!

تو ہی ناداں! چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے (اقبال)

میزانِ عدل

سردی میں جنگل سے لکڑہارے کی کلہاڑی کی صدا سنائی دیتی ہے۔ کتنی بے رحمی سے درختوں کو کاٹتا ہے۔ اگلے سال بہار میں جا کر دیکھو تو وہی مقام پھول دار پودوں سے پٹا پڑا ہو گا۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ ہوائیں اور پرندے ادھر ادھر سے بیج لے آیا کرتے تھے۔ لیکن پہلے روشنی کم ہونے کی وجہ سے اگ نہ سکتے تھے۔ اب جوں ہی کہ میدان صاف ہوا، یہ جگہ سبزہ زار بن گئی۔ فطرت کا دستور ہے کہ وہ ہر ایک چیز لے کر دوسری عطا کر دیتی ہے اندھا آنکھیں کھو کر زبردست قوتِ سمع سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ مرغابیوں کی دم چھوٹی لیکن گردن لمبی ہوتی ہے۔ جاہل کا دماغ غیر تربیت یافتہ، لیکن وہ جسمانی طاقت میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ عالم کا دماغ اعلیٰ لیکن جسم نحیف و ضعیف ہوتا ہے۔ دولت والے علم سے اور علم والے دولت سے محروم رہتے ہیں۔ اگر شہر میں کوئی قوم (آج کے مسلمانوں کی طرح) سہل انگاری و تغافل شعاری کی وجہ سے صلاحیتِ حیات کھو بیٹھے تو قدرت اسے میٹ کر کسی اور قوم کو وارثِ زمین بنا دیتی ہے۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (محمد-۳۸)

اگر تم نے آئینِ حیات سے منہ پھیر لیا تو یہ زمین کسی اور قوم کے قبضے میں دے دی جائیگی۔

نظامِ روئیدگی بہ لحاظِ روئیدگی پودوں کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ جن کے بیج میں سے دو پتّے نکلتے ہیں۔ مثلاً درخت، دوم، جن سے صرف ایک پتّہ نکلتا ہے۔ یہ ابتدائی دو پتّے پودے کی غذا کا خزانہ ہوتے ہیں اور ماں کے دو پستانوں کا کام دیتے ہیں۔ جب پودا جڑ پکڑ جائے تو یہ پتّے سُوکھ جاتے ہیں۔

نباتات کی ترکیب خلیوں (CELLS) سے ہوتی ہے۔ ہر خلیے کی بیرونی دیوار آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربن کے مرکّب سے تیار ہوتی ہے۔ جڑ کے آخری کنارے پر سخت خلیے کی ایک ٹوپی چڑھی ہوئی ہوتی ہے جو سخت چٹانوں تک کو چیر کر نکل جاتی ہے۔ جب یہ ٹوپی گھس جاتی ہے تو نئی بدل دی جاتی ہے ہر پودے میں ایک رنگدار مادہ ہوتا ہے، جسے انگریزی میں کلوروفل (CHLOROPHYLL) کہتے ہیں۔ یہ سُورج کی روشنی سے تیار ہوتا ہے اور اس کی بدولت پودوں کو سبز رنگ ملتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیّت یہ ہے کہ فضا سے کاربن لے کر اسے شکر و نشاستہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

شانِ ربُوبیّت پودے کی نشوونما کے لئے نمی، ہوا، گرمی اور چند عناصر مثلاً فاسفورس، پوٹاش اور نائٹروجن وغیرہ درکار ہوتے ہیں۔ یہ عناصر پانی میں حل شدہ ہوتے ہیں جنہیں پودا جڑوں سے جذب کرتا ہے چونکہ پانی میں ان عناصر کی مقدار بہت کم ہوتی ہے اس لئے پودوں کو زیادہ مقدارِ آب کی ضرورت ہوتی ہے۔ پودے ان عناصر کو جزوِ حیات بنا لیتے ہیں اور فالتو پانی کو بذریعہ تبخیر باہر نکال دیتے ہیں۔ ایک ایکڑ زمین میں پھُولوں کے پودے ایک سال میں دو ہزار

ٹن پانی تبخیر سے خارج کرتے ہیں۔

ہم ریلوے اسٹیشنوں اور بڑے بڑے شہروں میں دیکھتے ہیں کہ کنوئیں کا پانی انجن کے ذریعے کئی سو فٹ کی بلندی پر ٹینکوں میں پہنچایا جاتا ہے اور دوسری طرف پودوں کی جڑیں زمین کی گہرائیوں سے پانی نکال کر درخت کی آخری بلندی تک پہنچا رہی ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کشش ارضی کے خلاف یہ عمل کیسے ہو رہا ہے؟ تو گزارش ہے کہ یہاں "سطحی دباؤ" (SURFACE TENSION) کا قانون کام کر رہا ہے۔ اگر ہم شیشے کی ایک باریک نلی کو پانی میں ڈال دیں تو سطحی دباؤ سے پانی اس نالی میں کافی اوپر چڑھ جائے گا۔ درختوں کی جڑیں باریک کھوکھلی نالیاں ہیں جو پانی کو کھینچ کر درخت کی چوٹی تک پہنچا رہی ہیں۔ غور فرمائیے کہ اللہ سبحانہ نے نباتات کو زندہ رکھنے کے لیے کیا احسن، اکمل اور انسب انتظام کر رکھا ہے اگر آج اللہ صرف سطحی قانون کے دباؤ کو معطل کر دے تو تمام نباتات سوکھ جائیں اور زندگی کا کہیں نشان تک باقی نہ رہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ۔

(انعام۔۱۰۲)

یہ ہے تمہارا پروردگار جس کی نظیر کہیں موجود نہیں یہ تخلیق و تکوین کے معجزات اس کی صنعت کاریاں ہیں اور صرف وہی قابل عبادت ہے سو اسی کی غلامی کرو۔

اوراقِ اشجار

درختوں کے ساتھ پتے محض زیبائش کے لیے نہیں بلکہ ان کا عمل کچھ اور بھی ہے۔ ہر پتے میں چھوٹے چھوٹے مسام ہوتے ہیں جن کے ذریعہ پودا سانس لیتا ہے۔ حیوانات کی پیدا کی ہوئی زہر (کاربن) کو آکسیجن کے ساتھ اندر لے جاتا ہے۔ کاربن کو جزوِ حیات بنا لیتا ہے اور آکسیجن کو باہر نکال

دیتا ہے۔ یہ مسام رات کو بند ہو جاتے ہیں۔ گویا رات کو پودے بھی سو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی درخت سورج کی روشنی سے دیر تک محروم رہے تو تنفس گھٹ جانے کی وجہ سے وہ مرجاتا ہے۔ بعض پودے سردیوں میں کمُلا جاتے ہیں اس لیئے کہ سرما کی طویل راتوں میں ان کا دم دیر تک گھٹا رہتا ہے۔ بعض پودوں (قطب شمالی وجنوبی کے نزدیک) کی مشینری قدرے مختلف ہوتی ہے اور ان پر لمبی راتوں کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔

نباتات کاربن کو شکر و نشاستہ میں تبدیل کرکے سردیوں کے لیئے رکھ چھوڑتے ہیں اور کچھ بیج بنانے کے لیئے بچا رکھتے ہیں۔ چونکہ نشاستہ پانی میں پوری طرح حل ہو کر درخت کے مختلف حصّوں تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے پودے اس نشاستے کو شکر میں تبدیل کرتے ہیں اور پھر اس شکر کو پانی میں ملا کر ادھر اُدھر بھیج دیتے ہیں منزلِ مقصود پر پہنچ کر یہ شکر پھر نشاستے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بعض پودوں کے پتے رات کو سمٹ جاتے ہیں تاکہ آفتاب سے حاصل کردہ حرارت کو رات کی ٹھنڈی ہواؤں سے بچایا جائے۔ ایک برہنہ فقیر سردی کی رات میں سکڑ کر بیٹھتا یا لیٹتا ہے تاکہ جسمانی حرارت ضائع نہ ہو۔

پتّوں کی مختلف شکلیں بلحاظِ ضرورت ہیں۔ کسی درخت کو حرارتِ آفتاب کی زیادہ ضرورت تھی تو اسے پتلے پتے دیئے گئے تاکہ زیادہ حرارت جذب کر سکیں اور بعض کو زیادہ روشنی کی ضرورت نہ تھی۔ انہیں موٹے اور بھدّے پتّے دیئے گئے۔ بعض پتّوں پر کانٹے ہوتے ہیں اور بعض زہر سا نکالتے ہیں۔ یہ غالباً ان مفید پودوں کو ہلاکت سے بچانے کیلئے ہے۔ ہماری چائے بھی ایک پودے کے پتوں کا نام ہے[۱] تمباکو کا پتہ

---

[۱] ہندوستان نے چائے نوشی کا سبق چین سے لیا۔ پہلے ہم چین سے چائے منگواتے تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

مختلف عناصر و معادن، زمین و ہوا سے جذب کرتا ہے۔ اسی لئے اسے ایک خاص شکل دی گئی۔ بعض علمائے نباتات کے ہاں اثمار کا تنوع، تنوع اوراق کا نتیجہ ہے۔

الغرض ہر پتہ ایک حیرت انگیز مشین ہے۔ قدرت کے یہ ارب در ارب کارخانے نہایت خموشی سے چل رہے ہیں اور ہماری غذا تیار کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ انسان کس قدر ناشکرا ہے کہ تمام کائنات کی خدمات سے مستفید ہوتے ہوئے بھی اپنے فرائض کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ساڑھے نو کروڑ میل کی مسافت سے سورج کی کرنیں آتی ہیں جو بخاراتِ آبی کو ہوا کے کندھوں پر لادتی ہیں۔ بجلیاں چمک چمک کر زمین کی نس نس میں خونِ حیات دوڑاتی ہیں۔ لہریں فضائی نائٹروجن کا بیش بہا ذخیرہ ہماری کھیتیوں میں پہنچاتی ہیں۔ چشمے اندرونِ جبال سے معادن کی ایک دنیا ہمراہ لئے ہماری زمینوں کی طرف بڑھتے ہیں۔ جڑیں ذخائرِ ارضی کو جذب کر کے جزوِ نباتات بناتی ہیں اور تب کہیں جا کر ہمیں غذا میسر ہوتی ہے۔

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ۔ (عبس ۲۴ - ۳۲)	ذرا اپنی غذا پر تو غور کرو، ہم نے پہلے بارش برسائی اور پھر زمین کا پیٹ چیرا اور اس سے غلے، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغات، پھل اور چارہ پیدا کیا اور یہ سب اشیاء تمہارے لئے اور تمہارے حیوانات کے لئے متاعِ حیات ہیں۔

بقیہ۔ گزشتہ اسی سال سے آسام میں بھی اس کی کاشت ہو رہی ہے۔ آج کل صرف آسام سے ہر سال دو لاکھ ٹن چائے انگلستان کو بھیجی جاتی ہے اور چین سے صرف اڑھائی ہزار ٹن منگوائی جاتی ہے (برق)

مہیب نگرانی پودوں کے اجزائے تکوینی بناتیے کہلاتے ہیں۔ یہ بناتیے کہیں پتے بن رہا ہے اور کہیں ٹہنیاں، کہیں رنگ اور کہیں خوشبو، کہیں پھول اور کہیں پھل۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ چند بناتیے سازش کر کے پھول کی جگہ پھل تیار کر دیں اور کیلے کے درخت کے ساتھ کہیں آم اور کہیں سیب لگاتے پھریں۔

اوراقِ گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ہر بیج میں دو گرہیں سی ہوتی ہیں، جن میں سے ایک ڈنڈی بن کر باہر نکلتی ہے اور دوسری جڑ بن کر زمین میں پیوست ہو جاتی ہے۔ آپ بیج کو کسی شکل میں دبائیں، جڑ والی گرہ اوپر اور دوسری نیچے کر دیں نتیجہ وہی ہو گا کہ شاخ اوپر کو جائے گی اور جڑ نیچے کو، یہ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کی جہاں بیں نگاہ سے کوئی چیز خواہ وہ ہمالیہ کی عمیق و عریض وادیوں میں ہو، یا افلاک کی وسعتوں میں غائب نہیں۔

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ الخ (سبا - ۳)	زمین اور آسمانوں میں ایک ذرہ تک اللہ کی نگاہ سے غائب نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُودُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (بقرہ ۲۵۵)	اللہ کا تختِ سلطنت ارض و سما کو محیط ہے (کائنات کی ہر شے اسکی مہیب نگرانی میں ہے) اور وہ اس نگرانی سے گھبراتا نہیں (اس لئے کہ اگر وہ نگرانی کو ڈھیلا کر دے تو ہر جگہ بدنظمی پھیل جائے۔ بدنظمی وہیں پھیلتی ہے جہاں قابلیتِ انتظام مفقود ہو۔ یہ فقدان قابلیت برائی کی علامت نہیں نالائقی کی نشانی ہے۔ اللہ کی سلطنت میں بدنظمی کیونکر پھیل سکتی ہے کہ وہ ہر لحاظ سے بلند و رفیع ہے اور اس کی ذات الزام بدنظمی سے بہت بالا ہے۔

جذبۂ افزائشِ نسل جب کوئی پودا قد و قامت میں مکمل ہو چکتا ہے تو اس

میں ایک حسین تغیر آجاتا ہے وہی نباتیے، جو اب تک شاخ و برگ بن رہے تھے غنچوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، غنچے پھول بن جاتے ہیں اور پھول بیج یعنی انڈے۔ افزائشِ نسل کا جذبہ حیوانات و نباتات ہر دو میں نہایت شدومد کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ بیج نباتات کے انڈے ہیں، اس لیے حفاظت کی خاطر انہیں غلافوں، جالیوں اور سخت کیسوں میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ ان میں جو بیج انسانی غذا تھے مثلاً مٹر، لوبیا، چلغوزہ وغیرہ ان کی بہت زیادہ حفاظت نہ کی گئی۔ بلکہ انہیں معمولی چھلکوں میں رکھا گیا تاکہ "لاڈلے" انسان کو نکالنے میں تکلیف نہ ہو۔ بعض مفید درختوں مثلاً سیب، سنگترہ، مالٹا وغیرہ بیج تعداد میں کم تھے، اس لیے انہیں تلخ و ترش بنا دیا، تاکہ انسان انہیں کھا نہ جائے اور نسل کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ بعض بیج ہماری یومیہ غذا تھے مثلاً گندم، مکی، باجرہ وغیرہ تو قدرت نے ان کو بہ افراط پیدا کیا تاکہ انسانی استعمال کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

گندم، جو اور اس قسم کی چند دیگر فصلیں صرف چھ ماہ میں تیار ہو جاتی ہیں حالانکہ آم کا درخت سات آٹھ سال کے بعد پھل دیتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فطرت ان پودوں کے کان میں چپکے سے یہ بات ڈال دیتی ہے۔ وہ دیکھو دہقان درانتی لیے آرہا ہے جلدی کرو، بڑھو، پھولو اور انڈے زمین پر بکھیرنے کے بعد چلتے بنو۔

امریکہ میں زقوم کی شکل کا ایک درخت جو اگیوا (AGEVA) کے نام سے مشہور ہے اسّی سال میں جوان ہوا کرتا ہے۔ یہ سست رفتاری اس لیے کہ گندم و جو کی طرح اس کو دہقان کی درانتی کا ڈر نہ تھا۔ اس لیے مزے مزے سے بڑھتا تھا۔ اب بعض مقامات پر کچھ عرصے سے یہ ایندھن کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

ان مقامات پر وہی سُست درخت صِرف آٹھ دس سال میں جوان ہونے لگ گیا۔ یہ کیوں۔ قدرت نے اس کے کان میں کہہ دیا ہے:

"تیرے دشمن بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ اب سُستی چھوڑ دے اور جلدی جلدی بڑھ"!

ایک ہوشیار مالی جب دیکھتا ہے کہ شہتوت کا درخت آٹھ سال کے طویل انتظار کے بعد پھل دینا شروع کرے گا تو وہ اُس کی شاخوں کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ درخت ڈر جاتا ہے کہ کہیں مِٹ ہی نہ جائے اِس لِئے وُہ جلدی جلدی بڑھنا شروع کر دیتا ہے تاکہ مرنے سے پہلے نسل کی بنیاد ڈال جائے۔

نباتات کے اس منظر میں ہمارے لِئے یہ سبق پنہاں ہے کہ سُست اقوام کی رفتار کو تیز کرنے انہیں مفید خلائق بنانے اور ان کے ضعف کو قوت سے بدلنے کے لِئے تلوار کا استعمال ازبس ضروری ہے مُسلمان تمام عالم کے نظم و نسق اور اقوام و ملل کی بہتری و برتری کا ذمہ دار بن کر آیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آلِ عمران ۱۱۰)	تم ایک بہترین امت ہو جسے اقوامِ عالم کی بہبود پر مقرر کیا گیا ہے۔

اِس لئے اس کا فرض ہے کہ وُہ دِل کھول کر تلوار کا استعمال کرے ظلم و عدوان ہوا در جور و عصیاں کو مٹا کر رکھ دے تاکہ دُنیا امن و آشتی کی لذت سے آشنا ہو جائے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ میں کہتا ہوں اگر ایسا ہُوا ہے تو بہت اچھا ہُوا ہے آج کروڑوں بندگانِ خدا کو تجارتی منڈیوں اور نوآبادیوں کے لِئے تباہ کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ جنگِ عظیم بھی کچھ ایسے ہی ذلیل مقاصد کے لئے لڑی گئی تھی۔ اگر آج تجارت و دولت، دنیوی برتری، نوآبادیوں اور تیل کے چشموں کی خاطر تلوار کا استعمال کیا

جارہا ہے اور اس میں آپ کو کوئی بُرائی نظر نہیں آتی تو اسلامی تلوار کے استعمال پر آپ کیوں نعل در آتش ہوں کہ جس کا مقصد نیل کے چشمے اور ربڑ کے جنگل نہ تھے بلکہ نیکی کی ترویج اور بدی کا استیصال تھا۔ ارباب ظلم کی ہلاکت اور عدل و انصاف کا احیاء تھا فتنہ و شر کا خاتمہ اور امن و آشتی کا قیام تھا۔ مبارک ہے وہ تلوار جو اس قدر بلند مقصد کے لئے اٹھائی جائے، رسول اللہ صلعم کے اس اعلان کو کبھی نہ بھولئے گا:

بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ (حدیث)	میں قیامت سے ذرا پہلے تلوار دیکر بھیجا گیا ہوں۔

پھولوں کا فرض پھولوں میں رنگ و بو اس لئے ہے کہ وہ بھونرے اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ بہ الفاظ دیگر یہ رنگ و بو بھونروں کی محنت کا صلہ ہے جُوں ہی یہ کام (حمل) ختم ہو چکتا ہے۔ پھول مرجھا جاتے ہیں اس لئے کہ وہ اپنا فرض ادا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا مزید باقی رہنا بے سود ہوتا ہے۔

اللہ کی حسین سرزمین میں صرف کارآمد و مفید اقوام باقی رہ سکتی ہیں۔ نکموں، نااہل، بے اثر عقائد کے پجاریوں اور اوراد و وظائف کے بہادروں اور بے عمل دُعاگوؤں کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (رعد)	صرف مفید خلائق اقوام و اشیاء دُنیا میں باقی رہتی ہے۔

محبّت کا جنوں باقی نہیں ہے — مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے
صفیں کج، دِل پریشاں سجدہ بے ذوق — کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے (اقبالؔ)

پھولوں کی حفاظت پھولوں کو جنگلی جانوروں اور پرندوں سے محفوظ رکھنے کے لئے قدرت نے کئی تدابیر اختیار کیں۔ مثلاً بعض (بادام اور اخروٹ) کے چھلکے سخت بنا دیئے اور بعض پر کڑوے غلاف چڑھا دیئے

سنگترے اور انار کا چھلکا اس قدر کڑوا ہوتا ہے کہ کسی جانور کو مُنہ ڈالنے کی ہمت تک نہیں پڑتی۔ قدرت کا کمالِ صناعی دیکھئے کہ زمین وہی ہے، درخت وہی ہے اور رس پہنچانے والی شاخیں وہی ہیں، لیکن انار کا چھلکا سخت کڑوا ہے اور دانے میٹھے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ چھلکوں اور دانوں کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کارخانے کام کر رہے ہیں۔ ایک مٹھاس تیار کر رہا ہے اور دُوسرا کڑواہٹ۔ یہ دونوں رس پاس پاس ہیں لیکن ایک دُوسرے سے خلط ملط نہیں ہو سکتے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝

(رحمٰن ۱۹۔۲۰)

دو دریا (ایک کڑوا ایک میٹھا) پاس بہہ رہے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک ایسی دیوار حائل ہے جسے پھلانگ کر یہ ایک دُوسرے میں خلط ملط نہیں ہو سکتے۔

اخروٹ اور بادام اُونچے پہاڑوں پر پیدا ہوتے ہیں جہاں برف وغیرہ کی وجہ سے میدانی جانور نہیں پہنچ سکتے۔ یہاں صرف گلہری چوہوں کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے ان کے چھلکے سخت بنا دیئے تاکہ چوہے نقصان نہ پہنچا سکیں۔

قدرت کا یہ بھی منشا تھا کہ بارور درخت کسی ایک حصّہ زمین تک محدود نہ رہیں اس لئے ان کی نسلوں کو دُور دراز ممالک تک پہنچانے کے لئے کئی وسائل تک استعمال کئے:

۱۔ ہوائیں بیج اڑا کر دُور دراز ممالک میں لے گئیں۔

۲۔ بیج برساتی نالوں اور دریاؤں میں بہہ کر دیگر خطوں میں چلے گئے۔

۳۔ چوہے، کوّے، طوطے، شارکیں اور دیگر پرندے منقاروں میں میوے لئے

ادھر اُدھر اڑ گئے۔

۴۔ آدمی آموں اور سیبوں کے ٹوکرے دُوسرے ممالک میں لے گئے۔

انجیر کا حمل انجیر کے درخت کے ساتھ پھُول نہیں لگتا۔ معاملہ یوں ہے کہ ابتدائی انجیر کے اندر ایک چھوٹا سا غنچہ چھُپا ہُوا ہوتا ہے۔ ایک خاص قسم کی بھِڑ نر اور مادہ غنچوں میں انڈے دے جاتی ہے۔ جب بچّے نکلتے ہیں تو نر انجیر کے بچّے مادہ انجیر میں چلے جاتے ہیں اور اس طرح مادہ حاملہ ہو جاتی ہے فِطرت کی رنگینیوں کا کیا کہنا:

حُسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لِئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن (اقبالؔ)

کھجُور صحرائے عرب سینکڑوں میل تک پھیلا ہُوا ہے جسے طے کرنے کے لِئے اب بھی اُونٹ سے کام لیا جاتا ہے۔ اِمکان تھا کہ مُسافر راہ میں بے توشہ نہ ہو جائیں۔ اس لِئے اس ریگستان میں ہر طرف کھجُوروں کے درخت اُگا دیئے اور انہیں بلند قامت بنا دیا تاکہ یہ قیمتی پھل جانوروں کی رسائی سے باہر ہو جائے۔ نیز قربِ زمین کی گرمی سے نسبتاً محفوظ رہے۔ کھجُوروں کے تنے اس لِئے ریشہ دار اور کھوکھلے بنائے تاکہ تھرموس بوتل کی طرح اندر کی ہوا بیرونی حرارت سے متاثر نہ ہو اور پھل خشک نہ ہو جائے۔ اِنسانی بدن کی مشین کو دو چیزوں کی سخت ضرورت رہتی ہے شکر و نشاستہ۔ یہ ہر دو اجزاء کھجُور میں بہ درجہ کمال موجود ہیں۔

جنگل میں حفاظتِ اثمار کے مسالے کہاں مل سکتے تھے۔ کیلا صرف ایک ہفتے میں گل سڑ جاتا ہے۔ سیب پلپلا ہو جاتا ہے۔ امرود میں کیڑے چلنے لگتے ہیں

شہتوت اور لوکاٹ چند گھنٹوں میں خراب ہو جاتے ہیں لیکن کھجور کو اللہ نے کسی خاص مسالے سے یوں محفوظ کر دیا ہے کہ مہینوں خراب نہ ہو۔

کھجور کی جڑیں زمین سے دو قسم کا رس چوستی ہیں، کثیف اور لطیف۔ کثیف رس سے تنا اور شاخیں بنتی ہیں اور لطیف سے پھل۔ پھل کے سر دانے کے ساتھ ایک مصفی لگا ہوتا ہے جو رس کو مزید صاف کرتا ہے۔ گٹھلی کی ترکیب کچھ لطیف اور کچھ کثیف رس سے ہوتی ہے لیکن گٹھلی کڑوی ہوتی ہے اور چھلکا میٹھا۔ ان ہر دو کے درمیان ایک پردہ لگا دیا گیا ہے۔ تاکہ تلخی و شیرینی خلط ملط نہ ہو جائیں

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ
(رحمٰن ۱۰ ـ ۱۱)

یہ زمین انسانی رہائش کے لئے تیار کی گئی اور اس میں (لاڈلے انسان کے لئے) میوے اور گچھوں والی کھجوریں ہیں۔

نشانات منزل درخت عموماً راہوں پر اگتے ہیں، اس لئے کہ مسافر پھل کھا کر گٹھلیاں پھینک دیتے ہیں اور وہاں درخت اُگ آتے ہیں جہاں کہیں درخت نظر آتے ہیں اور وہاں راہ موجود نہیں تو سمجھ لو کہ یہاں سے کبھی قافلہ گزرا تھا۔ اہل عرب پہلے سندھ پر حملہ آور ہوئے تھے، ان کے پاس کھجوریں تھیں۔ جہاں کہیں اترے، گٹھلیاں پھینکتے گئے، نتیجہ یہ کہ آج سندھ میں عربی نسل کی کھجوریں میلوں تک دکھائی دیتی ہے:

خبر دیتی ہے شوخی نقش پا کی — ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

سدا بہار درخت سدا بہار درخت خزاں میں بھی سرسبز رہتے ہیں وجوہات یہ ہیں:

اوّل، بعض درختوں کے پتے چکنے ہوتے ہیں اور ان پر ایک مومی مواد موجود ہوتا ہے، جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس مواد سے پتوں کے مسام سردیوں میں بند ہو جاتے ہیں اور نمی محفوظ رہتی ہے نتیجتہً وُہ خشک نہیں ہوتے۔

دوم: بعض پتوں پر سفید سی اون ہوتی ہے جو عملِ تبخیر کو روک کر درختوں کو سرسبز رکھتی ہے۔

سوم: نکیلے لمبے اور تنگ سطح والے پتے چوڑے پتوں کی بہ نسبت سُورج کی روشنی سے کم متاثر ہوتے ہیں اور ان کی نمی زیادہ ضائع نہیں ہوتی۔ اس لئے وُہ سرسبز رہتے ہیں اگر زیتون اور کھجور کے پتے چوڑے ہوتے تو خزاں میں جھڑ جاتے۔

فوائدِ اشجار

درختوں کی جڑیں فالتو پانی کو جذب کر لیتی ہیں، اس لئے زمین پر دَل دَل نہیں بن سکتی۔

(۲) درخت اپنے تنفس سے فضا کو گرما دیتے ہیں۔ ہوا قدرے لطیف ہو جاتی ہے نتیجتہً قربِ زمین کے بادل وزنی ہو کر برسنے لگتے ہیں۔

(۳) درختوں کے پت جھڑ سے زمین زرخیز بن جاتی ہے۔

(۴) اگر پہاڑوں پہ درخت نہ ہوتے تو ارد گرد کی زمینیں برساتی نالوں سے صحرا بن جاتیں اور اگر آج کسی ریگستان میں درخت لگا دیئے جائیں تو وُہ زرخیز ہو جائے گا۔

چند عجیب و غریب درخت

سنکونا

سنکونا (CINCHONA) جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے اس کے

چھلکے سے کونین تیار ہوتی ہے۔ سب سے پہلے یہ راز چند ہسپانوی مہاجرین کو معلوم تھا۔ ۱۶۳۹ء میں پیرو (PERU) کے وائسرائے کی بیوی کونٹس آف چنکن (COUNTESS OF CHINCHON) نے اس درخت کا تعارف یورپ میں کرایا اس کے بعد چند مبلغ اس درخت کا چھلکا اٹلی میں لے گئے اور مریضوں میں مفت تقسیم کیا۔ کچھ عرصے کے لئے اس چھلکے کا استعمال متروک ہوگیا۔ جب سترھویں صدی میں انگلستان کا بادشاہ چارلس دوم بیمار ہوا تو شاہی ڈاکٹر رابرٹ ٹیبلٹ (ROBERT TABLET) نے اس چھلکے کے سفوف سے علاج کیا اور بادشاہ صحت یاب ہوگیا۔ دوسرے سال اسی ڈاکٹر نے اسی سفوف سے چند فرانسیسی امرا کا علاج کیا اور وہ صحت یاب ہو گئے اس کے بعد کونین سے ہر شخص واقف ہوگیا۔

ربڑ ربڑ کا درخت پہلے صرف وسطی جنوبی امریکہ میں ملتا تھا۔ انیسویں صدی میں یہ درخت سیلون، ملایا میں لگایا گیا۔ اس کے رس سے ربڑ تیار ہوتا ہے آج ربڑ کی اہمیت سے ایک عالم آگاہ ہے۔

زیتون اس کا تیل مفید ترین تیل سمجھا جاتا ہے، جو مشینوں کے علاوہ صابنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ درخت ہزار سال تک باقی رہتا ہے اور اس کی لکڑی فولاد کی طرح مضبوط ہوتی ہے۔

شہتوت شہتوت کے پتوں کو بکری کھاتی ہے تو دودھ بنتا ہے مکھی ان سے شہد تیار کرتی ہے کیڑا ابریشم اور کستوری پیدا کرتا ہے یہ چیز ایک ہی ہے لیکن مختلف کارخانوں میں اس سے مختلف اشیاء تیار ہو رہی ہیں۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ؕ (مومنون ۱۴)	قابل صد ہزار تعریف ہے وہ اللہ جو بہترین خالق ہے۔

ناریل

ایک مسافر سخت گرمی میں ایک ایسے جھونپڑے میں جا پہنچا جس پر ناریل کے درختوں کا سایہ تھا۔ صاحبِ خانہ نے مسافر کو شراب، دودھ اور حلوا نہایت عمدہ برتنوں میں پیش کیا۔ مسافر نے پوچھا کہ جنگل میں یہ غذائیں کہاں سے آگئیں۔ کہا یہ سب کچھ ناریل کی بدولت ہے۔ میں کچے ناریل سے پانی، پختہ ناریل سے دودھ، پتوں سے حلوا، شگوفوں سے شراب پھولوں سے شکر، چھال سے برتن۔ لکڑی سے ایندھن، بُنے ہوئے پتوں سے چھت، ریشوں سے رسیاں اور تیل سے روشنی حاصل کیا کرتا ہوں۔ جب یہ مسافر چلنے لگا تو میزبان نے ایک شاخ کو جھاڑا جس سے غبار سا گرا۔ اس غبار سے سیاہی کا کام لیکر ایک پتے پر کسی دوست کی طرف چٹھی لکھ دی

هٰذَا خَلۡقُ اللّٰهِ فَاَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ (لقمان - ۱۱)	یہ ہے اللہ کا کمالِ تخلیق، اللہ کے بغیر کسی اور نے بھی کچھ پیدا کیا ہو تو ذرا سامنے لاؤ۔

دم الاخوین

بحرِ اوقیانوس کے ایک جزیرے میں آج سے پانچ سو سال پہلے دم الاخوین کا ایک ایسا درخت پایا گیا جس کا تنا دور میں ساٹھ فٹ تھا۔ اسی نوع کے باقی درختوں کو دیکھ کر علمائے نباتات نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ درخت خلقِ آدم سے پہلے کا ہے۔

درخت خور نباتات

بعض بیلیں براہِ راست زمین میں سے غذا حاصل نہیں کرتیں، بلکہ دوسرے درختوں کے رس پر پلتی ہیں اور یہ درخت رفتہ رفتہ خشک ہو جاتے ہیں۔ محکوم اقوام اسی لئے خشک ہو جاتی ہیں

کہ ان کا رس حاکم قوتیں چوس لیتی ہیں۔

حیوان خور نباتات امریکہ میں ایک ایسا پودا ملتا ہے جس کی شاخیں جال کی طرح زمین پر بچھی ہوئی ہوتی ہیں، جوں ہی کوئی جانور اوپر سے گزرتا ہے یہ بل جاتی ہیں اور جانور گرفتار ہو کر اس کی غذا بن جاتا ہے۔

مگس خور نباتات سنڈیو (SUNDEW) کے پھول پر ایک لیس دار رس ہوتا ہے جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے تو چمٹ جاتی ہے پھول کی پتیاں اس پر بل پڑتی ہیں اور اسے کھا جاتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس زمین میں نائٹروجن نہیں ہوتی اس کمی کو یہ پودے مکھیوں سے پورا کرتے ہیں۔

اسی طرح بٹر وارٹس (BUTTER WARTS) کے پتوں پر ایک گوند سا لگا ہوتا ہے جوں ہی کوئی مکھی اس پر بیٹھتی ہے۔ پتہ مٹھی کی طرح بند ہو جاتا ہے اگر ان پتوں پر ریت کا ذرہ یا چھوٹا سا کنکر رکھ دیا جائے تو یہ متاثر نہیں ہوتے لیکن جب شکار اوپر آ بیٹھے تو نہایت پھرتی سے بل جاتے ہیں۔ بہ دیگر الفاظ ان میں اتنی عقل موجود ہوتی ہے کہ اپنی غذا اور چھیڑ چھاڑ میں تمیز کر سکیں۔

بعض جوہڑوں میں ایک ایسا تھیلی دار پودا BLADDER WARDS ملتا ہے جس کی ٹہنیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ تھیلیاں چوہے کے پنجرے کی طرح صرف باہر کی طرف سے کھلتی ہیں جب پانی کے حشرات آرام یا غذا کے لئے اندر داخل ہوتے ہیں تو گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک پودے پچر پلانٹ (PITCHER PLANT) کے پھول صراحیوں کی طرح شاخوں سے لٹکے ہوتے ہیں اندر میٹھا رس ہوتا ہے اور دیواروں کے ساتھ ٹیڑھے کانٹے۔ جب کوئی مکوڑا رس پینے کے

لئے اندر داخل ہوتا ہے تو واپسی پر یہ کانٹے اس کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ وُہ بار بار چڑھتا اور گرتا ہے اور آخر تھک کر حوض میں رہ جاتا ہے۔

صنّاعی ایک طرف مولی، شلغم، پیاز اور دوسری طرف انجیر، کھجور اور آم پر غور کیجیئے۔ مقدم الذکر کے پتے اس وضع کے ہیں کہ جب بارش برستی ہے تو یہ پتے قطروں کو سمیٹ کر جڑوں میں ڈال دیتے ہیں اور آم وغیرہ کے درخت قطرات کو پھیلا کر ٹپکاتے ہیں۔ وجہ یہ کہ مولی اور شلغم وغیرہ کی جڑ صرف ایک ہوتی ہے اس لئے قطراتِ باراں کو جڑ کی طرف لے جانے کا سامان کیا گیا۔ آم وغیرہ کی جڑیں پھیلی ہُوئی ہوتی ہیں۔ اس لئے قطرات بھی پھیل کر ٹپکتے ہیں۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتر زلیست معرفتِ کردگار (سعدی)

کاربن اور آکسیجن حیوانات کی زندگی کا دار و مدار آکسیجن پر ہے اور نباتات کا کاربن پر۔ اگر آکسیجن کم ہو جائے تو حیوانات ہلاک ہو جائیں اور اگر کاربن کا ذخیرہ گھٹ جائے تو نباتات فنا ہو جائیں۔ پھر کاربن نہایت زہریلی گیس ہے اس کی بہتات حیوانات کے لئے مہلک ہوتی ہے۔ قدرت کا انتظام ملاحظہ فرمائیے کہ کاربن نباتات کی اور آکسیجن حیوانات کی غذا بنا ڈالی۔ حیوانات پودوں کے لئے کاربن اور نباتات ہمارے لئے آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔ تمام حیوانات ایک سال میں ساٹھ کروڑ ٹن کاربن سانس کے ذریعے خارج کرتے ہیں جس میں بیس کروڑ ٹن خالص کوئلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حیوانات ایک سال میں آٹھ کھرب مکعب میٹر آکسیجن استعمال کرتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ دُنیا میں کیا عدل و انصاف ہے۔ زندگی کو قائم

رکھنے کے لئے کیا حیرت انگیز نسق ہے اور اللہ کی شانِ ربوبیت کس کس رنگ میں جلوہ گر ہو رہی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ (الفاتحہ)	آؤ تعریف کریں اس رب العالمین کی (جس کا نظام ربوبیت اس قدر حیرت انگیز ہے)

حفاظتِ نباتات

نباتات کی حفاظت کے لئے قدرت نے کئی طرح کے انتظام کر رکھے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ہالی (HOLLY) پودے کے ابتدائی اور نچلے پتّے خار دار ہوتے ہیں اور اوپر جا کر ہر پتے کے آخر پر صرف ایک کانٹا رہ جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ معمولی جانوروں کی جہاں تک رسائی تھی، وہاں تک حفاظت کی ضرورت زیادہ تھی۔

۲۔ جانوروں کی دو قسمیں ہیں: نرم مُنہ والے، مثلاً گائے بھینس وغیرہ اور سخت مُنہ والے جو کانٹوں تک چبا جاتے ہیں۔ مثلاً بھیڑ بکری وغیرہ۔ مؤخر الذکر جانور کمزور تھے اس لئے قدرت نے بعض درختوں کو کانٹے لگا دیئے تاکہ نرم مُنہ والے انہیں کھا نہ سکیں اور وُہ سخت مُنہ والے کمزور جانوروں کے لئے بچ رہیں۔

۳۔ بچھو بوٹی[1] (کشمیر میں عام ہے) کے چھُو جانے سے جسم میں آگ بھڑک اٹھتی ہے میں خود بھی ایک دفعہ اس کا شکار ہُوا تھا۔

۴۔ اسی طرح ایک پودے "برگِ شیطان" (DEVIL'S LEAF) کا ڈنک سال بھر تکلیف دیتا رہتا ہے اور بعض اوقات آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

---

[1] بچھو بوٹی کے پاس ہی شلغم کی طرح کا ایک پودا موجود ہوتا ہے، ایک پتہ توڑ کر زخم خوردہ مقام پر رگڑ دیجئے فوراً آرام آجائے گا۔ (برق)

۵۔آسٹریلیا کے ایک پودے (LAPORTICA MATOIDER) سے اگر گھوڑا بھی چھو جائے تو فوراً ہلاک ہو جاتا ہے۔

۶۔ایک اور پودا "زہریلی بیل" (POLSON IVY) ہے جس کے چھو جانے سے ہاتھ پاؤں اور منہ سوج جاتا ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔

۷۔بعض پودے ایسا بدبو دار رس خارج کرتے ہیں کہ جانور پاس تک پھٹکنے کی جرأت نہیں کرتے۔

۸۔"چھوئی موئی بوٹی" صرف موجِ نفس سے سمٹ جاتی ہے اور جانور بدک جاتا ہے۔

۹۔ایک پودا "ٹیلیگراف" (TELEGRAPH PLANT) ہوا کے بغیر ہی دن رات جھومتا رہتا ہے جس سے جانور خوفزدہ ہو کر دور بھاگتے ہیں۔

۱۰۔مضر حشرات کو پھانسنے کے لئے درختوں کے تنے اور شاخیں ایک قسم کا گوند نکالتی ہیں جس میں یہ حشرات پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ یہ گوند تبھی نکل سکتا ہے کہ درخت میں سوراخ کیا جائے اس کام کے لئے قدرت نے لمبی اور تیز چونچ والے پرندے پیدا کر دیئے ہیں جو درختوں میں سوراخ کرتے پھرتے ہیں۔ ان سوراخوں سے گوند نکلتا ہے جو درخت کا محافظ بھی ہے اور زخم درخت کا مرہم بھی۔

۱۱۔بعض پودوں کے غنچوں سے میٹھا رس نکلتا ہے جسے حاصل کرنے کے لئے چیونٹیاں اوپر جاتی ہیں۔ رس بھی پیتی ہیں اور ساتھ ہی ان حشرات کی خبر لیتی ہیں جو ان پودوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب یہ غنچے مکمل ہو کر بیج بن جاتے ہیں تو یہ رس سوکھ جاتا ہے۔ یہ رس چیونٹیوں کی نوازش کا صلہ ہے۔

۱۲۔ بعض درختوں پر بڑے بڑے چیونٹے گھومتے پھرتے ہیں جن کا کام چوکیداری ہوتا ہے یہ حشرات حیوانات کو اس زور سے کاٹتے ہیں کہ انہیں بن بھاگے نہیں بنتی۔
غور فرمائیے کہ قدرت نے ہماری غذا کی فراہمی وحفاظت کا کیا حیران کن انتظام کر رکھا ہے پھر ہر درخت اور ہر پودے میں کس قدر اسباق و آیات ہیں۔ عالمِ نباتات میں کتنا تنوع ہے، لاکھوں پودے، ہر پودے کی ہیئت الگ، خاصیت الگ، پھل الگ، کہیں کوئی غلطی نہیں، بدنظمی نہیں، حفاظت سے غفلت نہیں، تربیت سے تساہل نہیں، آؤ اس خالقِ لازوال کی حمد وثنا کے زمزمے گائیں جس نے ہماری حسین دُنیا کو حسن وجمال کا مرکز بنایا اور ہماری تفریح کے لئے اسے لالہ وگل سے سجایا۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى ۝ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعٰى۔

(اعلیٰ ۱ تا ۴)

اس رب کی حمد وثنا کے ترانے گاؤ جس نے کائنات میں حسن وجمال پیدا کیا (تسویہ) ہر چیز کو پیدا کر کے ایک خاص دستور العمل کے نباہنے پر لگا دیا (ھدیٰ) اور جس نے چراگاہیں اور مرغزار تیار کئے۔

باب ۳

سیرِ افلاک

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ نِ الْکَوَاکِبْ (صافّٰت) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ (حجر ۱۶)

ہم نے آسمان کو ستاروں سے آراستہ کیا ہم نے آسمان میں بُرج بنا کر اسے دیکھنے والوں کے لئے حسین بنا دیا ہے۔

آسمان ہماری زمین کی طرح قدرت کا ایک دلکش نگارستان ہے جس میں الہٰی کبریا و جبروت کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ آؤ ان آیات کی قدرے تفصیل بیان کریں۔

ایک مثال فرض کرو ایک خوبصورت عورت کے یہاں دس لڑکیاں ہیں جو ماں سے کم خوبصورت ہیں۔ یہ لڑکیاں ماں کا طواف کر رہی ہیں۔ پھر ہر لڑکی کے یہاں دس اور لڑکیاں ہیں جو اپنی ماؤں سے حُسن و جمال میں کم ہے اور ان کے گرد چکر کاٹ رہی ہیں۔ بس یہی حال سیّاروں کا ہے۔ ان کی پہلی ماں کہکشاں تھی جو لاتعداد شموس و اقمار کا مسکن ہے ان میں سے ہر سورج کے ہاں دس لڑکیاں ہیں جو اس کے گرد چکر کاٹ رہی ہیں۔ ہمارا سورج آخری ماں ہے جس کے آٹھ نو بچے پیدا ہو چکے ہیں یعنی زحل، مشتری، عطارد، زمین وغیرہ اور ایک دو کا انتظار ہے۔ ہماری زمین کی بھی ایک لڑکی پیدا ہو چکی ہے یعنی چاند جو زمین سے کم خوبصورت ہے اور اپنی ماں کے ارد گرد چکر کاٹ رہا ہے۔

سبع سموات

آسمان ہم سے بہت دُور ہے اس لئے ہمارا علم اس کے متعلق ناقص و نامکمل ہے لیکن جو کچھ علمائے ہیئت نے معلوم کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ظاہری نگاہ سے ہمیں آسمان کے سات طبقے نظر آتے ہیں طبقۂ اوّل میں صرف چار بڑے بڑے ستارے ہیں۔ طبقہ دوم میں ستائیس، سوم میں تہتر، چہارم میں ایک سو اٹھانوے، پنجم میں چھ سو پچاس، ششم میں دو ہزار دو سو اور ہفتم میں تین ہزار سے زیادہ ستارے ہیں۔ یہ تعداد بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ بیسویں طبقے میں سات کروڑ ساٹھ لاکھ ستارے پائے جاتے ہیں اب تک ہمیں تقریباً بیس کروڑ ستارے نظر آچکے ہیں۔ قرآن حکیم میں جن سات طبقوں کا ذکر ہے وُہ غالباً وہی ہیں جو ہمیں دوربین کے بغیر نظر آتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ (مومنون)

ہم نے تمہارے اوپر سات گزرگاہیں (ستاروں کی) بنائیں اور ہم تخلیق سے غافل نہیں ہیں۔

آسمانوں کے متعلق تازہ تحقیق یہ ہے کہ فضا میں کئی شفاف دیواریں موجود ہیں ایک ایسی دیوار ہے جو کاسمک شعاعوں کو روکتی ہے۔ کاسمک شعاعوں میں دس ارب وولٹ کی بجلی ہوتی ہے۔ اگر یہ شعاعیں اس دیوار کو چیر کر نیچے آجائیں تو آنا فانا زندگی ختم ہو جائے ایک دیوار ایسی ہے جو ایتھر کی لہروں کو روک کر زمین کی طرف لوٹا دیتی ہے اور اسی کی بدولت ہم ریڈیو سے آواز سُن سکتے ہیں۔ ایک اور دیوار فضا کے کروڑوں آفتابوں کی حرارت کو روکتی ہے۔ اگر ہم زمین سے سو میل اوپر جائیں اور ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہو تو وُہ کھولنے لگ جائے گا۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ وُہ ان دیواروں یا آسمانوں کی بدولت کہکشانی آفتابوں کی حرارت اور برقی شعاعوں

کے خوف ناک حملوں سے ہمیں بچا رہا ہے۔

آفتاب اگر ہم آفتاب کے زیادہ قریب ہوتے تو گرمی سے جھلس جاتے اور زیادہ دُور ہوتے تو سردی سے مر جاتے۔ اللہ نے ہمیں ایک خاص فاصلے پر رکھا ہوا ہے تاکہ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہیں۔ وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِیْنَ

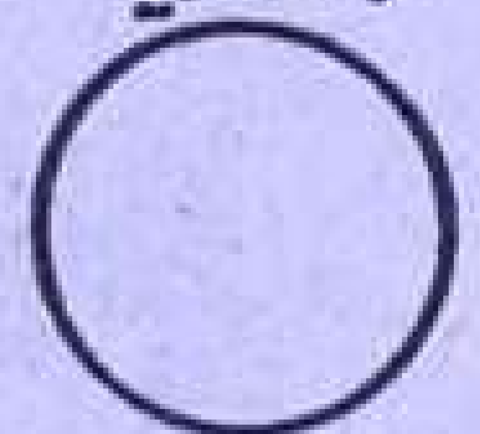
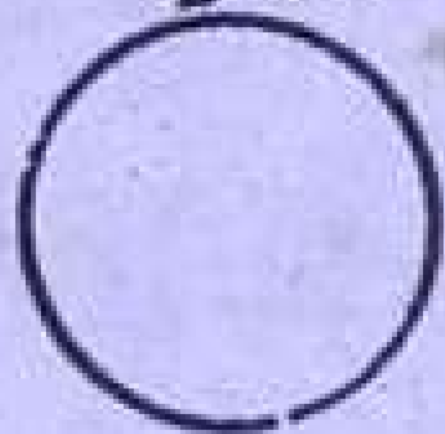
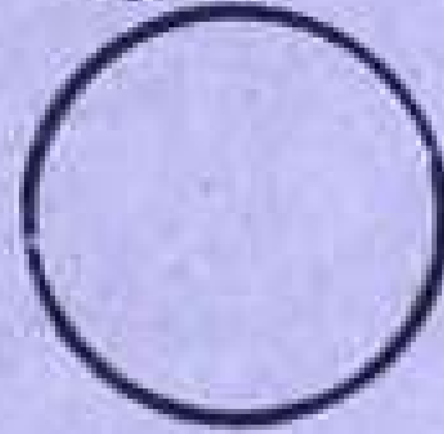
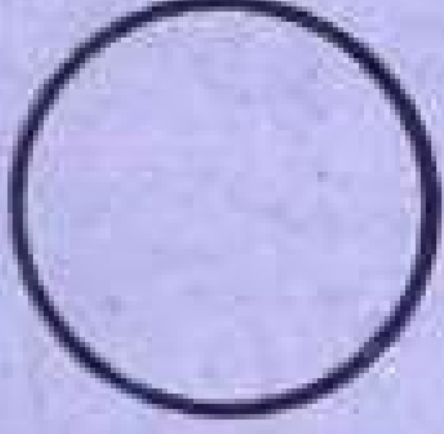
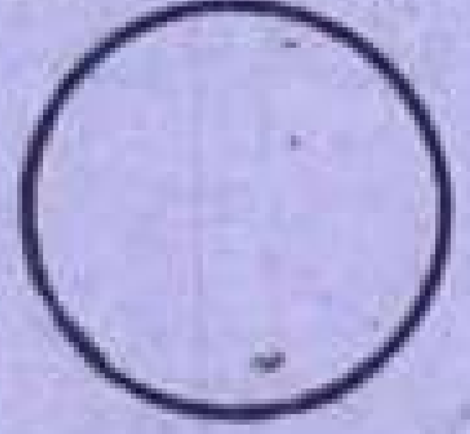
جب ہم بُعدِ آفتاب اور طوفانِ نور کو دیکھتے ہیں اور پھر یہ سوچتے ہیں کہ آفتاب صرف زمین ہی کو روشنی نہیں دے رہا بلکہ اس کی روشنی ہر طرف جا رہی ہے اور زمین پر اس کی روشنی کا صرف $\frac{1}{2,000,000,000}$ حصّہ پڑ رہا ہے تو ہم اس کرۂ نور کی عظمت و جلال سے کانپ اٹھتے ہیں۔

بُعدِ آفتاب سُورج ہم سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے اس فاصلہ کا صحیح تصوّر معلوم کرنے کے لئے کمرے میں کلاک لگائیے۔ ان ہندسوں کو گننے کا کام اس کے حوالے کر دیجئے اور اس کی ہر ٹِک کو ایک ہندسہ سمجھئے۔ یہ کلاک ایک منٹ میں ساٹھ ایک گھنٹے میں ۳۶۰۰ اور چوبیس گھنٹوں میں ۸۶۴۰۰ ہندسے گِنے گا اور سُورج کے اس فاصلہ کو شمار کرنے کے لئے ۱۰۷۶ دِن یعنی تقریباً تین سال صرف ہوں گے۔

اگر ایک گاڑی ۴۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سُورج کی طرف روانہ ہو تو ۲۶۵ سال کے بعد وہاں پہنچے گی۔

گردشِ آفتاب سُورج اپنے گرد گھُومتا ہے۔ دُوربین سے معلوم ہوا ہے کہ سُورج میں چند داغ ہیں، جن کا مقام بدلتا رہتا ہے۔ سُورج ایک ماہ میں اپنا طواف مکمّل کر لیتا ہے۔

چھبیسویں — اکیسویں — سولہویں — گیارھویں — چھٹی — مہینے کی پہلی تاریخ

سولہویں اور اکیسویں تاریخ کو یہ داغ نظر نہیں آتا اور چھبیسویں کو پھر دکھائی دینے لگتا ہے۔ علمائے مغرب کا خیال یہ ہے کہ سورج اپنی جگہ پہ گھوم رہا ہے لیکن قرآنِ حکیم اس نظریہ کو باطل ثابت کرتا ہے۔ انسانی علم اس پہلو میں اس قدر ناقص ہے کہ باوجود انتہائی کوششوں کے الہام کا ساتھ نہیں دے سکا موجودہ منجموں میں صرف ہرشل ایک ایسا عالم ہے جس نے سورج کو متحرک تسلیم کیا ہے ایک ایسا زمانہ آئے گا جب انسانی تحقیق و جستجو الہام ربانی کی تصدیق کرتے ہوئے اعلان کرے گی کہ:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ (یٰس ۳۸)

سورج ایک مستقر کی طرف یا ایک مرکز کے اردگرد محوِ حرکت ہے یہ عالم و غالب خدا کی تعین ہے۔

حرکتِ زمین

علمائے مغرب نے زمین کو متحرک مانا ہے اور مشرق میں زمین ساکن تسلیم کی جاتی ہے قرآنِ حکیم میں حرکتِ زمین پر کئی آیات موجود ہیں۔ مثلاً

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا (طٰہٰ ۵۳)

تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا۔

مہد گہوارہ کو کہتے ہیں۔ گہوارہ کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو میلوں وغیرہ میں لگائے جاتے ہیں اور دوم جو گھروں میں بچوں کے لئے لٹکائے جاتے ہیں۔ ہر دو قسم کے گہواروں میں حرکت موجود ہے۔

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ ۔ (نحل ۱۵)

ہم نے زمین پر پہاڑ ڈال دیئے ہیں کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر بھاگ نہ جائے۔

زمین کی حرکت میں اعتدال و توازن پیدا کرنے کے لئے وزنی پہاڑ ڈالے گئے۔ اگر زمین ساکن ہوتی تو یہ بھاگنے کا سوال کیسے پیدا ہوتا؟ بھاگنے کا خوف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ زمین کو متحرک تسلیم کیا جائے اور مانا جائے کہ یہ فضا کی مختلف گزرگاہوں سے ہوتی ہوئی آگے چلتی ہے اگر وزن کم ہوتا تو ڈر تھا کہ کوئی ستارہ اسے اپنی طرف کھینچ لیتا اور زمین بھاگ کر دور نکل جاتی۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یُکَوِّرُ اللَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی اللَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی۔ (زمر ۵)

اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کیا اور آفتاب و ماہتاب کو مسخر کیا یہ تمام کے تمام ایک معین میعاد تک محو حرکت رہیں گے۔

کس قدر صریح اعلان ہے حرکتِ ارض کا:

زمین سورج کے گرد ساڑھے اٹھاون کروڑ میل کا دائرہ بناتی ہے اس کی رفتار فی سیکنڈ ۱۸ میل فی منٹ ۱۰۸۰ میل فی گھنٹہ ۶۴،۸۰۰ میل اور رات دِن میں سولہ لاکھ میل بنتی ہے۔ فرض کرو تم سینما میں تماشا دیکھنے گئے تھے اور تین گھنٹے کے بعد واپس آئے تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس عرصہ میں تم تقریباً دو لاکھ میل فضا میں آگے نکل چکے تھے۔

چاند چاند کا قطر ۲۱۶۰ میل اور زمین کا ۷۹۸۰ میل ہے چاند زمین سے ۱۲½ گنا چھوٹا ہے۔ چاند تیز رفتار سے زمین کے ارد گرد گھومتا ہے اس کا فرض از بس مشکل ہے کہ وہ ایک تیز گھومنے والی زمین کے ارد گرد اس صفائی سے گھوم رہا ہے کہ نہ تو زمین سے اور نہ کسی اور ستارے سے ٹکراتا ہے زمین ۳۶۵¼ دِن

ہیں اور چاند صرف ۲۷ دِن میں ایک چکر پورا کرتا ہے۔

کسوف و خسوف

جب سُورج اور ہمارے درمیان چاند حائل ہو جاتا ہے تو سُورج گرہن ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ہندوستان میں مکمل سُورج گرہن ہوتا ہے لیکن سائبیریا میں نصف نظر آتا ہے وجہ صاف ہے کہ ہم اور اہلِ سائبیریا مختلف زاویوں سے سُورج کو دیکھ رہے ہیں بالکل ممکن ہے کہ اس وقت چاند پوری طرح اہل سائبیریا اور سُورج کے درمیان حائل نہ ہو۔ چاند گرہن اس لیئے ہوتا ہے کہ زمین سورج اور چاند کے درمیان حائل ہو جاتی ہے اور اس کا سایہ چاند پر پڑتا ہے۔

چاند کا بُعد

چاند ہم سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دُور ہے اگر ایک گاڑی چالیس میل کی رفتار سے روانہ ہو تو وہ دو سو پچاس دِن کے بعد چاند میں جا پہنچے گی یا یُوں سمجھئے کہ اگر ایک دھاگہ اتنا لمبا تیار کریں کہ اس سے خطِ استوا کے اِرد گرد دس بل دیئے جا سکیں اور اس دھاگے کو چاند کی طرف پھینک دیں تو اُس کا ایک سِرا زمین پر ہو گا اور دُوسرا چاند تک جا پہنچے گا۔ اگر ہم ایسی توپ بنائیں جس کے چھُوٹنے کی آواز لاکھوں میل تک سُنائی دے تو یہ آواز چاند میں چودہ دِن کے بعد سُنائی دے گی۔ آواز ایک منٹ میں بارہ میل سفر کرتی ہے۔

چاند کی اندرونی دُنیا کا ہمیں پُورا پُورا علم حاصل نہیں۔ گو چاند ۲۴۰۰۰۰ میل دُور ہے اور دُوربین کی مدد سے گھٹ کر ۲۴۰ میل کی مُسافت پر آجاتا ہے لیکن جو آنکھ کہ ایک میل پر بھی کسی چیز کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکتی، وہ ۲۴۰ پر کیا خاک دیکھ سکے گی۔ اتنا ضرور معلوم ہُوا ہے کہ چاند میں پہاڑ ہیں، جو قدیم زمانے میں

آتش فشاں تھے اور جن کا لاوا سرد ہو کر منجمد ہو چکا ہے اگر سینڈوچ (SAND WICH) جزیرے کے آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا آج منجمد ہو جائے تو یقیناً قمری پہاڑوں کی طرح نظر آنے لگے۔

زمین اندر سے گرم ہے۔ اگر لوہے کے دو گولوں (ایک بڑا دوسرا چھوٹا) کو گرم کر کے کچھ دیر کے لئے رکھ دیں تو چھوٹا گولہ جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ چاند زمین کا بچہ ہے اور اس وقت زمین سے نکلا تھا جب یہ پگھلے ہوئے لوہے کی طرح اُبل رہی تھی۔ چھوٹائی کی وجہ سے چاند بالکل ٹھنڈا ہو چکا ہے اور زمین اندر سے بدستور گرم ہے۔ اگر ہم ابلتے ہوئے پانی کو چولہے سے اتار لیں تو آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ جب یہ پانی ذرا ذرا گرم ہو تو ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہئیے کہ چند منٹ پیشتر یہ پانی زیادہ گرم تھا۔ اس سے پہلے بہت زیادہ گرم اور کچھ عرصہ پیشتر کھول رہا تھا۔ بس یہی حال زمین کا ہے کہ وُہ کسی وقت کھول رہی تھی اب اس کا بیرونی قشر ٹھنڈا ہو گیا ہے اور ایک ایسا وقت آئے گا کہ چاند کی طرح اس کا باطن بھی سرد ہو جائیگا۔

چاند کے اندر ہوا موجود نہیں، اس لئے رہائش کے قابل نہیں اور نہ کہیں پانی ملتا ہے۔ یہ ایک خشک بیابان ہے چونکہ چاند کا حجم زمین سے ۱/۲ ۱۳ گنا کم ہے اس لئے اس کی کشش بھی بہت کم ہے۔ اشیاء کا وزن دراصل کشش زمین کی وجہ سے ہوتا ہے پتھر اس لئے وزنی ہوتا ہے کہ زمین اسے کھینچتی ہے جب ہم کوئی پتھر زمین سے اُٹھاتے ہیں تو زمین اسے ہمارے ہاتھوں سے چھیننے کی کوشش کرتی ہے اور وزن کا احساس ہوتا ہے۔ علمائے نجوم نے ثابت کیا ہے کہ چاند میں کشش ثقل زمین سے چھ گنا کم ہے اس لئے جو آدمی زمین پر غلہ کی ایک بوری اٹھا سکتا ہے وُہ چاند

میں چھ بوریاں اُٹھائے گا۔ وہاں کرکٹ کی گیند بلّے کی چوٹ سے چھ گنا دُور جائے گی اور فٹ بال چھ گنا اُونچا۔ چاند کی دُنیا میں جیبی گھڑی کا احساس تک نہ ہوگا۔ لیکن اگر ہم اسی گھڑی کو ساتھ لے کر کسی ایسے ستارے پر چلے جائیں جو زمین سے ایک لاکھ گنا بڑا ہو تو ایک چھٹانک گھڑی ۱۵۰ من وزنی ہو جائے گی اور ہم اس کے بوجھ سے پِس جائیں گے۔

اللہ کی رحمت دیکھئے کہ ہماری زمین نہ تو اتنی وزنی ہے کہ پاؤں تک اٹھانا دشوار ہو جائے اور پانی کا گھڑا چالیس من بھاری معلوم ہو اور نہ اتنی ہلکی ہے کہ معمولی آندھی سے مکانات اُڑ جائیں، درخت اکھڑ جائیں۔ ہمارے بچے تنکوں کی طرح ہواؤں میں اُڑتے پھریں۔ ہوا کا معمولی سا جھونکا سبزی فروش کے ٹوکرے کو اٹھا کر نالی میں پھینک دے۔ کھیل کے میدان میں ایک ضرب سے کرکٹ کی گیند میلوں نکل جائے اور اس طرح یہ زمین ایک مُصیبت بن جائے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ٥ (قمر ۴۹)	ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے۔

علماء نے ثابت کیا ہے کہ تیز رفتار سے کششِ ثقل میں فرق آجاتا ہے اس لئے اگر زمین کی رفتار زیادہ ہو جائے تو تمام اشیاء کا وزن گھٹ جائے اور اگر زمین اپنی موجودہ رفتار سے ستر گنا تیز حرکت کرنے لگے تو کسی چیز میں وزن باقی نہ رہے اگر فضا میں ہوا کی جگہ سیماب بھر دیا جائے، جو ہوا سے چودہ سو ساٹھ گنا وزنی ہے تو ہم پِس جائیں۔ زمین و آسمان کے یہی وہ اسباق ہیں جن کے مطالعہ کی بار بار تاکید کی گئی ہے

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (جاثیہ ۳)	ارض و سما میں اہلِ ایمان کے لئے اسباق موجود ہیں۔

ستارے

زہرہ: یہ ستارہ ہماری زمین جتنا بڑا ہے۔ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اس کی شکل چاند جیسی ہے اور چاند ہی کی طرح گھٹتا بڑھتا ہے۔ یہ سورج کے گرد ایک چکر ۲۵۵ یوم میں پورا کرتا ہے۔

۲۔ عطارد: عطارد سورج سے ۳۷،۰۰۰،۰۰۰ میل دور ہے لیکن ہمیں سورج کے پاس نظر آتا ہے، اور روشنی سورج سے حاصل کرتا ہے۔

۳۔ مریخ: مریخ کی حرکات کچھ عجیب سی ہیں۔ چلتے چلتے رک جاتا ہے واپس آجاتا ہے اور پھر اپنا سفر شروع کر دیتا ہے۔ اس کا ایک چکر ۶۸۶ ایام میں ختم ہوتا ہے اور اپنے گرد ۲۴ ساعت ۳۷ دقیقہ اور ۲۲،۷ ثانیہ میں گھومتا ہے اسکی سطح پہ پانی نظر آتا ہے اس کے شمالی و جنوبی حصوں میں بڑے بڑے سفید دھبے نظر آتے ہیں جو گرمیوں میں گھٹ جاتے ہیں اور سردیوں میں بڑھ جاتے ہیں۔ علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ دھبے نہیں بلکہ برف ہے جو سردیوں میں بڑھتی اور گرمیوں میں گھٹ جاتی ہے۔

۴۔ مشتری، نیپٹون، زحل، یورانس: یہ ستارے ہماری زمین سے بہت بڑے ہیں۔ مشتری زمین سے ۱۳۰۰ گنا بڑا ہے جو اپنے گرد ۹ ساعت ۵۵ دقیقہ اور ۲۱ ثانیہ میں گھومتا ہے اور سورج کے گرد ایک چکر بارہ سال میں پورا کرتا ہے اس میں گاہے گاہے بادل بھی نظر آتے ہیں۔

سورج سے فاصلہ

چند اہم ستاروں کا بُعد سورج سے:

نام	بُعد	نام	بُعد
۱ عطارد	۳۶،۰۰۰،۰۰۰ میل	۳ مشتری	۴۸۲،۰۰۰،۰۰۰ میل
۲ زمین	۹۳،۰۰۰،۰۰۰ ″	۴ زحل	۸۸۴،۰۰۰،۰۰۰ ″

نام	بُعد	نام	بُعد
۵ نیپٹون	۲۷۸۰۰,۰۰۰,۰۰ میل	۸	۲۵۲,۰۰۰۰,۰۰۰ میل
۶ زہرہ	۶۷۰,۰۰۰,۰۰۰ ″	۹ یورانس	۱۷,۸۰۰,۰۰۰,۰۰ ″
۷ مریخ	۱۴۱۰۰۰,۰۰۰ ″		

حجم کواکب

۱۔ زمین کا محیط چار کروڑ میٹر اور نصف قطر ۶۳۷۸۴۰۰ میٹر۔ زمین کی سطح اکاون کروڑ میٹر ہے اور زمین کی سطح پر خشکی صرف بارہ کروڑ ساٹھ لاکھ میٹر (میٹر کی لمبائی تقریباً ۳۹ انچ ہوتی ہے)

۲۔ مریخ کا حجم زمین سے چھ گنا کم ہے۔ اس کا ایک سال ہمارے ۶۸۷ دِنوں کا ہوتا ہے۔

۳۔ مشتری زمین سے ۱۳۰۰ گنا بڑا ہے اس کا ایک سال ہمارے بارہ سالوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس کا قطر ایک کھرب چالیس ب میٹر ہے۔

۴۔ زحل زمین سے ۷۱۸ گنا بڑا ہے، اس کا قطر نو ارب تیس کروڑ میٹر ہے۔

۵۔ یورانس کو ہرشل نے ۱۷۸۱ء میں دریافت کیا تھا۔ یہ زمین سے انتیس گنا بڑا ہے اور سورج سے دو ارب میل دُور ہے۔ ایک چکر چوبیس سال میں ختم کرتا ہے

۶۔ نیپٹون کا حجم زمین سے پچپن حصّہ زیادہ ہے اور ایک چکر ۱۶۵ سال میں کاٹتا ہے۔

۷۔ چاند کی سطح زمین سے چودہ گنا اور حجم ۱/۵۰ گنا کم ہے۔ اس میں چالیس پہاڑ ہیں جن میں بعض کی بلندی ۴۸۰۰ میٹر سے زیادہ ہے۔

۸۔ آفتاب زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور روشنی کا یہ عالم ہے کہ آٹھ لاکھ

کامل چاند (بدر) مل کر دوپہر جتنی روشنی پیدا کر سکتے ہیں۔ پھر ہمارے آفتاب کی روشنی ایک اور آفتاب سے جو ہم سے ایک سو پچاس کھرب میل دُور ہے، آٹھ لاکھ گنا کم ہے۔

اللہ کی پُرہیبت وباعظمت دُنیا پر غور کرو، شموس واقمار کی بہتات کا کیا عالم ہے۔ پھر کس حیرت انگیز نظام سے اپنے مداروں پر گھوم رہے ہیں کہ کہیں کوئی تصادم نہیں، ٹکراؤ نہیں، کھلبلی نہیں اور بدنظمی نہیں۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ○ (یٰس۔ ۴۰)

نہ تو سورج چاند کی رفتار میں رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے اور نہ لیل ونہار کے سلسلے میں کہیں بدنظمی موجود ہے۔ یہ تمام شموس واقمار نہایت باقاعدگی سے فضا میں تیر رہے ہیں۔

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (حج ۶۵)

اللہ نے آسمان کو یوں تھام رکھا ہے کہ وہ زمین پر بلا حکم نہیں گر سکتا۔

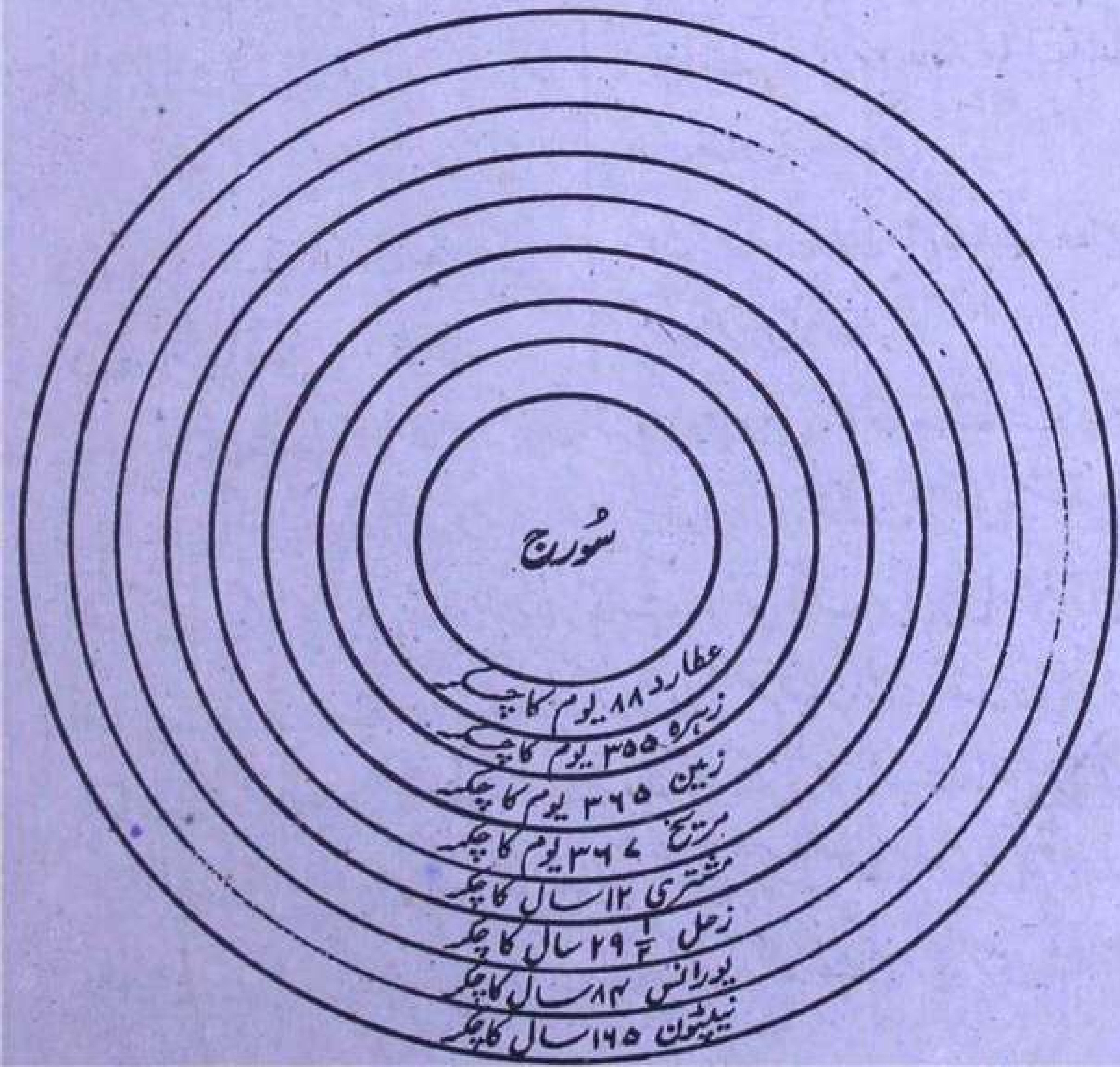
دُنیا میں ریلوے کا انتظام دیکھئے، کنٹرولر موجود ہیں، کانٹا بدلنے والے، پٹڑی کے نگہبان، سگنل دینے والے وغیرہ وغیرہ بیسیوں آدمی مختلف فرائض پر متعین ہیں لیکن آئے دن گاڑیوں میں تصادم ہوتا رہتا ہے، جانیں ہلاک ہوتی ہیں اور ہفتوں تک آمدورفت بند رہتی ہے۔ دُوسری طرف کروڑوں عظیم الشان کُرے فضا میں بجلی کی رفتار سے گھوم رہے ہیں، کوئی سگنل دینے والا نہیں، کوئی کانٹا بدلنے والا نہیں، لائن کلیر کا سلسلہ نہیں لیکن پھر بھی یہ نظام نہایت شان وشوکت صحت واعتدال اور عظمت ورفعت سے چل رہا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ایک آنکھ ہے جو دیکھ رہی ہے وجو

کبھی غلطی نہیں کرتی۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (نور۴۱) | کائنات کی ہر چیز صلوۃ وتسبیح (نظم وفریضہ) سے آگا

نکتہ یوم وماہ ڈاکٹر شابلی کا خیال ہے کہ فضا میں ایک مرکز نور ہے جس کے گرد تمام شموس چکر کاٹ رہے ہیں اور ان کا ایک چکر تیس کروڑ سال میں ختم ہوتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ہمارے تیس کروڑ سال ان شموس کے ایک سال کے برابر ہوتے ہیں اور ان کا ایک دن ہمارے تیس کروڑ دنوں یعنی آٹھ لاکھ بائیس ہزار سال کے برابر۔

نظامِ شمسی کی شکل یہ ہے:



چونکہ آسمان میں نظام ہائے شمسی کی کوئی انتہا نہیں اور ہر سورج کی حرکت اپنے مرکز کے گرد دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے ہر نظام کے لحاظ سے یوم وماہ کی مدّت بھی مختلف ہے۔ ہمارے ہاں ایک دن رات زمین کی محوری گردش (۲۴ ساعت) کا نام ہے اور سال زمین کی آفتابی گردش (۳۶۵ دن) کا نام لیکن دوسرے نظاموں کے سال وماہ ہم سے مختلف ہیں۔ عطارد کا سال صرف ۸۸ دن کا ہوتا ہے، زہرہ کا سال ۲۲۵ یوم کا، لیکن مشتری کا سال ہمارے ۱۲ سال، زحل کا ہمارے ۲۹½ سال اور نیپٹون کا سال ہمارے ۱۶۵ سال کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح کہیں کوئی ستارہ ہزار سال میں اور کہیں پچاس ہزار سال میں اپنے مرکز کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ اس لئے اللہ کا یہ اشارہ بالکل درست ہے۔

اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (حج ۴۷)	اللہ کا ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

دوسرے مقام پر ہے:

...فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ (معارج ۴)	...ایسا دن جو تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے

حرکتِ کواکب اگر ہم ایسی بلندی پہ پہنچ جائیں، جہاں ہوا کی مقاومت اور کششِ زمین نہ ہو اور وہاں ایک پتھر زور سے پھینکیں تو وہ پتھر خطِ مستقیم میں ابدالاباد تک چلتا جائے گا اس لئے کہ اُس کی حرکت کی راہ میں کششِ زمین اور مقاومت ہوا حائل نہیں۔ یہی حال ستاروں کا ہے کہ آج سے ارب کھرب سال پہلے دُنیائے کہکشاں سے چند شعلے ٹوٹے جو اب تک ہوائیں محوِ پرواز ہیں۔ مختلف آفتابوں نے انہیں کھینچ کر ان کی حرکات کو دوری بنا دیا۔ اگر آفتاب یہ خدمت انجام نہ دیتے تو یہ سیارے بھاگ کر خدا جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے، راہ میں کتنی دنیاؤں

سے ٹکراتے اور کسی قدر تباہی پیدا کرتے جس طرح کو لہو کے بیل کو ایک خاص رسّی ایک خاص دائرے میں پھراتی ہے۔ اسی طرح سورج کی کشش نے مشتری و عطارد کیوان و زمین کی گذرگاہیں متعین کر رکھی ہیں۔ جہاں سے یہ سرِ مو انحراف نہیں کر سکتے۔

لطیفہ حضرت موسیٰ ؑ نے اللہ سے پوچھا کہ تو سوتا کس وقت ہے؟ اللہ نے کہا کہ یہ دو بوتلیں ہاتھ میں تھام رکھ۔ اس کے بعد ٹھنڈی ہوا چلا دی حضرت موسیٰ ؑ کو اونگھ آ گئی۔ ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور معاً بوتلیں گر کر چور چور ہو گئیں۔

سبحان اللہ! کیا بہترین رنگ میں حضرت موسیٰ ؑ کو یہ نکتہ سمجھایا کہ اگر اللہ ایک لمحہ کے لئے بھی سو جائے تو زمین و آسمان کی کروڑوں دنیائیں ایک دوسرے پر گر کر پاش پاش ہو جائیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ... وَلَا یَؤُدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ٥

(بقرہ ۲۵۵)

اس کائنات میں صرف ایک ہی خدا ہے جو قائم و دائم ہے جسے نیند آتی ہے اور نہ اونگھ آتی ہے اس لئے کہ زمین و آسمان کا انتظام اس کے سپرد ہے...... وہ بلند و برتر رب ارض و سما کی حفاظت سے ہرگز نہیں تھکتا۔"

نکتہ یورپ اور ایشیا ہر دو میں یہ خیال رائج تھا اور ہے کہ ہفتہ کے ہر دن پر ایک خاص سیارے کا اثر اور حکومت ہوتی ہے اسی خیال سے ان لوگوں نے بعض دنوں کو مسعود اور بعض کو منحوس قرار دیا اور ان دنوں کے نام بھی ستاروں کے نام پر رکھے۔ مثلاً:

(۱) SUNDAY (اتوار) SUN یعنی آفتاب کی طرف منسوب ہے۔

(۲) MONDAY (سوموار) MOON یعنی چاند کی طرف منسوب ہے۔

(۳) فرانسیسی میں منگل وار کو MARSDAY (مریخ کا دن۔ مریخ MARS کہتے ہیں۔ اصلی لفظ فرانسیسی زبان میں) MARDI ہے۔

(۴) اسی طرح فرانسیسی زبان میں بدھ وار کو MERCREDI (MERCURY DAY) یعنی عطارد کا دن کہتے ہیں۔

(۵) THURS کے معنی ایک مغربی لغت میں مشتری اور FRI کے معنی زہرہ دیئے ہوئے ہیں تو THURSDAY کے معنی مشتری کا دن اور FRIDAY کے معنی زہرہ کا دن ہوں گے۔

(۶) زحل کو انگریزی میں SATURN کہتے ہیں تو SATURDAY (سینچر) کے معنی یوم زحل ہوں گے۔

اسلام ان توہمات سے آزاد تھا۔ اس لئے ان ایام کو کواکب کی طرف منسوب کرنے کی بجائے یوم الاحد (پہلا دن دوسرا دن) وغیرہ کہا، تاکہ مسلم ستاروں سے نہ ڈرتا پھرے۔

ثوابت

ثوابت دراصل مہیب آفتاب ہیں، جو ہم سے بہت دُور ہیں اور یہ دوری بھی کئی طرح سے الٰہی رحمت ہے۔

اول: اگر یہ نزدیک ہوتے تو ہم مختلف شموس کی حرارت سے جل جاتے۔

دوم: یہ بڑے بڑے آفتاب ہماری زمین اور نظام شمسی کو کھینچ کر درہم برہم کر دیتے۔

یہ ثوابت اس قدر دُور ہیں کہ اگر ہم اُن میں سے کسی ایک پر کھڑے ہو کر نیچے

دیکھیں تو سورج ایک چھوٹا سا روشن ذرہ نظر آئے گا۔ اور زمین کے دکھائی دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں اپنی آنکھ سے ۶۰۰۰ ستارے نظر آتے ہیں، دُوربین سے ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کیمرے کی پلیٹ (لوحِ تصویر) بے حد حسّاس چیز ہے جو ایسے ستاروں کی تصویر بھی لے سکتی ہے جو کسی دُوربین سے نظر نہیں آسکتے۔ مسٹر اسحاق رابرٹ (لورپول) نے ایک دفعہ آسمان کے ۱/۱۰۰۰ حصے کی تصویر لی تو سولہ ہزار ستارے لوحِ تصویر میں اُترے۔ اس حساب سے کل ستاروں کی تعداد سولہ کروڑ ہونا چاہیئے لیکن اللہ کے سوا اس تعداد کا علم کسے ہو سکتا ہے۔

علوم طبیعی کے چند سر پھرے لونڈے کبھی کبھی یہ کہتے ہوئے سُنے جاتے ہیں کہ اجی! یہ قیامت ویامت مولویوں کے فرضی قصے ہیں۔ انسانی حیات کی منزل موت ہے آگے کچھ بھی نہیں۔ مر کر کب کوئی جیا، بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ جان ڈالنا کوئی کھیل نہیں۔ ان جاہلوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس فضائے آسمانی میں ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑی دنیائیں گھوم رہی ہیں۔ کروڑوں شموس و اقمار موجود ہیں، لاتعداد زمینیں سرگرم پرواز ہیں اور ہر طرف ایک مبہوت کن سلسلہ موجود ہے تو جس اللہ نے یہ عظیم الشان دنیائیں بنائیں، جہاں نور و ظلمت کا پرشکوہ نظام قائم ہے کیا اس اللہ کے لئے چند ہڈیوں میں جان ڈالنا مشکل ہے؟ کیا آپ کو الٰہی صناعی و تخلیق پر اتنا بھی اعتماد نہیں؟

أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ۝ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ	کیا تمہاری ساخت مشکل ہے یا آسمانوں کی تخلیق؟ اللہ نے کس شان سے خلاؤں میں کئی لاکھ دُنیائیں بنا کر ان میں توازن و اعتدال پیدا کیا

ضُحٰھَا ۞ (النازعات ۲۷-۲۹) | اور نور و ظلمت کا سلسلہ جاری کیا۔

مطلب یہ کہ جو اللہ ظلمت سے نور نکال سکتا ہے، وہ موت کی تاریکیوں سے آفتابِ حیات بھی طالع کر سکتا ہے۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞

دُمدار ستارے

یہ ستارے کافی تعداد میں آسمان پر موجود ہیں۔ ان کی حرکات کا کچھ علم نہیں۔ بسا اوقات یہ سُورج سے دُور ہٹ جاتے ہیں اور پھر قریب آ کر گھُومنے لگ جاتے ہیں۔ ان کی رفتار سُورج کے پاس دو سو میل فی ثانیہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ستارے کسی شفاف مادے سے بنے ہوئے ہیں اس لئے کہ نظر ان سے گزر کر ان ستاروں کو بھی دیکھ لیتی ہے جو ان کی آڑ میں ہوں۔ ان کی دُم دراصل ان ستاروں کے مادۂ تکوینی کے بخارات ہیں جو تپشِ آفتاب سے نکلتے ہیں۔ جُوں ہی کہ یہ سُورج سے دُور ہٹ جاتے ہیں تو دُم غائب ہو جاتی ہے۔

شہاب

یہ ستارے بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ جو صرف مرتے وقت نظر آتے ہیں ان کی رفتار تقریباً بارہ ہزار میل فی دقیقہ ہوتی ہے یعنی بندوق کی گولی سے سو گنا زیادہ اور زمین کے ارد گرد صرف اڑھائی گھنٹے میں چکر کاٹ سکتے ہیں۔

یہ چھوٹا سا ستارہ بے نور ہوتا ہے۔ اس میں سُورج سے روشنی حاصل کرنے کی استعداد نہیں ہوتی۔ جب یہ چلتے چلتے کہیں زمین کے قریب آ جاتا ہے تو زمین اسے کھینچتی ہے۔ نتیجتاً یہ کرۂ ہوائیں سے نہایت تیزی کے ساتھ گزرتا ہے اور خاکی ذرات سے رگڑ کھا کر پہلے گرم اور پھر مشتعل ہو جاتا ہے۔ اسے آگ لگ جاتی ہے اور گیسی صُورت میں تبدیل ہو کر ہوا میں پریشان ہو جاتا ہے۔ یہ ہے حقیقت شہاب کی۔

بندوق کی گولی نکل کر سامنے کسی دیوار سے ٹکراتی ہے۔ اگر آپ اس گولی کو ہاتھ لگائیں گے تو گرم پائیں گے۔ یہ گرمی خاکی ذرات کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ شہاب کی رفتار چونکہ گولی سے سوگنا زیادہ ہے اس لئے ہم حساب کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کا درجہ حرارت دس ہزار سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے جو اسے پگھلانے کیلئے کافی ہے اگر شہاب کی رفتار کم ہوتی تو وہ پگھل نہ سکتا نتیجۃً ہم پر دن رات پتھر برستے رہتے اس لئے کہ سینکڑوں شہاب روزانہ ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اللہ کا کمالِ عنایت دیکھئے کہ ہمیں اس مصیبت سے محفوظ رکھا ورنہ اگر وہ چاہتا تو شہابوں کی رفتار کو کم کر کے ہم پر اس قدر پتھر برساتا کہ ہم تباہ ہو جاتے۔

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ۝ (الملک - ۱۷)

تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھے بیٹھے ہو لیکن اگر اللہ آسمانی بلندیوں سے تم پر پتھر برسانا شروع کر دے تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں اور ایسی سرزمینوں سے جہاں انسانی قدم آج تک نہیں پہنچے، فولاد کے کچھ ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں جن کا معائنہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ ٹکڑے شہابِ ثاقب سے گرے تھے۔

ہوا میں ذرات کا موجود ہونا ضروری ہے اول اس لئے کہ آفتاب کی حرارت کو صرف ذرات ہی قبول کر سکتے ہیں اور ہوا غیر موصل ہے ظاہر ہے کہ حرارتِ آفتاب کے بغیر کوئی چیز نشوونما نہیں پا سکتی۔ دوم اس لئے کہ بارش کی تکوین ان ذرات کی بدولت ہوتی ہے بارش کے قطرے بن ہی نہ سکتے، اگر ان ذرات کا سہارا نہ ہوتا۔ چونکہ ان کی کثیر تعداد قطراتِ باراں کے ساتھ مل کر زمین پر آجاتی ہے اور فضا میں کمی ہو

جاتی ہے اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے شہاب ٹوٹے جاتے ہیں۔ اللہ اکبر! ربوبیت کی کیا شان ہے۔ تخلیق کا کیا نظام ہے اور الٰہی رحمت کس کس رنگ میں ہماری پرورش کر رہی ہے۔

چند سال ہوئے کہ ایک ہوا باز نے اپنا تجربہ یوں بیان کیا (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۹ جنوری ۱۹۳۹ء) کہ اس کا طیارہ کافی بلندی پر جا رہا تھا کہ اچانک پتھر برسنا شروع ہو گئے اور وہ واپس بھاگا۔

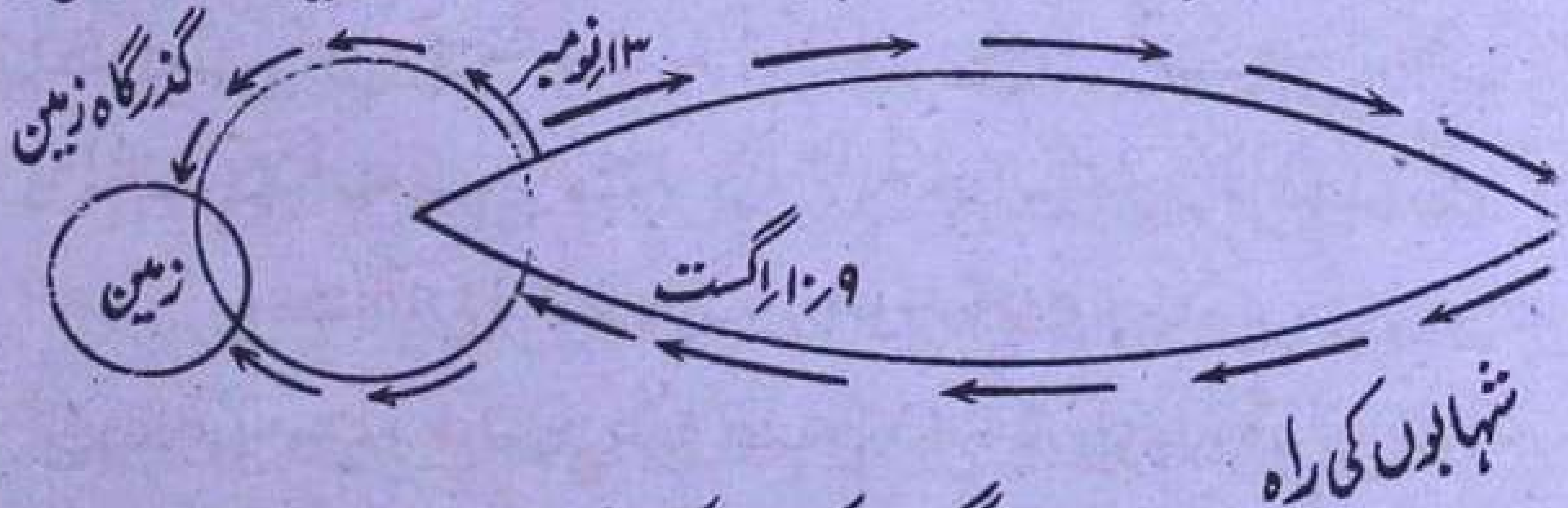
جب زمین سورج سے پیدا ہوئی تھی تو قدرے چھوٹی تھی۔ ان شہابوں کی بدولت جو کروڑہا صدیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ہماری زمین میں اضافہ کر رہے ہیں۔ قدرے بڑی ہو گئی۔ آپ کہیں گے کہ ایک چھوٹا سا شہاب زمین میں کیا اضافہ کر سکتا ہے؟ تو گزارش ہے کہ قطرے مل کر سمندر بنتے ہیں اور شہابوں کی تعداد تو اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو علم نہیں۔

۲۱ ستمبر ۱۸۷۶ء کو ایک شہاب ہزار میل تک دوڑتا گیا اور شکاگو اور سینٹ لوئی کے درمیان جا کر پھٹا، جس سے چھوٹے چھوٹے ستارے نکل کر کچھ فاصلے پر غائب ہو گئے نیز اس میں سے ایک زبردست آواز پیدا ہوئی جو پندرہ منٹ کے بعد زمین پر پہنچی۔ آواز ایک منٹ میں تقریباً بارہ میل سفر کرتی ہے تو گویا یہ شہاب زمین سے ایک سو اسی میل دور تھا۔

سر رابرٹ ایس بال ایل ایل ڈی کہتا ہے کہ ۱۳ نومبر ۱۸۶۶ء کی رات کو دو ستارے ٹوٹے جو پھٹ کر پہلے چار پھر آٹھ پھر سولہ اور پھر سینکڑوں کی تعداد تک پہنچ گئے۔ فضا روشنی سے جگمگا اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر آتش بازی ہو رہی ہے یہ تماشا تین گھنٹے تک جاری رہا۔ یہ منظر ہر ۳۳ سال کے بعد آسمان پر نظر آیا کرتا ہے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء کو اس قدر شہاب باری ہوئی تھی کہ لوگ ڈر گئے تھے۔ ۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء کو یہ تماشا مسٹر کرک وڈ (KIRKWOOD) نے افریقہ میں دیکھا تھا مسٹر

وڈ کہتے ہیں کہ آدھی رات کے وقت حبشیوں نے شور مچایا "بچاؤ بچاؤ، مارے گئے۔ دُنیا کو آگ لگ گئی"، میں تلوار لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ شہابوں کی وجہ سے گویا آسمان پر آگ سی لگی ہوئی ہے۔ یہ تماشا ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۲، ۱۳ نومبر کی درمیانی رات کو ہوا کرتا ہے ۱۸۶۶ء، ۱۸۹۹ء اور ۱۹۳۲ء کو یہ منظر دیکھا گیا ہے۔ اب بشرطِ زندگی ۱۹۶۵ء میں پھر دیکھیں گے۔

اس شہاب باری کی وجہ یہ ہے کہ شہاب فضا میں سورج کے گرد یوں گھومتے ہیں کہ ہر ۳۳ سال کے بعد ۱۳ نومبر کی رات کو زمین شہابوں کی راہ (راہ گردش) کو کاٹتی ہے تو جس قدر شہاب قریب ہوتے ہیں، وہ کششِ ارض سے زمین کی طرف دوڑتے ہیں اور مشتعل ہو کر روشنی پیدا کرتے ہیں۔ یوں تو زمین ہر سال اسی راہ سے گذرتی ہے لیکن شہاب صرف ۳۳ سال کے بعد یہاں موجود ہوتے ہیں ہاں اگر کوئی اکا دکا شہاب ہر سال پر موجود ہو تو وہ بھڑک اٹھتا ہے زمین شہابوں کی گزرگاہوں سے سال میں دو دفعہ گزرتی ہے۔



بعض اوقات ۹، ۱۰ اگست کی رات کو بھی شہاب باری ہوتی ہے۔

شہاب کی پیدائش

جنگِ عظیم کے معاً بعد امریکہ کے ایک موجد نے اتنی زبردست توپ بنائی کہ جب اس کا گولہ پھینکا گیا تو وہ حدودِ زمین سے باہر نکل گیا اور کششِ زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگا اسی

طرح کسی وقت آتش فشاں پہاڑوں نے اپنا لاوا اس قوت سے نکالا تھا کہ کافی مقدار کشش زمین سے آزاد ہو کر فضا میں گھومنے لگ گئی۔ اب زمین کو جس وقت موقع ملتا ہے وُہ منفرد ریخچوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

بُعدِ نجوم زمین سے ستاروں کا فاصلہ ناپنے کے لئے ہمارے سال و ماہ کے پیمانے ناکافی ہیں اس لئے علمائے ہیئت نے سالِ نوری کی اصطلاح وضع کی ہے۔ ایک آدمی ایک سیکنڈ میں صرف ایک قدم یا اس سے کم مسافت طے کرتا ہے اور روشنی ایک سیکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل مسافت طے کرتی ہے۔ اگر ایک آدمی روزانہ بیس میل سفر کرے تو اسے ۱۸۶۰۰۰ میل طے کرنے کے لئے ۹۳۰۰ ایام کی ضرورت ہو گی۔ یہ دیگر الفاظ روشنی کا ایک ثانیہ ہمارے ۵۳ سال کے برابر ہے۔

قریب ترین ستارے کا فاصلہ سورج ہم سے ۹۳۰۰۰۰۰۰ میل دُور ہے جہاں سے روشنی تقریباً آٹھ منٹ میں زمین پر پہنچتی ہے اور قریب ترین ستارہ دو ہزار کھرب میل دُور ہے اس بُعد کا اندازہ یُوں لگائیے کہ لنکا شائر میں روزانہ سوت کا دھاگہ اس قدر تیار ہوتا ہے کہ جس سے زمین کے ارد گرد سات چکر دیئے جا سکیں۔ اگر ہم اس قدر دھاگا تیار کرنا چاہیں کہ وُہ قریب ترین ستارے تک پہنچ سکے تو چار سو سال خرچ ہوں گے، اگر ہم ایک کلاک کو ان ہندسوں کے گننے پر لگا دیں تو تین لاکھ سال صرف ہوں گے۔

شہاب کی رفتار گولی سے سو گنا زیادہ ہے اور روشنی کی رفتار شہاب سے دس ہزار گنا تیز ہے۔ یہ روشنی قریب ترین ستارے سے تین سال کے بعد ہم تک پہنچتی ہے چونکہ دیکھنا صرف روشنی سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس ستارے کی جو حالت

ہم آج دیکھ رہے ہیں وُہ تین سال پہلے کی ہے۔ بہ الفاظ دیگر اگر ہم اڑ کر اس ستارے پر جا بیٹھیں تو ہمیں زمین کے صرف وُہ واقعات نظر آئیں گے جو یہاں تین سال پہلے ہو چکے تھے۔ اگر یہ ستارہ آج مٹ جائے تو تین سال تک ہمیں نظر آتا رہے گا۔

ویگا (VEGA) ستارے سے جو روشنی آج ہم تک پہنچ رہی ہے وُہ سو سال پہلے کی ہے۔ اگر ہم اس ستارے میں چلے جائیں تو ہم کو زمین پر موجودہ نسل کا کوئی آدمی نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ گذشتہ نسل کے انسان نظر آئیں گے۔ بعض ستارے اس سے بھی دُور ہیں۔ کہکشاں کا قریب ترین ستارہ دس لاکھ سالِ نوری اور بعید ترین ستارہ پندرہ کروڑ سالِ نوری کی مُسافت پر واقع ہے۔ اگر ہم اس ستارے پر جا پہنچیں تو ہمیں تخلیقِ آدم کے پہلے کے واقعات نظر آئیں گے۔

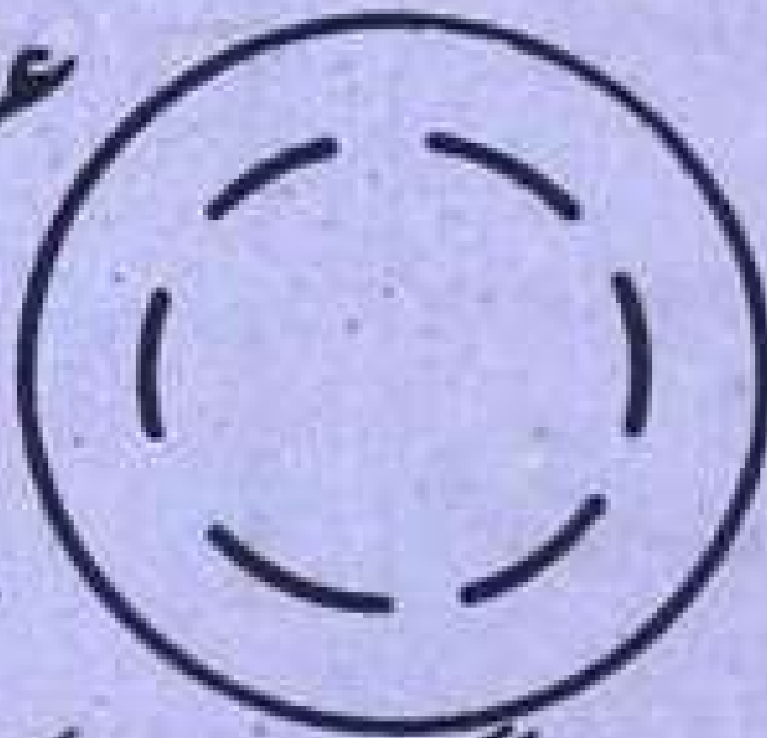
فرض کرو کہ ہم نے یہاں سے قریب ترین ستارے تک ایک ریلوے لائن بنائی اور ہر سو میل کا کرایہ ایک آنہ مقرر کیا اب تم ریلوے سٹیشن سے ٹکٹ لینا چاہتے ہو۔ آنوں کو روپوں اور روپوں کو پونڈوں میں بدل لو۔ پونڈ صندوق میں ڈالو اور اٹھا کر اسٹیشن کی طرف چلو۔ صندوق بھاری ہیں اٹھائے نہیں جاتے تو قلی منگالو۔ ایک قلی سے کام نہیں چلتا تو دس بیس منگالو۔ معلوم ہُوا کہ صُندوق اب بھی نہیں اٹھتے۔ گاڑی لے لو ارے یہ تو گاڑی میں بھی نہیں سما سکتے۔ ٹھہرو حساب کر لیں۔ حساب کے بعد معلوم ہُوا کہ ۷۰۰ بیل گاڑیاں درکار ہوں گی۔ بعض ایسے ستارے بھی ہیں جن کی روشنی ابتدائے عالم سے اب تک ہمارے ہاں نہیں پہنچی۔ بعض پیدا ہو کر مٹ گئے لیکن روشنی کا بدستور انتظار ہے۔

شعریٰ کی روشنی نو سالِ نوری میں، نسر الطائر کی چودہ سال میں، نسر الواقع کی

چالیس سال ہیں، عیوق کی تبتیس سال میں اور سماک رامح کی پچاس سال نوری میں زمین تک پہنچتی ہے۔

ستاروں کے رنگ بعض ستارے سفید، بعض سنہرے، بعض سبز، بعض نیلے اور بعض سُرخ ہیں اور تقریباً اسی مادے سے تیار ہوئے جس سے ہماری زمین بنی تھی۔ بعض ستارے سُورج سے ۱۶ لاکھ گنا زیادہ روشن ہیں اور ان کا قطر چالیس کروڑ میل ہے۔

نیبولا یا سدیم آسمان میں روشنی کے چند گول ٹکڑے بادلوں کی طرح مدھم سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شکل اس طرح ہے:



اس دائرے کے طول و عرض کا اندازہ لگانے کے لئے ہم اس دائرے میں ریلوے لائن بچھاتے ہیں۔ گاڑی ایک کنارے سے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے روانہ ہوتی ہے تو دُوسرے کنارے تک ایک لاکھ سال میں پہنچے گی۔ اس طرح کے سدیم ہزاروں کی تعداد میں دریافت ہو چکے تھے۔

غور فرمائیے کہ آسمانوں میں کس قدر مہیب دُنیائیں کس توازن سے چکر کاٹ رہی ہیں کتنے بڑے بڑے کرّے لاکھوں میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محوِ پرواز ہیں جب ہم ان دُنیاؤں پر ایک چھلتی سی نگاہ ڈالتے ہیں تو اپنی بے مقداری سی ہستی کا زبردست احساس پیدا ہوتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ اس خالقِ ارض و سما کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ انسانی ہدایت کے لئے اس قدر پیمبر اس قدر اہتمام سے بھیجتا رہا۔ ادھر انسان کو دیکھو کہ ان دنیاؤں کے مقابلہ میں اس کی ہستی ایک حقیر کیڑے سے زیادہ نہیں نافرمانی

و بدعملی میں چوٹی تک ڈوبا ہُوا ہے اور پھر بھی خدا کا پیارا اور لاڈلا ہونے کا گھمنڈ ہے۔ دربدر مانگتا پھرتا ہے لیکن جنت کے ٹھیکیدار ہونے کا پندار ہے چیتھڑے اور جوئیں سنبھال نہیں سکتا لیکن امتِ رسُول ہونے کا غرور ہے مسکنت و ذلّت کا مجسمہ بن چکا ہے لیکن تقدّس و پاک بازی کا دعویٰ کرتا ہے اس بر خود غلط انسان کو کیا معلوم کہ اس صاحبِ جبروت رب کے ہاں جس قدر فضاؤں میں زمین جیسی آز کھرب دنیائیں نہایت شکوہ و عظمت سے گھوم رہی ہیں، انسان کو کوئی وقعت حاصل نہیں۔ بھلا اس ہیچ میرز کیڑے کی ان لرزہ انگیز کرّوں کے سامنے ہستی ہی کیا ہے؟ تو پھر یہ نشہ کیوں؟ یہ غرور و پندار کیسا؟ اور یہ اَنَا وَلَا غَیرِی کا دعویٰ کس لیئے؟

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (جاثیہ ۳۷)	زمین و آسمان الٰہی کبریا و جبروت کی داستانیں سُنا رہے ہیں وُہ رب غالب بلند برترا در صاحبِ حکمت ہے۔

مقابلہ ہماری زمین فضا میں ایک حقیر سا کرّہ ہے۔ کروڑوں کُرّے ہماری زمین سے لاکھوں گنا بڑے فضا میں چکّر کاٹ رہے ہیں۔ یہ فرض کرنا کہ ان کروں میں زندگی نہیں غلط ہے یہ زمین ان کرّوں کے مقابلہ میں ایک کھلونا ہے۔ صِرف مشتری ہماری زمین سے ۱۲ گنا بڑا ہے تو کیا یہ تمام دُنیائیں صِرف زینت کے لیئے بنائی گئیں محض کھیل کے لِئے پیدا کی گئیں؟ کوئی اور مقصد نہ تھا؟ ضرور ہے لیکن ابھی ہمارا علم بہت ناقص ہے، ان دنیاؤں کے راز دریافت کرنے کے لِئے ابھی کئی ہزار صدیاں اور صرف ہوں گی اور تب کہیں معلوم ہوگا کہ:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا	ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے

بَیْنَہُمَا لٰعِبِیْنَ ۝ (دخان ۳۸) | درمیان ہے محض تماشے کی خاطر پیدا نہیں کیا۔

علم اس وقت تک صرف اہلِ زمین کے تمدن، حکومت، طبائع، جغرافیہ، تاریخ اخلاق وغیرہ پر آٹھ کروڑ سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اگر ہمیں دوسرے کروں کا علم بھی زمین ہی کی طرح حاصل ہوتا تو ہم ان کے متعلق بھی کتابیں لکھتے۔ چونکہ آسمانی کروں کی تعداد کم از کم دس کروڑ ہے اس لئے علم میں دس کروڑ گنا اضافہ ہو جاتا۔ اگر ہم اس تمام ذخیرہ کتب کو ایک لائبریری میں رکھنا چاہتے اور لائبریری کے ہر کمرے میں ۱۰ ہزار کتب سما سکتیں تو ہمیں ۸۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ کمروں کی ضرورت ہوتی اگر لاہور میں ۳ لاکھ مکانات تسلیم کئے جائیں تو ہماری یہ لائبریری لاہور جیسے ۲،۶۶،۶۶،۶۶۷ شہروں میں سماتی۔ اگر ایک آدمی روزانہ ایک کتاب پڑھ ڈالتا تو اسے تمام کتب ختم کرنے کے لئے دو کھرب بیس ارب سال درکار ہوتے۔

خدا کے بندو! کیا ان تفصیلات کے بعد الٰہی جلال و عظمت سے تمہارے دماغ متاثر ہوئے؟ کیا تمہارے دلوں میں خشیۃ اللہ کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جو ان تفاصیل کا مقصد ہے؟

اہلِ انگلینڈ کو اپنے بادشاہ کی عظمت و شوکت پر ناز ہے، اہلِ جرمنی کو ہٹلر پر، اور اہلِ روس کو سٹالن پر۔ لیکن مسلم کو اس قہار و جبار کی سلطنت پر ناز ہے جو:

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوْلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ ؕ وَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ۝ (فاطر ۲)	رات کو دن اور دن کو رات میں تبدیل کرتا ہے جس کی مشیت کے سامنے شمس و قمر مجبور و مقہور ہیں اور یہ کرے ایک معین مدت تک سرگرم رفتار رہیں گے۔ یہ ہے تمہارا رب! وہ فرمانروا ہے بغیر ترجمن معبودوں کی خوشامد کرتے پھرتے ہو وہ ایک ذرے تک کے مالک نہیں۔

باب ۴

عالمِ حیوانات

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِکُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَکُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْکُلُوْنَ ○ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ط اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ○

(یٰسین ۷۱ تا ۷۳)

کیا دیکھتے نہیں کہ حیوانات ہم نے پیدا کئے لیکن ان کے مالک انسان بنے ہوئے ہیں۔ ہم نے (ہاتھی گائے، اونٹ اور گھوڑے جیسے) جانوروں کو ان کا یوں مطیع کر دیا کہ وہ ان پر سوار ہوتے ہیں اور انہیں کھاتے بھی ہیں۔ ان کے بالوں، چمڑوں، ہڈیوں اور گوبر وغیرہ میں ان کے لئے کس قدر فوائد ہیں اور پھر غور کریں کہ ہم خون سے کیونکر دودھ ان کے لئے مہیا کرتے ہیں۔ کیا وہ اب بھی ناشکرے رہیں گے۔

ایک چوہے کو ہاتھ میں پکڑو تو کاٹتا ہے، بھڑ کے قریب جاؤ تو ڈنک لگاتی ہے۔ ہرن میل بھر سے دوڑ جاتا ہے، بھیڑیے یا چیتے پر سواری ناممکن ہے حالانکہ یہ گھوڑے سے بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اگر اونٹ کسی وقت باغی ہو جائے تو مالک کو گھٹنوں کے نیچے پیس ڈالتا ہے، کینۂ شتر مشہور ہے۔ اگر بیل یا بھینسا سرکش ہو جائے تو تمام گھر کو آناً فاناً مسمار کر دے۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی نوازش ہے کہ اونٹ، گھوڑے، بیل، بھینس اور ہاتھی جیسے شہ زور حیوان ہمارے اشارۂ نگاہ کے مطابق کام کر رہے ہیں، ہمارے بوجھ اٹھا رہے ہیں، ریگستانوں میں سے اٹھا کر

پارہے جارہے ہیں اور کان تک نہیں ہلاتے۔ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ٥

پھر ہر گائے اور بھینس ایک مشین ہے جو ہمارے لئے اکمل الاغذیہ یعنی دودھ مہیا کرتی ہے اگر دودھ کا رنگ سرخ، سبز یا سیاہ ہوتا تو ہمیں نفرت سی آتی۔ چاند کی طرح شفاف نہریں تھنوں سے بہ رہی ہیں کیا ہمارے علم اور کاریگری کے بغیر چل رہی ہیں بسا اوقات بچے تک کے لئے دودھ نہیں بچتا۔ گوالن تمام دودھ دوہ لیتی ہے لیکن گائے خاموش کھڑی رہتی ہے یہ اس لئے کہ گائے ہماری پرورش کو بچے کی پرورش پہ ترجیح دیتی ہے۔ اَفَلَا يَشْكُرُونَ ٥

ہندوؤں نے گائے کی اس قربانی سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات میں اس قدر دلکش مناظر ہر سو بکھرے ہوئے ہیں کہ:

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں است

حضرت ابراہیمؑ کو درخشاں ستارے پر خدا ہونے کا دھوکہ لگ گیا تھا۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ج (الانعام ۷۷)	جب رات چھا گئی اور فضا کی وسعتوں میں ایک حسین ستارہ دیکھا تو ابراہیم نے کہا کہ یہی میرا رب ہے۔

صابئین نے سورج کو خدا تسلیم کیا۔ زرتشت اور موسیٰؑ نے آگ میں الٰہی تجلیاں دیکھیں۔ صوفیائے کرام کو ہر گل میں گلستان کا منظر دکھائی دیا۔ شیدایانِ ویدانت نے ہر ذرہ میں صحرا کا تماشہ دیکھا۔ الغرض اس حسین دنیا میں ہر سو نور و تجلی کے وہ حیرت انگیز مناظر موجود ہیں کہ ہر چیز پر مظہرِ خدا ہونے کا دھوکا لگتا ہے۔

ایک بچہ باپ کے ساتھ بازار میں جاتا ہے، جس مٹھائی کو پہلے دیکھتا ہے اس کے خریدنے کی تمنا کرتا ہے لیکن والد ساتھ ہے، وہ بہترین چیز خرید لیتا ہے اگر ہماری انگلی رسولؐ کے ہاتھ میں نہ ہوتی، تو ہم اس نادان بچے کی طرح ہر چیز کی پرستش پر اُتر آتے۔ ہر رسول نے بہ بانگِ دہل اعلان کیا تھا کہ دیکھو ان مناظر میں کہیں اُلجھ کر نہ رہ جانا، تمہارا مسجود وہ قادر و برتر رب ہے جو ان کھلونوں کا خالق ہے اور یہ مناظر تمہارے غلام و مطیع ہیں، نہ کہ معبود و مسجود۔

اقسام حیوانات

حیوانات کی مختلف قسمیں ہیں۔ وحوش و طیور وغیرہ۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں، جن میں صرف لمس کی حس ہے اور بس۔ مثلاً اصداف، سلدلی جراثیم اور بطونِ حیوانات کے کیڑے۔ بعض دیگر میں صرف ذوق و لمس۔ مثلاً پھلوں اور پھولوں پر پلنے والے چھوٹے چھوٹے کیڑے۔ بعض میں تین حواس ہیں، لمس، ذوق اور شم مثلاً وہ حیوانات جو سمندر کی گہرائی یا تاریک مقامات میں پلتے ہیں۔ بعض میں چار حواس ہیں اور صرف بصر سے محروم ہیں۔ مثلاً تاریک غاروں میں بسنے والے حیوانات جو روشنی نہ ہونے کی وجہ سے نظر سے بے نصیب رہتے ہیں۔ پانچ حواس والے حیوانات سے ہر کوئی آگاہ ہے۔ قدرت کا کمال دیکھئے کہ ان میں سے ہر جانور اپنی تخلیق میں مکمل ہے۔

خوردبینی اجرام (PROTOZOA)

یہ حیوانات صرف ایک خلیہ سے بنے ہیں اور سب سے پہلے یہی جانور عالمِ وجود میں آئے تھے۔ آج ان جانوروں کے خول ان پہاڑوں میں ملتے ہیں، جو لاکھوں سال تک پانی کے نیچے رہے، جس سے لازماً ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ ابتدائی کیڑے

موجودہ ارتقایافتہ انواع کے آباد اجداد تھے۔ بہت سے پتھر اور خصوصاً چونے کے پتھر ان ہی جانوروں سے تیار ہوئے۔ اہرام مصر پر ان جانوروں کی کئی انچ موٹی تہیں ملتی ہیں۔ ملیریا وغیرہ امراض ان ہی اجرام کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ یہ خوردبینی اجرام اپنی حفاظت مختلف طریقوں سے کرتے ہیں۔ سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ ایک گھنٹے میں لاکھوں بچے دیتے ہیں۔ بسا اوقات سبزیوں کے نیچے اور پانی کے جوہڑ و طل میں پناہ لیتے ہیں۔ ہیضہ کا جرثومہ ایک دن میں ۵,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ بچے پیدا کرتا ہے تاکہ تباہی کے بعد بھی کچھ نہ کچھ بچ رہیں۔

تنوع بعض حیوانات چلتے نہیں لوٹتے ہیں مثلاً برف کے کیڑے بعض سرکتے ہیں مثلاً اصداف۔ بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں مثلاً سانپ، بعض دوڑتے ہیں، مثلاً چوہا۔ بعض دو پروں سے اڑتے ہیں، بعض چار پروں سے۔ مثلاً ٹڈی بعض کے دو پاؤں ہوتے ہیں بعض کے چار، بعض کے چھ، بعض کے اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ ہزار پاؤں والے جانور بھی موجود ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (النور ۴۵)	اللہ نے ہر جانور کو سمندر سے پیدا کیا۔ ان میں سے بعض پیٹ کے بل اور بعض دو اور بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے وہ اس قسم کے تنوع اور اختلاف پر قادر ہے۔

اللہ نے حیوانات کی لاکھوں انواع بنائیں اور ہر نوع کے افراد لامتناہی تعداد میں پیدا کئے، ہر نوع کا رنگ، شکل، ہیئت وغیرہ دوسری نوع سے مختلف رکھی۔

پھولوں اور سبزیوں پر بعض چھوٹی چھوٹی مکھیاں اس قدر باریک ہوتی ہیں کہ اگر پکڑ کر دیکھنا چاہو تو انڈے کی طرح پھٹ جاتی ہیں لیکن کمال یہ ہے کہ ان میں باقاعدہ گردے، ہڈیاں، پھیپھڑے، معدہ، انتڑیاں، دماغ، آنکھیں، پر، ٹانگیں وغیرہ سب کچھ موجود ہے اور اس چھوٹے سے انجن میں پٹرول بھی بھرا ہوا ہے کہ باقاعدہ اڑ رہا ہے اللہ کا کمال دیکھنا ہو تو کوہ ہمالیہ کو مت دیکھو بلکہ یہ چھوٹے چھوٹے اڑتے ہوئے انجن دیکھو، ان کے رنگ پر غور کرو، منہ، پاؤں، آنکھیں اور سر دکھائی نہیں دیتے لیکن پھر بھی یہ مکمل جسم ہیں۔ ہر جسم میں چھوٹی چھوٹی رگیں ہیں جن میں خون دوڑ رہا ہے۔ ایک چھوٹا سا پیٹ ہے جس میں غذا جا رہی ہے۔ اللہ اکبر! یہ جسم اللہ نے کس طرح تیار کیا ہوگا۔ اشاعرِ فطرت کا کتنا باریک نازک اور ادق تخیل ہے کہ انسانی عقل تھرتھرا اٹھتی ہے۔ یخلق اللہ ما شاء اللہ

خود اعتمادی جنگلی جانور اپنی حفاظت خود کرتے ہیں اس لئے چست، چالاک تیز، تندرست، دراک اور حیلہ باز ہوتے ہیں لیکن گائے، بھینس گدھے وغیرہ کی حفاظت کا ذمہ انسان نے لے رکھا ہے اسی لئے یہ کاہل، بھدے اور سست ہوتے ہیں، جو قوم اپنے قواء کو استعمال نہیں کرتی اللہ اس سے قوائے عمل چھین لیتا ہے۔ مسلمانوں کو تقلید نے آج اندھا اور بہرا بنا رکھا ہے اس قوم نے قوائے مفکرہ کا استعمال چھوڑ دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ طاقتیں ہی چھین لیں۔

حرکاتِ حیوانات حرکتِ تلاشِ غذا کے لئے ہے، چونکہ درختوں کو غذا ہوا زمین سے مل جاتی ہے اس لئے انہیں چلنے کی

ضرورت لاحق نہیں ہوتی۔ اگر بالفرض درخت بھی تلاشِ غذا کے لئے چلتے پھرتے تو دُنیا میں بڑی بدنظمی پھیل جاتی۔ ہر روز ہزاروں درخت سڑکوں کے درمیان آجاتے۔ آمدورفت بند ہو جاتی۔ زید کے کھیت سے درخت چل کر عمر کے کھیت میں چلے جاتے اور باغوں سے بھاگ کر پہاڑوں پہ چڑھ جاتے۔

چونکہ حیوان کی خوراک دُنیا میں ہر سو پھیلی ہوئی ہے اس لئے وُہ چلتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وہی خصوصیات عطا کیں جن کی اسے ضرورت تھی مثلاً سپلنج ایک ایسا جانور ہے جو اپنے مقام کو نہیں چھوڑتا اس لئے کہ اس کی غذا وہیں موجود ہوتی ہے۔ سی سکرٹ (SEA SQUIRT) غذا کے لئے صرف اتنی ہی تکلیف کرتا ہے کہ اپنے خول سے سر باہر نکالتا ہے اور بس۔

حالات کے مُطابق مختلف جانوروں کی حرکات مختلف ہیں۔ بعض دِن کو سوتے ہیں اور رات کو نکلتے ہیں و بالعکس۔ بعض جانور سخت گرمی اور سردی میں مکانوں کی چھتوں اور سوراخوں میں مہینوں نہاں رہتے ہیں اور مرتے نہیں جوہڑ خشک ہونے کے بعد مینڈک زمین کی ایک تہہ سے چپک جاتا ہے اور برسات میں باہر نکل آتا ہے۔ مہینوں اور بسا اوقات برسوں غذا کے بغیر زندہ رہنا تخلیق کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ جن جانوروں کی غذا سہل الحصول اور زیادہ ہوتی ہے وُہ موٹے اور بھدے بن جاتے ہیں مثلاً ہاتھی، بھینسا، مینڈک وغیرہ۔ وجہ یہ ہے کہ انہیں تلاشِ غذا کے لئے دوڑ دھوپ کم کرنا پڑتی ہے اور ان کے دُشمن بھی کم ہوتے ہیں۔ ہرن کی خوراک ہر جگہ بہ افراط ہے لیکن اس کے دُشمن اس قدر زیادہ ہیں کہ ذرا سی آہٹ پر اسے میلوں بھاگنا پڑتا ہے اس لئے بعید

پھر تیلا اور چست ہوتا ہے۔ کثرت اعدا بھی الٰہی رحمت ہے۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں موٹے موٹے بھدے بیل نظر آتے ہیں جنہیں ہندو متبرک سمجھ کر روغنی غذا کھلاتے ہیں اِس کاہلی اور کم کوشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں چلنا تک گراں ہو جاتا ہے۔ خاندانِ مغلیہ اور عباسیہ کے آخری فرمانروا بے حد کاہل اور سُست ہو چکے تھے، اس لئے اللہ نے انہیں بے کار سمجھ کر دُنیا سے رخصت کر دیا۔ مینڈک کے دشمن خشکی پر کم رہتے ہیں۔ اس لئے پانی کی بہ نسبت خشکی پر اس کی رفتار بہت سُست ہوتی ہے۔ اسے صرف سانپ کا کچھ خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے اللہ نے اسے کودنا سکھا دیا کہ رینگتے ہوئے سانپ کی زد سے بچ جائے۔

مرجان کا گزارہ اس بکٹیریا پر ہوتا ہے جو بحری پانی میں بافراط موجود ہوتا ہے۔ مرجان صرف پانی پی لیتا ہے اور اس کی تسلّی ہو جاتی ہے۔

مادہ مچھّر مادہ مچھّر انڈے دے کر کمزور ہو جاتی ہے اور اسے تقویت کے لئے انسانی خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ نے اسے ایک نشتر اس کام کے لئے عنایت کیا ہے۔ نر مچھّر جوہڑوں وغیرہ پر گزارہ کر لیتا ہے۔ چونکہ مچھّر گرمیوں میں انڈے دیتے ہیں اس لئے گرمیوں ہی میں وہ انسانی خون کا پیاسا رہتا ہے، مادہ مچھر کو انسانی خون کی اس لئے بھی ضرورت ہوتی ہے کہ بقاءِ نسل کے لئے اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔

حیوانات کی عمریں کچھوا سو سال، بعض مچھلیاں ۱۵۰ سال، عقاب ۱۱۸ سال، کتا ۳۵ سال، گھوڑا ۴۰ سال، گائے ۲۵ سال، بلی ۴۰ سال، مرغی ۳۰ سال، بطخ ۷۵ سال اور مگرمچھ ۴۰ سال تک زندہ رہ سکتا ہے

چند عجائبات

(۱) ایک جانور ہمیسٹر (HAMSTER) چھ ماہ سوتا ہے۔

(۲) بعض سمندروں میں ایک گدھا ملتا ہے، جو ڈوبتے انسان کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ساحل پر چھوڑ آتا ہے۔

(۳) موتی ایک ایسا جانور ہے جو صدف کی کشتی میں سوار ہو کر پہلے سطح دریا پر تیرتا رہتا ہے اور اس کے بعد گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس کے منہ کے آگے ایک جالی ہوتی ہے جس سے صاف غذا چھن کر اندر چلی جاتی ہے۔ اس جالی کے پیچھے کئی منہ اور ہر منہ کے چار ہونٹ ہوتے ہیں۔ موتی کی پیدائش خوردبینی حیوانات اور ریت کے امتزاج سے ہوتی ہے۔ یہ حیوانات ایک لیس دار مادہ خارج کرتے ہیں جو ریت کو منجمد کر کے پتھر بنا دیتا ہے اور اسی کا نام موتی ہے۔

(۴) گرگٹ کا سر بڑا، گردن چھوٹی اور دُم سانپ کی طرح ہوتی ہے جب وُہ درخت پر ہو اس کا رنگ سبز ہوتا ہے اور کبھی زرد۔ ہیجان کی صُورت میں اس کی پشت پر خطوط متقاطعہ نمودار ہو جاتے ہیں جو آہستہ آہستہ تمام جسم پر پھیل جاتے ہیں اور غصے میں اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

(۵) ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بیمار ہتھنی کا علاج کیا اور وُہ اچھی ہو گئی۔ پندرہ سال کے بعد اتفاقاً وہی ہتھنی راہ میں مل گئی اور دوڑ کر میرے پاس آگئی۔ اپنا خرطوم میرے ارد گرد ڈال دیا اور یوں محبت سے پیش آئی جس طرح دو دوست مُدت کے بعد ملیں۔

(۶) ایک اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ میں نے ایک درخت کے نیچے ایک بچے کا ٹیکہ کیا۔ اوپر چند بندر دیکھ رہے تھے، میں سامان وہیں چھوڑ کر کسی ضرورت کے

لیئے ادھر اُدھر چلا گیا، مُڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بندر ایک چھوٹے بندر کا ٹیکہ کر رہا ہے۔

(۷) مادہ مینڈک پانی میں انڈے دیتی ہے نر ان انڈوں پہ مادۂ منویہ ڈال دیتا ہے۔ یہ انڈے ایک بدذائقہ جھلی میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ کوئی آبی جانور منہ نہ ڈال سکے۔ اس جھلی میں خوردبینی حیوانات داخل ہو کر نائٹروجن خارج کرتے ہیں تاکہ انڈوں کی نشوونما ہو سکے۔ یہ جھلی آہستہ آہستہ سانس بھی لیتی ہے اس تنفس کی بدولت انڈے گہرائی سے ابھر کر سطح پر آجاتے ہیں۔ ایک مینڈک کے انڈوں کی تعداد ۱۰۰۰ سے ۲۰۰۰ تک ہوتی ہے۔ جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو پہلے اپنی لمبی دُم سے تیرتے ہیں۔ جب ان کے پنجے (چپو) نکل آتے ہیں تو یہ دم غائب ہو جاتی ہے۔ مینڈک نتھنوں کے علاوہ جلد سے بھی سانس لے سکتا ہے۔

اُونٹ کے عجائبات

(۱) اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو گول پاؤں دیئے، تاکہ ریگستانوں میں آسانی سے چل سکیں۔

(۲) لمبی ٹانگیں دیں تاکہ سفر جلدی طے ہو۔

(۳) لمبی گردن دی تاکہ زمین اور درخت ہر دو سے غذا بآسانی حاصل کر سکے

(۴) کوہان میں پانی اور چربی کی اتنی مقدار جمع کر دی کہ چار ہفتوں تک بے آب و گیاہ رہ سکے۔

(۵) اگر شتربان بے توشہ ہو جائے تو ناقہ کا دُودھ پی لے۔

(۶) اُونٹ کی غذا تمام وُہ جنگلی پودے اور درخت بنا دیئے جنہیں دُوسرے جانور عموماً چھُوتے تک نہیں۔

(۷) اسے سخت مُنہ دیا کہ بیابان میں کیکر تک کھا سکے۔

(۸) بہت بھاری بُوجھ اٹھانے کی طاقت دی اور کوہان کے پاس شتربان کے لئے علیحدہ جگہ بنادی کہ شتربان کو چلنا نہ پڑے۔

(۹) مطیع و فرمانبردار بنا دیا کہ صحیح معنوں میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔

(۱۰) اُونٹ اگر ایک دفعہ راہ دیکھ لے تو اسے برسوں یاد رکھتا ہے، خواہ اس کے تمام نشانات مٹ گئے ہوں۔ اونٹ کے ان ہی عجائبات کی طرف یوں متوجہ کیا گیا ہے:

اَفَلَا یَنظُرُونَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (غاشیہ) | دیکھتے نہیں کہ اونٹ کس طرح بنایا گیا۔

باب ۵

دُنیائے طیور

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (انعام ۳۸)	یہ چوپائے اور اُڑنے والے جانور تمہاری طرح امتیں ہیں۔

ان امتوں کو بیماریاں لاحق نہیں ہوتیں۔ ان پر آثارِ پیری بہت کم مرتب ہوتے ہیں یہ آخر عُمر تک چُست، چالاک اور پھُرتیلے رہتے ہیں، انہیں زکام اور ملیریا نہیں ہوتا۔ انہیں کھانسی اور نمونیا کی شکایت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہ امتیں ایک خاص نظامِ حیات کی پابند ہیں، مناسب غذا کھاتی ہیں، مناسب ورزش کرتی ہیں، اور لذت اندوزی کی جائز حدود سے آگے نہیں بڑھتیں۔ شیر اپنی بیوی کی سال میں ایک دفعہ خبر لیتا ہے لیکن انسان ..... ؟ پرندے ماحول کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں لیکن انسان عموماً نہیں بدلتا، مذہب، وضع اور رُسوم کی آڑ لے کر ایک مقام پر ڈٹا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ زمانے کا ساتھ دینے والی اقوام ان اقوام پر چھا جاتی ہیں جو سطحِ زمین پر خیالات اور اطوار و اخلاق ہیں "گل محمد" بنی ہُوئی ہوتی ہیں۔ ان طیور میں ہمارے لئے ہزاروں اسباق موجود ہیں۔ یہ ہم جیسی ہی امتیں ہیں جو آئینِ قوت کو نباہنے اور نظامِ صلاحیت پر عمل پیرا ہونے کے بعد زندگی سے چہک رہی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ	کیا تم دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان کی ہر چیز

وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (نور ۴۱)	آئینِ الٰہی پر عمل پیرا ہے اور پرندے بھی ایک نظام کو نباہ رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نماز اور دستور العمل سے آگاہ ہے۔

بد قسمت ہیں وہ پرندے اور چوپائے جو انسانی قرب وجوار میں آبستے ہیں مثلاً گائے، بھینس، گدھا، گھوڑا، مرغا، کبوتر وغیرہ۔ انسان کافی غلیظ واقع ہوا ہے ادھر تھوکتا ہے ادھر قے کرتا ہے اور ہر طرف کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگائے رہتا ہے۔ اس غلیظ ماحول میں یہ چوپائے اور پرندے بیمار ہو جاتے ہیں۔ ورنہ جنگلی جانوروں کو دیکھو، ان کے گھونسلوں اور نشیمنوں میں کس قدر صفائی پائی جاتی ہے بلی زمین میں ایک گڑھا کھودتی ہے اور اپنا فضلہ اس میں چھپا دیتی ہے، بہ الفاظِ دیگر انسان کو ہر روز یہ سبق دیتی ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۔ (مدثر ۵)	اے انسان میل کچیل اور غلاظت سے دُور رہ۔

لیکن یہ سرکش انسان جو پیمبر کی بات نہیں سنتا اور الٰہی حکم تک کی پروا نہیں کرتا وہ بھلا بلی سے کیوں سبق سیکھنے لگا؟ اشرف المخلوقات جو ٹھہرا!

زندہ اقوام میں جہاں دیگر فضائل پیدا ہو جاتے ہیں، وہیں صفائی، نفاست اور پاکیزگی ان کی نس نس میں دھنس جاتی ہے وہ بہت اجلے نہایت لطیف المذاق اور بے حد صفائی پسند ہوتے ہیں۔

لطیفہ ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے کہ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر مسٹر روس کیپل نے امرائے وزیرستان کا ایک جرگہ بلایا۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد ایک وزیری پٹھان نے چیف کمشنر سے کہا:

"صاحب بہادر"! خوچہ ہم تم پر بہت خوش ہے لیکن چہ صرف ایک بات کا کمی ہے کہ اگر تم مسلمان ہوتا تو خو کیا اچھا ہوتا"۔

روس کیپل نے پوچھا کہ "مسلمان ہونے کا فائدہ؟ تو کہا کہ خوچہ تم دوزخ میں نہ جلتا۔ تم جیسا اچھا بڑے (آدمی) بہشت میں اچھا لگتا ہے"۔

روس کیپل نے کیا ایمان افروز جواب دیا کھان صاحب! ہم دوزخ میں جائیگا تو اپنا صفائی وگیرہ (وغیرہ) سے اس کو بہشت بنا ڈالے گا تم گندا لوگ جو بہشت میں پہنچے گا تو ہر طرف نسوار کا تھوک ڈالے گا۔ کھانسی کرے گا۔ میلا شلوار پھینچے گا ادھر ادھر تمام کیلے کا چھلکا پھینکے گا تو بہشت کو دوزخ کر دے گا۔

غلام قوم پر جہاں دیگر بد اخلاقیاں مسلط کر دی جاتی ہیں وہاں اسے نفاست لطافت، صفائی اور پاکیزگی کے احساس سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے اس میں پرندوں کا اُجلاپن، ہرن کی چستی، شیر کی پرہیزگاری، شہباز کی جھپٹ اور عقاب و شاہین کا رعب نہیں رہتا۔ وُہ بھینسے کی طرح بھدّی، گدھ کی طرح غلیظ اور اُلّو کی طرح بدحواس بن جاتی ہے۔

چونکہ اہلِ عرب کو آں حضرت صلعم کی بدولت دُنیا کا حکمران بنانا منظور تھا، اس لئے صفائی کے متعلق نہایت تاکیدی اوامر نازل ہوئے:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (مدثر ۱-۵)	اے جسم کو لباس سے زینت دینے والے رسُول اُٹھ! قوم کو غلاظت کے نتائج سے خبردار کر، اللہ کی عظمت بیان کر، اجلے کپڑے پہن اور ہر قسم کے میل کچیل سے دُور رہ۔

قرآن کا ہر حکم فرض ہے لیکن مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کے صرف

پانچ احکام فرض ہیں یعنی نماز روزہ وغیرہ اور باقی چھ ہزار احکام میں کچھ مستحب ہیں کچھ مستحسن ہیں اور کچھ غیر ضروری، اگر اللہ کا حکم فرض کہلاتا ہے تو پھر وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ کو فرائض کی فہرست سے خارج کرنا کہاں کی مسلمانی ہے؟ غور کرو غلیظ مکانات اور ناپاک ماحول کی وجہ سے مسلمانوں کی صحت کا کیا حال ہو چکا ہے اور میلے کچیلے کپڑوں کی وجہ سے ان کا وقار کتنا کم ہو گیا ہے۔

دیگر تمام اہلِ مذاہب کے یہاں مذہب ایک پرائیویٹ (شخصی) عقیدہ بن چکا ہے۔ جس کا دائرہ اثر صرف عبادات اور چند دیگر رسوم تک محدود ہے اور بس۔ دوسری طرف اسلام ہماری زندگی کا مکمل دستور العمل ہے، یہودیوں اور دیگر سیاست دانوں کی آغاز سے یہ کوشش رہی ہے کہ اسلام کو بھی اجتماعی، تمدنی سیاسی معاشرتی و منزلی وسعتوں سے نکال کر چند شخصی عقائد ورسوم تک محدود کر دیا جائے چنانچہ ایسی احادیث وضع کی گئیں جن کی وجہ سے اسلام فرائضِ خمسہ کا نام رہ گیا اور زندگی کے باقی تمام پہلو اس کے حلقۂ اثر سے باہر نکل گئے۔

غور کرو، اصولِ صفائی میں کیا کچھ آجاتا ہے، بدن اور کپڑوں کی صفائی، گھر بار کی صفائی تمام سامان واسباب کی صفائی، کوڑے کرکٹ، امراضِ جراثیم، نحیف کرنے والی غذاؤں اور کمزوری پیدا کرنے والے کاموں سے نفرت، کثیف ماحول سے نفرت، ان مکانوں سے نفرت جہاں ہوا اور روشنی داخل نہ ہو سکے، چیتھڑے اور جوؤں سے نفرت، بدبودار کپڑوں، میلے دانتوں اور مٹی سے اٹے ہوئے بادلوں سے نفرت وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانو یاد رکھو کہ کھلے اور صاف مکانات میں رہنا، اجلے کپڑے پہننا، دانتوں

کو روزانہ صاف کرنا، نہانا، کمروں میں روشن دان رکھنا، کوڑا کرکٹ دُور پھینکنا۔ بالوں کو دھونا اور سنوارنا۔ ورزش سے صحت کو قائم رکھنا، جراثیم مرض اور بیمار کُن ماحول سے بچنا عین اسلام ہے۔ قرآن کی مذکورہ بالا آیت کے مُطابق یہ بھی نماز روزے کی طرح فرض ہے۔

ذرا سوچو تو سہی کہ قرآن کے صِرف ایک حُکم کی نافرمانی سے ہم کِس قدر خوفناک نتائج بھگت رہے ہیں۔ ہمارے مکانوں میں غلاظت کے کِس قدر ڈھیر لگے ہُوئے ہیں۔ ہمارے مُنہ سے کتنی بدبُو آتی ہے۔ ہمارے بال کِس قدر پریشان و گرد آلود ہیں۔ جسم پر کتنا میل جما ہُوا ہے۔ ہمارے بچّے کِس قدر مہلک امراض کا شِکار ہو رہے ہیں۔ ہمارے چہرے کاربن کی زیادتی اور صاف ہوا کی کمی کی وجہ سے کِس قدر زرد ہو رہے ہیں۔ اور یہ نحیف و لاغر زرد رُو اور قبیح شکل قوم دُنیا کی نگاہ میں کتنی ذلیل ہو چکی ہے؟ انصافاً کہو کہ قرآن کی اس آیت پر انگریز عمل کر رہا ہے یا مُسلمان؟ ہر گاؤں میں مسٹر برین[1] تو پھر پھر کر صفائی وغیرہ کی تبلیغ کرے اور ہم مسجد میں لوگوں کو ناک جھاڑتا دیکھیں اور منع نہ کریں۔ مسجد کے ساتھ پیشاب گاہ تیار کرائیں اور نہ شرمائیں۔

حضرت آدمؑ کے بیٹے نے دُوسرے کو قتل کر دیا تھا اور پھر اسے اتنا بھی نہ سُوجھتا تھا کہ اس بدبودار لاش کو کہاں پھینکے۔ اللہ نے ایک پرندہ بھیج کر اسے یُوں ہدایت کی:

---

[1] ۱۹۳۰ء میں حکومتِ فرنگ کی طرف سے دیہات سُدھار پر متعین تھا اور صفائی وغیرہ میں بیحد دل چسپی لیتا تھا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْاَةَ اَخِيْهِ (مائدہ ۴)

تو ہم نے اس کی طرف کوّا بھیجا تاکہ اس کو نعش دفن کرنے کا طریقہ سکھائے۔

یہ قصّہ دراصل ایک طرح کی ہدایت ہے کہ تمام غلیظ اور بدبودار اشیاء کو زمین میں گاڑ دیا جائے۔ آنحضرت صلعم کی بعثت مسلم کو ہر قسم کی جسمانی، دماغی اور روحانی اخلاقی نجاست سے نجات دلانے کے لیئے ہوئی تھی۔ آج ہمارا مُلّا جسمانی صفائی پر کچھ کہنا اپنے عِلم کی ہتک سمجھتا ہے۔ وُہ ایسی تمام آیات میں غلاظت سے مُراد رُوحانی واخلاقی غلاظت لیتا ہے۔ اچھّا ایسا ہی سہی۔ لیکن انصافاً فرمائیے کیا ایسے آدمی کے اخلاق میں ذراسی بھی نفاست ہو سکتی ہے، جس کے مُنہ کپڑوں اور جِسم سے سنڈاس کی سی بُو آرہی ہو، جس کی شلوار میں سیر بھر جوئیں پھر رہی ہو، جس کی چارپائی کے نیچے تھُوکوں کا ڈھیر لگا ہُوا ہو، گندے چیتھڑے، پھٹے پُرانے کاغذات صدیوں کے ٹوٹے ہوئے بادیئے اور مَیل سے اٹی ہوئی کنگھیاں ہر طرف بکھری پڑی ہوں دیوارو پر ناک جھاڑ جھاڑ کر پلستر کیا ہُوا ہو۔ ہر طرف ہولناک غلاظت، تعفن، ویرانی، تاریکی اور ظلمت ہو، اگر اخلاقی دُنیا میں بدکاری ظلمت ہے تو مادی دُنیا میں غلاظت اور کثافت کیوں ظلمت نہیں؟ یاد رکھو! معلم کائنات حضرت محمّد عربی فداہ ابی وامی مسلم کو تمام جسمانی وروحانی غلاظتوں سے نجات دِلانے کے لئے آئے تھے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۵

(ابراہیم ۱)

اے رسُولؐ ہم نے تجھے یہ بلند کتاب اس لیئے دی کہ تو دُنیا کو غلاظت وکثافت کی تاریکیوں سے نکال کر نفاست پاکیزگی اور لطافت کی روشنیوں کی طرف رہنمائی کرے۔

اللہ کی زمین کس قدر حسین ہے۔ یہ پھول کتنے خوبصورت ہیں، یہ سبزہ کیا جنت نگاہ بنا ہُوا ہے۔ یہ سب کچھ کیا پیام دے رہا ہے؟ یہی کہ اللہ خود حسین و جمیل ہے اور صرف ایسے افراد و اقوام کو پسند کرتا ہے جو صفائی نفاست و لطافت کی دل دادہ ہوں۔ رسُول اللہ نے فرمایا تھا کہ مجھے خوشبو سے عشق ہے کیوں عشق نہ ہو جمیل خدا کا جمیل پیغمبر، بھلا خوشبو کو کیوں نہ پسند کرے۔

اللهُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَالَ	اللہ خود حسین ہے اور حُسن کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے لباس کو ایک نعمت قرار دیا ہے۔

اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ (اعراف ۲۶)	ہم نے تمہیں لباس کی نعمت دی ہے جس سے تم جسم کو ڈھانکتے ہو۔

کیا اس لباس سے وُہ لباس مُراد ہے جسے ابتدا سے انتہا تک دھویا نہ گیا ہو اور جس سے تعفن کی لپٹیں اٹھ اٹھ کر دل و دماغ پر بجلیاں گرا رہی ہوں یا وُہ لباس مُراد ہے جو اوراقِ شجر کی طرح صاف اور برگِ گُل کی طرح منزّہ و پاکیزہ ہو۔

گرمی کے ایام میں مسجدوں میں چند ایسے نمازی جمع ہو جاتے ہیں جن کے کپڑوں سے سخت بدبو آیا کرتی ہے لیکن مولوی صاحب انہیں کچھ نہیں کہتے اس لئے کہ حضرت مولانا کے ہاں والرجز فاھجر کا حُکم بالکل غیر ضروری سا ہے۔ سردی میں کشمیری ہاتو اپنی "نفیس" پوشاکوں کے ساتھ گل کدہ کشمیر سے تشریف لاتے ہیں کس حسین سرزمین سے آتے ہیں اور لباس کس قدر غلیظ[1] ہوتا ہے اس حسین خطے میں بدمذاق انسان، واللہ قدرت کی بہت بڑی ستم ظریفی ہے جب کسی غلیظ مسلمان کو دیکھ

---

[1] مشہور ہے "در کشمیر بہشت است ولے از دوزخیاں آباد است" (مدیر ایبیان)

ہوں تو اس کے غیر اسلامی ظاہر پہ طیش آجاتا ہے کہ جو شخص کپڑوں تک کو صاف نہیں رکھ سکتا وہ دل و دماغ کو کیا خاک صاف رکھے گا۔

ہاں تو حضرات! ہمارے لئے ان طیور کی نفاست، چستی، پھرتی، صحت، صلاحیتِ حیات اور پرواز وغیرہ میں بے شمار اسباق موجود ہیں لیکن ہم ہیں کہ اندھوں کی طرح پاس سے گزر جاتے ہیں۔

جلوتیانِ مدرسہ، کورِ نگاہ و مردہ ذوق   خلوتیانِ مے کدہ کم طلب و تہی کدو (اقبالؔ)

چند عجائباتِ طیور

(۱) بعض پرندے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑتے ہیں۔

(۲) ایک پرندہ ٹٹ (TIT) پورے ۲۳۷۹ پروں سے اپنا گھونسلہ تیار کرتا ہے۔

(۳) مشرقی اقصلے میں ایک پرندہ (SEA SWIFT) اپنے تھوک سے گھونسلہ تیار کرتا ہے۔

(۴) حضرت سلیمانؑ نے کہا تھا کہ چند چیزیں میری سمجھ میں نہیں آئیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اتنا بڑا گدھ بازوؤں کو ہلائے بغیر پہروں ہوا میں کس طرح تیرتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کو یہ چیز معلوم نہ تھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا علم ان چیزوں کے متعلق اتنا زیادہ تھا کہ آپ حیرت زدہ ہوگئے علم کی انتہا حیرت ہے۔

لطیفہ

علامہ اقبالؔ مرحوم سے کسی نے پوچھا، علم کی انتہا کیا ہے؟ فرمایا حیرت۔ پھر پوچھا عشق کی انتہا کیا ہے؟ عشق لاانتہا ہے۔ سائل نے فوراً اعتراض کیا تو پھر آپ کے اس مصرع کا کیا مطلب ہے:

"ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں"

اقبال فرمانے لگے "دوسرا مصرع نہیں دیکھتے کہ اپنی حماقت کو بے نقاب کر رہا ہوں۔"

"مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"

کولریج (COLERIDGE) ایک مغربی مفکر کہتا ہے:

"KNOWLEDGE ENDS IN WONDER." علم کی انتہا حیرت ہے۔

ایک حدیث ہے رَبِّ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا فِیْکَ خدایا تیری ذات کے متعلق میری حیرت بڑھتی ہی چلی جائے۔

(۵) مسٹر سی۔ ٹی ہڈسن (C. T. HUDSON) کہتے ہیں کہ میں نے سردیوں کے دنوں میں بھٹ تیتروں کا ایک جوڑا دیکھا کہ نر اڑ کر مادہ کے قریب آتا ہے، غیظ و غضب سے بھری ہوئی چند آوازیں نکالتا ہے اور مادہ کو اڑنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہزارہا میل کا سفر سامنے ہے، ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا ملال ہے لیکن مادہ ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مادہ کا پر ٹوٹا ہوا ہے اور نر اس کی محبت میں پابستہ ہے۔

(۶) ایک دریائی پرندہ (STORMY PETROL) دن رات دریا کی لہروں پر اڑتا رہتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی خشکی پر غذا کے لئے آجاتا ہے۔

(۷) لگو اپنے انڈے چونچ میں پکڑ کر ایک اور پرندے کے گھونسلے میں رکھ دیتا ہے اور خود چلا جاتا ہے۔ یہی پرندہ ان انڈوں کو سیتا اور پالتا ہے۔

(۸) ایک سائنس داں نے مرغی کے انڈوں کو موزوں حرارت پہنچائی لیکن بچے

نہ نکلے۔ کئی بار تجربہ کیا لیکن ناکام رہا۔ پھر ایک دیہاتی سے اتفاقاً ذکر کیا۔ اس نے کہا تم انڈوں کو الٹتے پلٹتے نہیں ہو گے۔ مرغی تھوڑے وقفے کے بعد انڈوں کو الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔ چنانچہ سائنس دان نے ایسا ہی کیا اور کامیاب ہو گیا۔

(۹) اگر کسی پرندے کی دُم کاٹ دی جائے تو اسے اڑنے میں دقت محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ توازن قائم نہیں رہتا۔ جن پرندوں کی گردن لمبی اور دُم چھوٹی ہوتی ہے وُہ اڑتے وقت پنجوں کو دُم کی طرح پیچھے پھیلا لیتے ہیں تاکہ پرواز میں آسانی رہے۔

(۱۰) شتر مرغ بیس سے تیس تک انڈے دیتا ہے۔ پھر ان کے تین حصّے کر دیتا ہے، ایک حصّہ زمین میں دفن کر دیتا ہے، دوسرا حصّہ دھوپ میں رکھ دیتا ہے اور تیسرے حصّے کو سیتا ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو دھوپ والے انڈوں کو توڑ کر بچوں کو پلاتا ہے جب وُہ ختم ہو جاتے ہیں تو مدفون انڈے نکالتا ہے اور ان میں سوراخ کر دیتا ہے اس مواد کو کھانے کے لئے چیونٹیاں اور دیگر حشرات جمع ہو جاتے ہیں جنہیں پکڑ پکڑ کر بچوں کے آگے ڈالتا ہے۔ جب بچوں کے معدے کافی قوی ہو جاتے ہیں تو وُہ پتھر تک کھانے لگتے ہیں۔

(۱۱) کبوتر، چڑیا، فاختہ وغیرہ انواع میں نر اور مادہ مل کر بچوں کو پالتے ہیں حالانکہ بچے صرف دو دو ہوتے ہیں۔ مرغی کے بچے بہت ہوتے ہیں لیکن مرغا کسی قسم کی مدد نہیں کرتا وجہ یہ کہ چڑیا اور کبوتر کے بچے بہت نحیف ہوتے ہیں جن کی تربیت کے لئے نر اور مادہ کا تعاون ضروری ہوتا ہے اور مرغی کے بچے انڈوں سے نکلتے ہی چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں نیز پروں سے ڈھکے ہوتے ہیں جیسے قدرت ان کی تربیت پہلے

ہی کافی حد تک کر چکی ہوتی ہے، اس لئے مرغا تعاون نہیں کرتا۔

(۱۲) چمگادڑ کی ایک قسم سوئے ہوئے انسان کو پہلے پروں سے ہوا دیتی ہے جب آدمی نیند میں مدہوش ہو جاتا ہے تو اس کے جسم میں سوراخ کر کے خون پینا شروع کر دیتی ہے یہاں تک کہ آدمی مر جاتا ہے۔

(۱۳) اُلو کی پرواز میں آواز نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو وہ پرندوں کو چپکے سے دبوچ لیتا ہے۔ اس کی غذا بلی سے چھ گنا زیادہ ہوتی ہے، دہقان غلہ بوتا ہے لیکن اس میں ہلاکتِ حشرات کی طاقت نہیں ہوتی، اللہ نے کچھ پرندے دِن کو اور کچھ رات کو مسلط کر رکھے ہیں، جو فصلوں کے دُشمن حشرات کی خبر لیتے ہیں ان میں اُلّو اور چمگادڑ بھی شامل ہیں۔

(۱۴) کوّا ہمارا بھنگی ہے جو غلاظت کو صاف کرتا ہے اور اسی طرح چیل اور گدھ وغیرہ بھی۔

(۱۵) ایک آبی پرندہ شکار کو آتا دیکھ کر کالے رنگ کا ایک مواد خارج کرتا ہے جس سے پانی سیاہ ہو جاتا ہے اور خود اس میں غوطہ لگا کے چھُپ جاتا ہے جب شکار پاس آجاتا ہے تو باہر نکل کر اسے دبوچ لیتا ہے۔

(۱۶) ایک اور آبی پرندہ ساحلِ دریا پر انڈے دیتا ہے اور اوپر نمک بکھیر دیتا ہے تاکہ ساحل کی زمین اور اس مقام میں فرق نہ رہے اور انڈے محفوظ رہیں۔

(۱۷) سمندر کے ساحل پر دو ایسے پرندے مِلتے ہیں کہ اُن میں ایک مچھلیاں کھاتا ہے لیکن تیر نہیں سکتا، دوسرا ہریاول وغیرہ پر گزارہ کرتا ہے لیکن تیر سکتا ہے۔ یہ مچھلیاں پکڑ لاتا ہے اور اوّل الذکر کے مُنہ میں ڈال دیتا ہے اور وہ کچھ ہریاول

بطور معاوضہ مُنہ میں جمع رکھتا ہے جو مؤخر الذکر کو دے دیتا ہے۔

(۱۸) برازیل میں ایک پرندہ ۸۱۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتا ہے یعنی چودہ میل فی منٹ یا ۴۰۰ گز فی ثانیہ۔ بندوق کی گولی فی ثانیہ ۹۰۰ گز جاتی ہے اس کی رفتار گولی سے نصف ہوتی ہے۔ یہ ایک ثانیہ میں کئی ہزار دفعہ بازو ہلاتا ہے۔

ہوائی جہاز کے پنکھے کے چکر فی ثانیہ تین سو تینتیس ہوتے ہیں اگر ایک انسان اس پرندے کی رفتار سے اُڑنا شروع کرے تو وُہ تمام زمین کا چکر صرف ۱۷ گھنٹوں میں کاٹ لے۔

تو یہ ہیں پرندوں کے چند عجائبات: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○

باب ٦

تماشائے حشرات

اوراقِ گزشتہ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن کی بعض سُورتیں حشرات، مثلاً نحل، نمل، عنکبوت وغیرہ کی طرف منسوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس کے جمیل کارناموں پر نگاہِ بصیرت ڈالنے کے بعد اس کی حمد و ثنا کے ترانے گائے اور خالقِ ارض و سما کا مقصد صرف اولاد اغذیہ وغیرہ کی بنا پر اپنی تعریف کرانی ہوتی تو غالباً قرآن حکیم کی پہلی آیت کچھ اس قسم کی ہوتی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَاَسْقَانَا وَاَعْطَانَا وُلْدَانًا۔	قابلِ ستائش ہے وُہ رب جس نے ہمیں کھانا دیا، پانی پلایا اور بچوں کی نعمت عطا کی۔

لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہہ کر ہماری توجہ تمام دُنیاؤں کی طرف منعطف کر دی۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ صحیفۂ فطرت کا ہر ورق الٹ کر ہر سطر کا مطالعہ کریں تاکہ ہمارے دِل و دماغ انوارِ الٰہیہ کے نشیمن بن جائیں۔

چیونٹی

حضرت سلیمانؑ چیونٹیوں کے ایک بل کے پاس سے گزرتے ہیں تو ایک چیونٹی کہتی ہے:

یٰۤاَیُّھَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ (نمل ۱۸)	اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہ کہیں سلیمان کا لشکر تمہیں مسل نہ ڈالے۔

اللہ تعالیٰ نے چیونٹیوں کا ذکر کر کے ہماری توجہ اس بے مقدار کیڑے کی طرف مبذول کرائی، آئیے اس کے اعمال پر غور کریں۔

شیر جسمانی طاقت کی وجہ سے شاہِ حیوانات کہلاتا ہے لیکن اگر عقل و دانش کی بنا پر بادشاہ کا انتخاب ہوتا تو یقیناً چیونٹی بادشاہ ہوتی۔ چیونٹیاں بڑی عقل مند ہوتی ہیں۔ جماعتیں بناتی ہیں، ذخیرے جمع کرتی ہیں، معماری، نجاری، گاڈریری، سپاہ گری، کاشت کاری اور غلام گیری کے فرائض نہایت عقل مندی سے سرانجام دیتی ہیں۔

ہر بل میں چار قسم کی چیونٹیاں ہوتی ہیں: ملک، ملکہ، مزدور اور سپاہی، مزدور

ل نملہ چیونٹی کے علاوہ ایک قوم کا نام بھی ہے جو یمن کے قریب وادی نمل میں بستی تھی، اسی طرح مازن جس کے معنی چیونٹی کا انڈہ ہیں۔ عرب کی ایک مشہور قوم کا نام تھا۔

منتہی الارب میں نمل کے متعلق لکھا ہے۔ ازاعلام است نمل، عَلَم یعنی خاص نام (PROPER NOUN) کے طور پر بھی بولا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے کہ ابرذ، نملہ کے دشمنوں سے ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نملہ ایک قوم کا نام ہے اس وادی پر ایک ملکہ حکمران تھی۔ وہ حضرت سلیمانؑ کے استقبال کو آئی اور ان کو ان کی فوج سمیت وادی میں لے گئی اور اپنی رعایا کو حکم دیا کہ اپنے مکانوں میں داخل ہو جاؤ اور سلیمان اور اسکی فوج کے لئے راستہ خالی کر دو، ایسا نہ ہو کہ تم ان سے الجھ پڑو اور وہ تمہیں کچل ڈالیں۔ حضرت سلیمانؑ اس کی بات سن کر مسکرائے کہ ہم سلیمان ہیں یعنی سلامتی پھیلانے والے حاکم۔ ہم عاجزوں سے ایسا برتاؤ نہیں کرتے (بیان للناس مختصاً)، سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی شخص اپنی رفتار میں کیڑوں مکوڑوں کو کچلے بغیر زمین پر چل سکتا ہے؟ پھر سلیمان جو کثیر التعداد لشکروں کو لے کر طویل سفر کرتے تھے کیونکر ممکن ہے کہ ان کے پاؤں تلے کوئی چیونٹی نہ روندی گئی ہو۔ (مدیر البیان)

تعداد میں زیادہ اور سپاہی جسمانیت میں بڑے ہوتے ہیں۔ ملک اور ملکہ ہر دو کے پر ہوتے ہیں اور ملکہ بادشاہ سے زیادہ موٹی ہوتی ہے۔

حواسِ خمسہ کے علاوہ ہر چیونٹی کے چار جبڑے، انتڑیاں، دم میں ایک چھوٹا سا ڈنک، پاس ہی زہر کی ایک تھیلی، اور پہلوؤں میں سانس لینے کے لئے دو سُوراخ ہوتے ہیں۔ ہوا ان سُوراخوں سے داخل ہو کر بے شمار نالیوں میں چلی جاتی ہے۔ ان نالیوں کا جال چیونٹی کے جسم میں اس طرح بچھا ہُوا ہوتا ہے جس طرح ایک پتے میں رگیں۔

چیونٹی کا گھر پندرہ سے بیس فٹ تک گہرا ہوتا ہے۔ اندر فن تعمیر کا حیرت ناک کمال دکھائی دیتا ہے۔ سب سے نیچے کچھ کمرے اوپر بالاخانے، گیلریاں اور ملاقات و مشورہ کے ہال، مٹی کے ستونوں پر بنے نظر آتے ہیں۔ چیونٹی کی اس صناعی سے متاثر ہو کر حضرت سلیمانؑ نے ایک شخص سے کہا تھا:

"GO TO THE ANT. CONSIDER HER WAYS AND BE WISE"

"چیونٹی کے پاس جا اس کے اعمال کا مُطالعہ کر اور دانا بن"۔

المانیہ کا ملک الشعراء گوئٹے کہتا ہے:

"محنت، صبر اور استقلال سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور یہ ہر سہ صفات چیونٹی میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

عملِ تولید و تربیت ملکہ بل میں ادھر اُدھر انڈے ڈال دیتی ہے۔ مزدوروں کی جماعت ان انڈوں کو اکٹھا کر کے ایک محفوظ کونے میں رکھ دیتی ہے۔ ان کی تربیت پہ دائیاں مقرر ہو جاتی ہیں اور جب بچے نکل آتے

ہیں، نوآغاز میں انہیں ہضم شدہ غذا کھلاتی ہیں۔ ان بچوں کو بلحاظ عمر ایک قطار میں رکھتی ہیں، انہیں تھپکاتی، چاٹتی اور نہلاتی ہیں۔ اگر کوئی دشمن بل پر حملہ کر دے تو انہیں اکٹھا کر کے محفوظ مقام پر لے جاتی ہیں اور اگر بارش میں بھیگ جائیں تو دھوپ میں نکال کر انہیں خشک کرتی ہیں۔

کاشت کاری چیونٹیاں بل کے قریب بعض غلے بو دیتی ہیں، جب فصل پک جاتی ہے تو اٹھا کر بلوں میں لے جاتی ہیں۔

بعض پودوں سے یہ رس نکال لاتی ہیں کچھ پی لیتی ہیں اور باقی ماندہ بعض مردہ چیونٹیوں کے جسم میں بھر دیتی ہیں، جسے بوقتِ ضرورت استعمال کرتی ہیں۔

مفت خورے ملکہ و ملک ہر دو بہت سست اور عیاش ہوتے ہیں۔ اگر دوسری چیونٹیاں انہیں غذا لا کر نہ دیں تو وہ تلاشِ غذا کی کبھی کوشش نہ کریں اور بھوک سے مر جائیں۔ سپاہی چیونٹیوں کا گزارہ اپنے شکار پہ ہوتا ہے۔ یہ عادت میں افریقہ کے وحشیوں سے ملتی جلتی ہیں کہ جنگ کے لئے ہر وقت تیار رہتی ہیں اور تلاشِ غذا میں کسی کی دست نگر نہیں بنتیں۔ گائے :۔ چیونٹیاں ایک مکوڑے افس کو پکڑ لاتی ہیں کسی کیمیائی عمل سے اس کی تربیت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے غدودوں سے جو سُرین پہ ہوتے ہیں دودھ بہنے لگتا ہے جسے یہ نہایت شوق سے پیتی ہیں۔ جب افس انڈے دیتا ہے تو چیونٹیاں ان کی بھی پرورش کرتی ہیں۔

بعض چھوٹے چھوٹے حشرات چیونٹیوں کے بل کے پاس گھومتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان سے چیونٹیاں یوں کھیلتی ہیں، جس طرح ہم بلی سے۔

عجائبات (۱) چیونٹیوں کی اقسام ہزار سے زائد ہیں۔

(۲) چیونٹیوں کی عمر سات سال ہوتی ہے۔

(۳) اگر مختلف بلوں کی چیونٹیاں کہیں سیلاب میں پھنس جائیں تو ہر بل کی چیونٹیاں اپنے ساتھیوں کو سونگھ کر پہچان لیتی ہیں اور اٹھا کر گھروں کو چل دیتی ہیں۔

(۴) چیونٹیاں بعض دیگر حشرات کو پکڑ کر لے جاتی ہیں۔ صلاح و مشورے کے بعد بڑوں کو چھوڑ دیتی ہیں اور بچوں کو رکھ لیتی ہیں۔ یہ اس لئے کہ ہر نئے سانچے میں ڈھل سکتے ہیں اور بڑے آخر تک سرکش رہتے ہیں۔

(۵) چیونٹیاں بعض درختوں کے پتے توڑ لاتی ہیں اور پھر انہیں بھگو کر بطورِ فرش گھر میں بچھاتی ہیں۔

(۶) چیونٹی اپنے بوجھ سے تین سو گنا زیادہ وزن اٹھا سکتی ہے اگر انسان بھی ایسا کرے تو ۴۵۰۰ من بوجھ اٹھا سکتا۔

(۷) اگر کوئی چیونٹی زخمی ہو جائے تو فوراً دوسری چیونٹی کسی کیمیائی عمل سے اپنے تھوک کو دھاگے کی شکل میں بدل لیتی اور اس سے زخم کو سی دیتی ہے۔

(۸) اگر کوئی چیونٹی مر جائے تو پہلے اس کا باقاعدہ جنازہ اٹھتا ہے اور پھر پوری رُسوم کے ساتھ دفن کی جاتی ہے۔

(۹) چیونٹی کی آنکھ دراصل دو سو آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ بعض حشرات ایسے بھی ہیں جن کی آنکھیں ۲۷۰۰۰ آنکھوں سے مرکب ہوتی ہیں۔

عنکبوت مکڑی اپنا گھر (جالا) تاروں سے بناتی ہے۔ ہر تار دراصل چار باریک تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ پھر ہر باریک تار ہزار تاروں سے تیار ہوتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ جالے کا ہر تار چار ہزار تاروں سے بنتا ہے۔ مکڑی کے جسم میں چار

ہزار باریک نالیاں ہیں۔ ہر نالی سے ایک تار نکلتا ہے ذرا آگے چار سوراخ ہوتے ہیں۔ ہر سوراخ میں ایک ہزار تار داخل ہو کر ایک تار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ دم کے آخر میں صرف ایک نالی ہوتی ہے جس میں سے یہ چار تار گذر کر ایک دھاگہ بن جاتے ہیں۔

مکڑی چھت کے شہتیروں سے گوند نکال کر تاروں پر لگاتی ہے اور پھر ان تاروں سے اتنا مضبوط گھر بناتی ہے کہ باوجود اوہن البیوت (ضعیف ترین گھر) ہونے کے طوفان اور تند آندھیوں میں بھی نہیں ٹوٹتا۔

مکڑی مسدس شکل کا ایسا مکمل جالا تیار کرتی ہے جس کا ہر ضلع نصف قطر کے برابر ہوتا ہے۔ انسان نے مسدس شکل کا سبق اسی مہندس (مکڑی) سے لیا تھا۔

مکڑی جالا بنتے وقت ہر تار پہ پانچ چھ مرتبہ آتی جاتی ہے اور ہر بار ایک نئے تار کا اضافہ کرتی ہے۔ اس طرح جالے کا ہر تار اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ مکڑی سے آٹھ گنا زیادہ وزن تھام سکتا ہے۔

جب کوئی مکھی اس جالے میں پھنس جاتی ہے تو مکڑی فوراً اسے ایک زہر سا پلا کر بے ہوش کر دیتی ہے تاکہ یہ تڑپ تڑپ کر جالے کو توڑ نہ ڈالے۔

مکڑی چھ ماہ تک بھوکی رہ سکتی ہے اور اس کی آٹھ آنکھیں ہوتی ہیں۔ یہ ایک وقت میں دو ہزار انڈے دیتی ہے۔ جنہیں ملائم اور سنہرے تاروں میں لپیٹ کر رکھتی ہے مکڑی ایک ہی ہے لیکن ضروریات کے مطابق مختلف رنگ کے تار نکال سکتی ہے۔ ہر تار ریشم کے تار سے نوے گنا کم باریک ہوتا ہے۔

ہم ابھی تک مکڑی کے جالے کا استعمال معلوم نہیں کر سکے۔ جاپان میں ایک دفعہ اس سے جرابیں اور دستانے تیار کئے گئے تھے لیکن دیرپا نہ نکلے۔ صرف

ایک فائدہ معلوم ہوا ہے وہ یہ کہ زخم سے بہتا ہوا خون اس سے رکا جا سکتا ہے۔

مکڑی کے اقسام

مکڑی کی ایک قسم جو پتھروں کے نیچے سفید گنبد نما گھر بناتی ہے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پانی سے سر نکالتی ہے۔ تنفس کی خاطر ایک تھیلی ہوا سے بھر لیتی ہے اور پھر نیچے چلی جاتی ہے۔ مکڑی کی ایک اور قسم صرف پھلوں پر جالا تنتی ہے اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ پھل کے دشمن حشرات کو پھل کے قریب نہ آنے دے۔ گویا یہ مکڑی خیمے میں رہنے والا ایک سنتری ہے جو رات دن درخت پر پہرہ دیتا رہتا ہے۔

مکڑی کی ایک قسم مائیگیل (MY GALE) زمین میں ۱/۲ ۸ انچ گہرا اور ایک انچ گول گھر بنا کر اوپر مٹی کا دروازہ لگا دیتی ہے تاکہ گھر اور باقی زمین میں تمیز نہ ہو سکے پھر گھر کے ارد گرد سبزیوں کے بیج لا کر بو دیتی ہے تاکہ گھر پر سایہ رہے اس دروازے میں سوراخ ہوتے ہیں جن میں پنجے ڈال کر دروازہ کھولتی ہے اور اگر کوئی دشمن حملہ کرے تو ان ہی سوراخوں میں پنجے ڈال کر پوری طاقت سے اندر کی طرف کھینچتی ہے تاکہ دروازہ کھل نہ سکے۔ ایک لمبی چونچ والا پرندہ اسی مکڑی کی تاک میں رہتا ہے اور جونہی مکڑی گھر سے باہر نکلتی ہے پرندہ فوراً وہاں جا پہنچتا ہے اور لمبی چونچ ان سوراخوں میں ڈال کر بچوں وغیرہ کی تلاش کرتا ہے۔ چونکہ مکڑی اس خطرے سے پہلے ہی آگاہ ہوتی ہے، اس لئے وہ انڈوں اور بچوں کے لئے پہلو میں الگ کمرہ تیار کرتی ہے جہاں اس پرندے کی چونچ نہیں پہنچ سکتی۔

ان حشرات کی اس عقل و دانش سے متاثر ہو کر ایک مغربی حکیم کہتا ہے:

"IN THESE THINGS, SO MINUTE, WHAT WISDOM IS

DISPLAYED, WHAT POWER AND WHAT UNFATHOMABLE PERFECTION".

"ان بے مقدار اشیاء کی تکوین میں اللہ نے عقل و دانش، قوتِ تخلیق اور کمالِ صناعی کا کیا حیرت آفرین مظاہرہ کیا ہے"۔

حقیقتاً اعمالِ الٰہیہ پر غور کئے بغیر اللہ کی عظمت کا صحیح تصور قائم نہیں ہو سکتا ایک یورپی مفکر کہتا ہے:

"IN CONTEMPLATION OF THINGS BY STEPS WE MAY ASCEND TO GOD".

"مظاہرِ تکوین پر غور کرنے کے بعد ہم بمدارج اللہ تک پہنچ سکتے ہیں"۔

قرآن حکیم میں عنکبوت کے ذکر کے بعد معاً یہ آیت آتی ہے:

تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ (عنکبوت ۴۳)

ہم یہ مثال لوگوں کی خاطر بیان کر رہے ہیں اور انہیں صرف اربابِ علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ ربّ العرش نے اعمالِ عنکبوت پر غور کرنے کا نام علم رکھا ہے۔ یہی وہ ایمان افروز علم ہے جس سے محروم رہ کر آج ہم پٹ رہے ہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (یونس ۱۰۱)

اے رسول: اہلِ ایمان کو زمین و آسمان کے معجزات پر غور کرنے کا حکم دے۔ ایک بے ایمان (کائنات پر غور نہ کرنے والی) قوم کو کوئی ہدایت اور کوئی تنبیہ فائدہ نہیں دیتی۔

اس آیت میں کائنات پر غور نہ کرنے والی اقوام کو بے ایمان کہا گیا ہے۔

ایک مغربی عالم کیا پتے کی بات کہتا ہے:

"HE WHO CASTS HIMSELF ON NATURE'S FAIR AND FULL BOSOM DRAWS FOOD AND DRINKS FROM A FOUNTAIN THAT IS NEVER DRY".

"جو آدمی اپنے آپ کو فطرت کی حسین اور دُودھ بھری چھاتیوں پر ڈال دیتا ہے، وُہ ایک ایسے چشمے سے غذا اور پانی حاصل کرتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا"۔

جو لوگ معجزاتِ تخلیق سے غافل رہتے ہیں وہ اللہ کی صحیح عظمت، رفعت سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ ایک چھوٹی سی ترغیب بھی انہیں راہِ راست سے منحرف کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے یہ لوگ آز و ہوا کے ہاتھ میں کھلونا بن کر دولت پرستی و حکام پرستی پر اُتر آتے ہیں اور نہایت ذلیل مقاصد کی تکمیل میں شب و روز سرگرداں رہتے ہیں۔ مکڑی کی طرح ان کا کام مکھیوں کا شکار ہوتا ہے اور بس۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

(عنکبوت ۴۱)

جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دُوسروں سے تعلقات گانٹھ لیتے ہیں وُہ اس مکڑی کی طرح ہیں جو (مکھیوں کے شکار کے لئے) جالا تن لیتی ہے کاش انہیں معلوم ہوتا کہ مکڑی کا گھر دُنیا میں کمزور ترین گھر ہے۔

پیرِ رومؒ ہمیں کس بلند مقامی کا پیام دیتے ہیں:

بزیرِ کنگرہ کبریاش مردانند
فرشتہ صید پیمبر شکار یزداں گیر

شہد کی مکھی شہد کی مکھی بہت حریص ہوتی ہے۔ ہر دکان اور ہر پھول سے شہد چرا لاتی ہے۔ بعض اوقات حلوائی کی کڑاہی میں گر کر ہلاک ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اس قدر بوجھ اٹھا لیتی ہے کہ منزلِ مقصود سے ورے ہی مر جاتی ہے۔

ہر چھتے میں ایک ملکہ ہوتی ہے جو چھتہ تیار ہونے کے بعد اس پر اس شان سے ٹہلتی ہے کہ ساتھ ساتھ چند کنیزیں ہوتی ہیں اور ہر خانے میں منہ ڈال کر دیکھتی ہے کہ آیا مکمل ہو چکا ہے یا نہیں؟ اطمینان کرنے کے بعد انڈے دینا شروع کرتی ہے اس کے انڈے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک میں سے ملکہ، دوسری سے ملک اور تیسری سے کارکن (مزدور) پیدا ہوتے ہیں مکھی ایک ہی ہے اور انڈے تین قسم کے دیتی ہے۔

اگر کبھی حادثہ کی وجہ سے ملکہ مر جائے اور چھتے میں کوئی شہزادی موجود نہ ہو تو مکھیاں کسی مزدور زادی ہی کو ملکہ مقرر کر کے تربیت دینا شروع کر دیتی ہیں۔ اگر تمام چھتے میں کوئی انڈہ موجود نہ ہو تو مکھیاں دل شکستہ ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتی ہیں۔ چھتہ اجڑ جاتا ہے اور تمام مکھیاں ہلاک ہو جاتی ہیں۔ کارکن مکھیوں میں نر و مادہ دونوں ہوتے ہیں، نر تلاشِ شہد میں جاتے ہیں اور مادہ مکھیاں گھر کو سنبھالتی ہیں۔

ملکہ کی موت پر مکھیوں میں زبردست ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے نہایت بے تابی کے ساتھ سرگوشیاں کرتی نظر آتی ہیں۔

چھتے میں دو قسم کے خانے ہوتے ہیں، بڑے اور چھوٹے چھوٹے خانوں میں کارکن جنم لیتے ہیں اور بڑے شاہی نسل کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ سفید و نیلگوں انڈوں سے (جن میں سے ہر انڈا $\frac{1}{12}$ انچ لمبا ہوتا ہے) کارکن مکھیاں پیدا ہوتی ہیں۔

جب ملکہ کسی خانے میں انڈا دیتی ہے تو دایہ مکھی نہایت احتیاط سے

اس کی تربیت کرتی ہے اور خانے پر ایک سفید غلاف چڑھا دیتی ہے۔ جب بچہ جوان ہو جاتا ہے تو خانے کا مُنہ کھول دیتی ہے۔ بچہ باہر آجاتا ہے۔ دایہ پہلے اسے چلنا پھرنا سکھاتی ہے اور پھر پھولوں تک اپنے ساتھ اُڑا کر لے جاتی ہے اور واپس لاتی ہے۔

شاہی انڈوں کی تربیت نہایت احتیاط سے کی جاتی ہے اگر کسی وقت کوئی ایسی شہزادی پیدا ہو جائے جس کی ضرورت نہ ہو تو ملکہ اسے ڈنک لگا کر فوراً ہلاک کر دیتی ہے اگر ملکہ بوڑھی ہو کر ناکارہ ہو جائے تو کسی شہزادی کو ملکہ بنا لیا جاتا ہے اور بوڑھی ملکہ کو دھکیل کر چھتے سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ ماتحت مکھیوں کی بدسلوکی سے گھبرا کر ملکہ بَین کرتی ہے جو کئی گز کے فاصلے تک سُنائی دیتا ہے۔ ان فریادوں میں اس قدر سوز ہوتا ہے کہ ہر مکھی خاموش، ملول اور بے حرکت ہو جاتی ہے۔ جُوں ہی یہ بین ختم ہوتے ہیں تمام مکھیاں ملکہ کے گرد جمع ہو کر اسے ڈنک لگاتی ہیں اور ملکہ نہایت ذلت و رُسوائی میں جان دے دیتی ہے۔

دُنیا میں نااہل، بے ہمت اور بے کار اقوام کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب تک کہ مُسلمانوں میں صلاحیتِ حیات باقی تھی وُہ آسٹریا، ممالکِ بلقان، جنوبی رُوس، نصف فرانس، سپین، شمالی افریقہ، سسلی، سائپرس، عرب، شام، عراق، ایران، ارضِ رُوم، افغانستان، ہندوستان، پاکستان اور بحر الکاہل کے جزائر پر حکمران رہے اور جب صلاحیتِ حیات کھو بیٹھے، خالی عقائد اور بے معنی اوراد و وظائف کو زندگی کا دستور العمل بنا لیا، محنت و مشقت سے کنارہ کشی کر لی، تلاش و طلب سے ہاتھ کھینچ لیا اور جذبۂ عمل سے بے گانہ ہو گئے تو اللہ نے ان کی بنیادیں ہلا دیں۔ اپنی حسین سرزمین سے

اکھیڑ کر باہر پھینک دیا اور تخت سے اٹھا کر فرش پر دے مارا لیکن ادھر ہم ہیں کہ خیر الامم ہونے کا پندار دماغوں میں بدستور باقی ہے اللہ اس قوم کو آنکھیں عطا کرے کہ یہ اپنی بُری حالت کا مشاہدہ کر سکے:

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ۝ (مدثر ۴۹-۵۱)	یہ لوگ اسباق و آیات سے یوں دُور بھاگتے ہیں جس طرح بدکے ہُوئے گدھے شیر کو دیکھ کر دوڑ پڑیں۔

رجُوع بہ مطلب

بعض اوقات ایک فالتو شہزادی کو اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ کسی نئے چھتے کی بنیاد ڈالی جائے اور یہ شہزادی ملکہ کے فرائض سر انجام دے۔

شہد کی مختلف قسمیں

عام طور پر لوگ صرف زرد رنگ کے شہد سے واقف ہیں لیکن ماہرین نحل کہتے ہیں کہ سبز، سُرخ اور ہلکے گلابی رنگ کے شہد بھی گاہے گاہے دیکھنے میں آتے ہیں۔

مغرب کے ایک حکیم مسٹر کیتی آر لوول (KATE R. LOVELL) نے جب قرآن کی یہ آیت دیکھی:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ	تیرے رب نے شہد کی مکھی کو یہ پیغام بھیجا کہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں میں اپنا گھر بنا، تمام پھلوں سے شہد حاصل کر اور اپنے رب کے دیئے ہُوئے دستور العمل کو باقاعدگی سے نباہ۔ ذرا دیکھو تو سہی کہ اس مکھی کے پیٹ سے

شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(نحل ۶۸-۶۹)

ایک شربت نکلتا ہے جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں اور جس میں امراض کی شفا بھی ہے۔ مکھی کے ان اعمال میں ان لوگوں کیلئے کئی اسباق موجود ہیں جو صحیفۂ فطرت میں غور سے کام لیتے ہیں۔

تو حیرت زدہ ہو گیا کہ عرب کا یہ امی (فداہ ابی وامی) فطرت کا کتنا بڑا عالم تھا چنانچہ لکھتا ہے:

"MUHAMMAD WAS A GREAT KING, A MIGHTY CONQUERER AND VERY CLEVER AND LEARNED MAN. FROM THE QURAN WE LEARN THAT HE WAS A LOVER OF NATURE AND THAT HE KNEW SOMETHING OF BEES AND THE VALUE OF HONEY. HE SPEAKS OF BEES BUILDING NESTS FOR THEMSELVES AND PRODUCING HONEY OF VARIOUS COLOURS. THESE THINGS WERE NOT OBTAINED WITHOUT A CERTAIN AMOUNT OF INQUIRY AND OBSERVATION".

"محمد (علیہ السلام) ایک زبردست فرمانروا عظیم فاتح، بہت ہوشیار و باعلم تھے۔ قرآن سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ فطرت کے شیدائی، مکھیوں کے اعمال کے عالم اور شہد کے افادی پہلوؤں سے آگاہ تھے۔ وہ مکھیوں کے گھر بنانے اور مختلف اللون شہد تیار کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ علم تلاش و مشاہدۂ کائنات کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔"

آنحضرت صلعم کو جس رنگ میں اس مغربی مفکر نے پیش کیا ہے وہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ ہمارے ہاں آنحضرتؐ کی انقلاب آفرین ہستی کا تخیل بس اتنا ہی ہے

کہ شفاعت سے اُمت کے گناہ مُعاف کرا رہے ہیں اور ایک دفعہ درُود شریف پڑھنے پر دس دس نیکیاں تقسیم کر رہے ہیں۔

شہد کی تلاش مکھی کا نچلا ہونٹ لمبا ہوتا ہے، یوں تو وہ سمٹا رہتا ہے لیکن پھُول سے رس نکالتے وقت پھیل جاتا ہے اور پھُول کی اندرونی تہوں تک سے رس سمیٹ لیتا ہے مکھی اس رس کا کچھ حصّہ تو پی جاتی ہے اور کچھ غذائی نالی کے قریب ایک تھیلی میں بھر لیتی ہے چھتے میں پہنچ کر اس رس کو جس پر کچھ کیمیائی عمل بھی ہو چکا ہوتا ہے، خانوں میں انڈیل دیتی ہے۔

جب مکھی پھولوں سے رس نکال رہی ہوتی ہے اس وقت پھولوں کے ذرات منویہ (POLLON) مکھی کے پروں اور پیروں سے چمٹ جاتے ہیں اور یہ ذرات (جن میں میٹھا رس بھی ہوتا ہے) ان مکھیوں کی غذا بنتے ہیں جو چھتے سے باہر نہیں جاتیں۔ ان گھریلو مکھیوں کے پاس غذا والی تھیلی نہیں ہوتی، اس لئے کہ انہیں پکی پکائی مل جاتی ہے۔ مکھیاں پھُول کی جڑ میں ڈنک لگا کر بھی رس چُوس لیتی ہیں۔

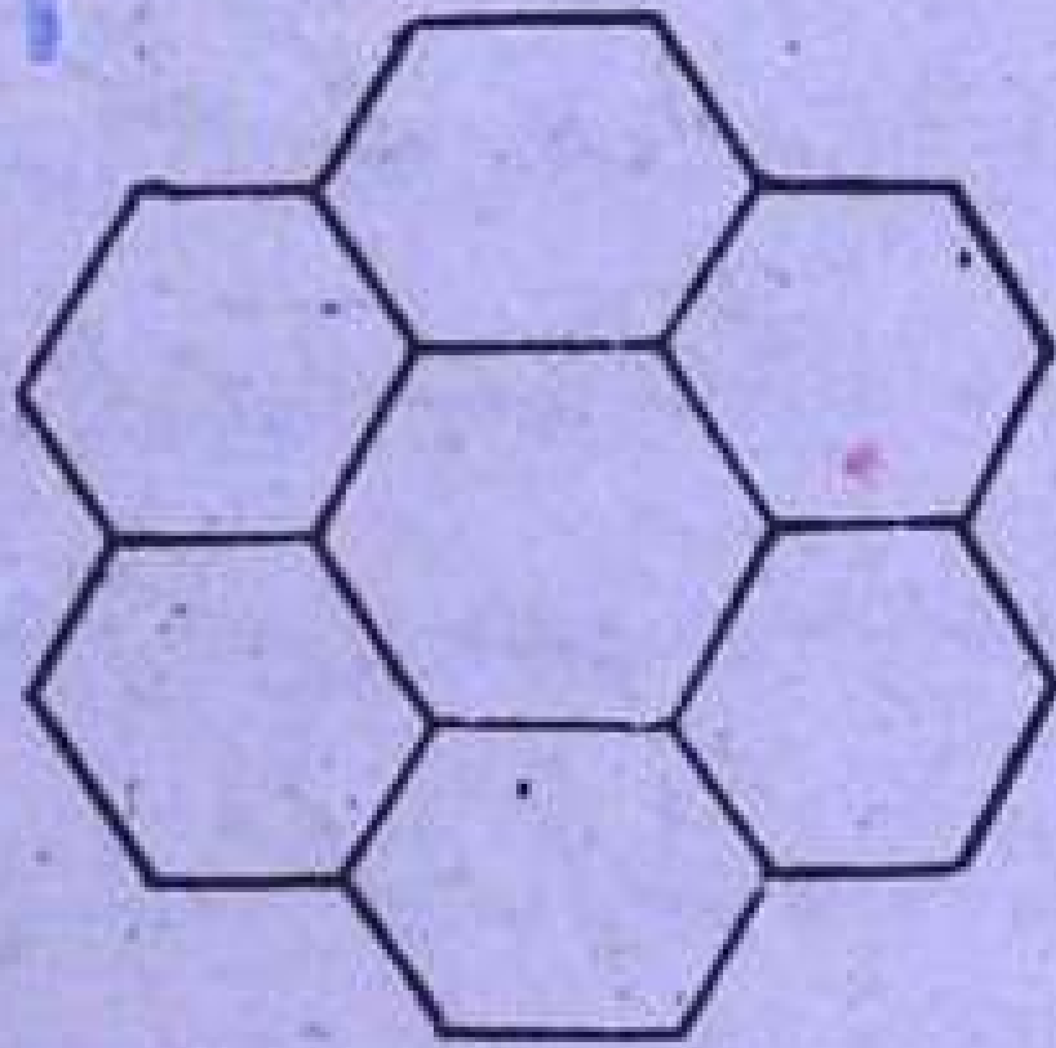
جب موسم سرما میں عموماً پھُول جھڑ جاتے ہیں اور ان کے پاس غذا کے لئے چھتے کے سوا کچھ نہیں ہوتا تو نکمّی اور سُست مکھیوں کی شامت آجاتی ہے۔ کارکن مکھیاں انہیں ڈنک سے ہلاک کر دیتی ہیں۔ سچ ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۙ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ؕ (قارعہ ۸ - ۹)	جس کے اعمال کا وزن ہلکا ہو (یعنی کاہل و بے کار) اسے جہنم کے سپرد کیا جاتا ہے۔

موم مگس شہد تازہ کونپلوں سے ایک قسم کا گوند نکال لاتی ہے موم کے ساتھ ملا کر

خانے تیار کرتی ہے۔ اگر شہد کی آمد بڑھ جائے اور خانے کم ہوں تو موم بنانے کے لئے مکھیوں کو بڑی قربانی کرنی پڑتی ہے وہ یوں کہ درجن بھر مکھیاں ایک دوسرے کے پروں کو اگلی ٹانگوں سے مضبوط تھام کر چوبیس گھنٹے کے لئے لٹک جاتی ہیں۔ اس عرصے کے بعد کسی کیمیائی عمل سے ان کی تھیلیاں جو پیٹ کے نیچے ہوتی ہیں، موم سے بھر جاتی ہیں۔

تھوڑی جگہ اور تھوڑے سے وقت میں زیادہ خانے تیار کرنے کے لئے مکھی چھ کونے خانے بناتی ہے شکل ملاحظہ ہو:



"SO WORK THE HONEY BEES, CREATURES, THAT BY A RULE IN NATURE TEACH THE ACT OF ORDER TO THE KINGDOM OF PEOPLE".

یہ ہیں مگسِ شہد کے اعمال، یہ ننھی سی مخلوق الہام الٰہی کے طفیل انسانی دنیا کو ضبط و باقاعدگی کا سبق سکھلاتی ہے (مغرب کا ایک حکیم)

نحل کے پر

نحل کے چار پر ہوتے ہیں۔ اڑتے وقت پچھلے پر اگلے پروں کے ساتھ چند کنڈیوں کے ذریعے پھنس کر ایک پر کی طرح بن جاتے

ہیں۔ ان پر ملائم سی پشم ہوتی ہے تاکہ بارش کے قطرے اُوپر سے بہہ جائیں اور پر نہ بھیگنے پائیں پروں کے نیچے نالیوں میں ہوا بھری ہوتی ہے تاکہ پرواز میں آسانی رہے۔

جب گرمیوں میں چھتہ تپ جاتا ہے اور شہد کے بہہ جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو چند مکھیاں پروں سے ہوا دے کر چھتے کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔

آنکھیں

نحل کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں۔ تین سر کی چوٹی پر اور دو سر کے دائیں بائیں ان میں سے ہر آنکھ ساڑھے تین ہزار آنکھوں کا مجموعہ ہوتی ہے یعنی اس میں ہر چیز کی ساڑھے تین ہزار تصاویر اُترتی ہیں۔ یہ آنکھیں ہماری آنکھوں کی طرح اِدھر اُدھر حرکت نہیں کر سکتیں یہ غالباً اس لئے کہ تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے گردش کئے بغیر ہر طرف دیکھ سکتی ہیں۔

سر والی آنکھوں کا تعلق کچھ پرواز سے بھی ہوتا ہے۔ اس مکھی کا قاعدہ ہے کہ پہلے آسمان کی طرف اڑتی ہے اور پھر ایک طرف کو خطِ مستقیم بناتی ہے ایک مرتبہ ایک عالمِ فطرت نے چند مکھیوں کے سر پر رنگ چھڑک دیا تاکہ سر والی آنکھیں بے کار ہو جائیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکھیاں سیدھی آسمان کی طرف اڑ گئیں اور کسی جانب کو خطِ مستقیم نہ بنا سکیں۔

ڈنک

جب مکھی کسی جسم میں ڈنک چبھو دیتی ہے تو ڈنک اندر ہی رہ جاتا ہے مکھی اڑ جاتی ہے اور بعد میں مر جاتی ہے۔ یہ کیوں، اس لئے کہ آلہ حفاظت سے محروم ہو جاتی ہے اور قدرت کے اس اٹل آئین کے مطابق (کہ جو اقوام اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتیں وہ مٹا دی جاتی ہیں) وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔

ایک مغربی مفکر اعمالِ نحل پر مدتوں غور کرتا رہا۔ ذرا اس عالم فطرت کے تاثرات

ملاحظہ ہوں۔ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

"HOW MIGHTY AND HOW MAJESTIC ARE THY WORKS AND WITH WHAT A PLEASANT DREAD THEY SWELL THF SOUL".

"اے رب! تیرے اعمال کس قدر عظیم ہیں جو ہماری رُوح میں ایک خوشگوار خوف (خشیہ) پیدا کر کے اسے اور بلند بنا دیتے ہیں۔"

اس انگریز کے یہ تاثرات مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ معلوم ہوتے ہیں:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا (فاطر ۲۸)	اللہ کا خوف صرف علمائے فطرت کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔

یادِ خدا قرآنِ حکیم میں اللہ کو یاد کرنے کا بار بار حکم دیا ہے۔ ہمارے ہاں اس حکم کی تفسیر یہ ہے کہ ایک لمبی تسبیح لے کر روزانہ ایک ہزار مرتبہ اللہ اللہ جپ چھوڑ دا در غلاصی ہوئی۔ اس بے کیف و بے لذت ذکر کا کوئی فائدہ؟ ہم غالب و اقبال کے اشعار پڑھتے ہیں تو ہر شعر پر بے ساختہ آہ یا واہ نکل جاتی ہے۔ یہ صحیفۂ کائنات اللہ کا ایک دیوان ہے۔

خندۂ شبنم، بہارِ گُل، فروغِ مہر و ماہ
واہ کیا اشعار ہیں دیوانِ فطرت کے لئے (جوش ملیح آبادی)

جہاں ہر طرف رنگین، وجد آور اور حسین شعر بکھرے پڑے ہیں۔ حیرت ہے کہ ان سے متاثر ہوئے بغیر ایک انسان کیونکر پاس سے گذر جاتا ہے اور پھر حجرے کے تاریک گوشے میں وہ کون سی نیرنگیاں موجود ہیں جن سے متاثر ہو کر یہ اللہ کے نعرے

لگاتا ہے۔ اللہ کے اشعار تو بحر و بر میں، دشت و جبل میں اور اس حسین ارض و سما میں بکھرے ہوئے ہیں ہمارا ذکرِ خدا ایک تاریک کونے میں آدھی رات کو شروع ہوتا ہے۔

میرے نزدیک ذکرِ خدا اس خشیہ، اس رعب، اس کیف اور اس آہ یا واہ کا نام ہے جو اس کے اعمال پر غور کرنے کا حتمی نتیجہ ہے اور جس میں کسی ہُو ہُو کی قطعاً گنجائش نہیں:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

(اعراف ۲۰۵)

تم اپنے رب کو دل میں یاد کرو۔ یہ یاد اس خشوع و خشیہ کا نتیجہ ہوتی ہے جو اعمالِ الٰہی کے مطالعہ سے پیدا ہوتا ہے۔ صبح و شام اُونچے اُونچے نعرے لگانے کی ضرورت نہیں اور دیکھو اعمالِ الٰہی سے غافل نہ ہو جانا۔

یہی وہ ذکرِ خدا ہے، جس سے دل دہلتے ہیں۔

اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ (انفال ۲)

اعمالِ الٰہی کا ذکر سن کر اُن کے دل کانپ جاتے ہیں۔

اور یہی وہ آیات ہیں جن سے ایمان بڑھتا ہے۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (انفال ۲)

اور ہماری آیات سن کر اُن کا ایمان بڑھتا ہے۔

ایک دفعہ کفارِ عرب نے آنحضرتؐ سے کوئی معجزہ طلب کیا جواب میں ارشاد ہوا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ

وہ کہتے ہیں کہ اللہ رسول پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کرتا۔ اے رسول! انہیں کہہ دے کہ اللہ کو معجزات اتارنے کی طاقت حاصل ہے لیکن یہ لوگ بڑے بے علم و جاہل ہیں کیا دیکھتے

يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔

(انعام ۳۷-۳۸)

نہیں کہ زمین پر چوپاؤں کی ایک دنیا آباد ہے اور ہوا میں رنگ برنگ پرندے اڑ رہے ہیں جن کی فنا و بقا کا آئین تمہاری ہی طرح ہے۔

تو کیا یہ طیور و حیوانات معجزے نہیں؟ یقیناً ہیں لیکن جہالت اور اندھے پن کا کوئی علاج نہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝

(یوسف ۱۰۵)

ارض و سما میں معجزات کی ایک دنیا موجود ہے لیکن یہ لوگ غافلوں کی طرح مُنہ پھیر کر پاس سے گزر جاتے ہیں۔

مچھّر مچھر کے مُنہ کے سامنے ایک مودار نالی سی ہوتی ہے جس سے جسم میں سوراخ کر کے اندر زہر داخل کیا کرتا ہے اس کے انڈوں کی غذا خورد بینی حیوانات ہوتے ہیں۔ یہ انڈے ہوا حاصل کرنے کے لئے سطحِ آب پر آجاتے ہیں۔ مُنہ پانی کے اندر اور دُم باہر رکھتے ہیں۔ دُم میں تنفس کے لئے ایک سُوراخ ہوتا ہے جب مچھّر انڈوں سے نِصف باہر آتے ہیں تو پھر تنفس کے لِئے ان کی پیٹھ میں ایک سُوراخ بن جاتا ہے۔ ولادت کے وقت انڈے سطح پر آجاتے ہیں۔ حرارتِ آفتاب سے انڈوں کے خول خشک ہو کر پھٹ جاتے ہیں اور مچھّر باہر آجاتے ہیں اور جب سُورج کی گرمی سے ان کے پر خشک ہو جاتے ہیں تو اڑ جاتے ہیں۔

ولادت کے وقت ہر انڈا ایک طرف سے کھُل جاتا ہے اگر مچھّر ذرا بھی حرکت کرے تو اس خول میں پانی بھر جائے اور مچھّر ہلاک ہو جائے مچھّر کو یہ سب کچھ معلوم ہوتا ہے، اِس لِئے بے حس سا ہو کر نہایت سکون سے پڑا رہتا ہے۔ اگر کسی وقت

آندھی چل پڑے تو یہ تمام غول دفعتہً ڈوب جاتے ہیں۔ ہوا کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر روز سینکڑوں من مچھروں کے بچے جھیلوں اور جوہڑوں میں غرق کر دیتی ہے ورنہ یہ حقیر سی مخلوق انسانی زندگی کو وبال بنا دیتی۔

انسان جیسی مدبر اور ذی عقل مخلوق کا مچھر سے مغلوب ہونا الٰہی کار فرمائی کا ایک عظیم الشان کرشمہ ہے۔ رات کے وقت یہ تمام مخلوق کا ناک میں دم کر دیتا ہے۔ تمام بستیوں پر اسی کی حکومت ہوتی ہے۔ بادشاہ تک اس سے کانپتے ہیں اور مچھر جالیوں کے قلعوں میں چھپتے پھرتے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے پاس طاقت کا ایک زبردست اوزار یعنی زہریلا پمپ ہے اور دنیا کی حاکم ایسی ہی اقوام ہوا کرتی ہیں جن کے پاس اپنوں کے لئے تریاق اور اعداد کے لئے زہر ہلاہل موجود ہو۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح ۲۹)	مومن اللہ کے نافرمانوں کے مقابلہ میں سخت اور اپنوں کے سامنے بہت نرم ہوتا ہے۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دِل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں (اقبال)

ایک بُت تراش کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ سنگِ مرمر سے ہاتھی، گھوڑے یا اونٹ کا مجسمہ تراش لے لیکن یہ قطعاً ناممکن ہے کہ وہ مچھر کا مجسمہ تیار کر سکے اس کی آنکھیں، سر، سونڈ، ٹانگیں، رگیں، انتڑیاں، پَر اور بال تیار کرنا اس صانع کی طاقت سے وراء الورا ہے۔ ادھر اللہ تعالیٰ کا کمالِ صناعی دیکھئے کہ مچھر سے سینکڑوں گنا چھوٹے حشرات خلق کر کے انہیں ہر لحاظ سے مکمل بنا دیا۔ وہ چل رہے ہیں، دوڑ رہے ہیں اُڑ رہے ہیں۔ الٰہی خلاقی کا کمال دیکھنا ہو تو ان حقیر چیزوں کو دیکھو۔ انصافاً فرمائیے کہ

اگر خلق و تکوین کے ان شاہکاروں کا ذکر قرآنِ حکیم میں آجائے تو کون سی عیب کی بات ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِىٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ

(بقرہ ۲٦)

اللہ سبحانہٗ مچھر کے ذکر سے کیوں شرمائے؟ کائنات کے عالم جانتے ہیں کہ اللہ حقیقت بیان کر رہا ہے لیکن جاہل نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں ارے یہ قرآن میں مچھر کا ذکر کیوں آگیا۔ حقائق پہ غور کرنے والے ہدایت پا جاتے ہیں اور باقی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔ یہ بھٹکنے والے فاسق ہیں۔

مکھّی

مکھّی کئی لحاظ سے مفید ہے۔ یہ دُنیا کی صفائی پر متعین ہے۔ ہم انسان سطحِ زمین کو غلیظ بناتے ہیں یہ غلاظت کو چاٹ کر صاف کرتی ہے۔ جہاں غلاظت زیادہ ہو، وہاں قدرت کے یہ جاروب کش بھی زیادہ ہو جاتے ہیں صاف کمروں میں مکھیاں نہیں ہوتیں اس لئے کہ وہاں ان کی خدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جو کام کہ میونسپلٹی کے خاکروب نہیں کر سکتے، اسے مکھّی سر انجام دیتی ہے جس طرح خاکروب کی ذات میں ناپاکی نہیں بلکہ اس کے کام میں ہوتی ہے۔ اسی طرح مکھّی خود کوئی بُری چیز نہیں بلکہ انسانی غلاظت کو صاف کرنے کی وجہ سے اس کی ٹانگیں اور پر گندے ہو جاتے ہیں۔ مردار کو کھانے والے سفید کیڑے مکھی ہی کے انڈوں سے نکلتے ہیں۔

بعض جانور انڈوں کو کچھ عرصے تک سیتے رہتے ہیں لیکن مکھّی کو انڈے دے کے بیٹھنے

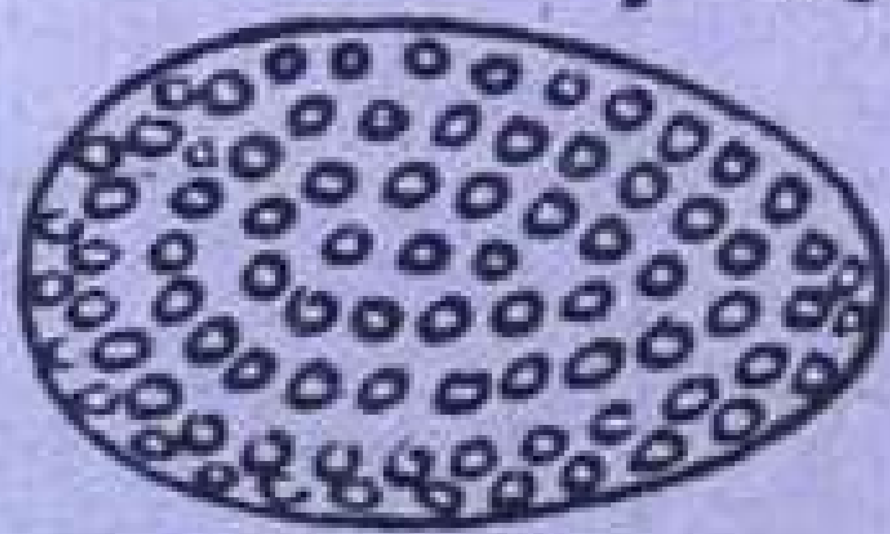
کی فرصت نہیں ہوتی، اس لئے یہ انڈے دسے کر چلتی بنتی ہے اور قدرت خود اس کے بچے نکالنے کا انتظام کرتی ہے۔

مکھی ایک سیکنڈ میں چھ سو مرتبہ پَر مارتی اور پانچ فٹ کی مسافت طے کرتی ہے ایک گھنٹے میں اٹھارہ ہزار فٹ اڑتی ہے۔ اگر مکھی ڈر جائے تو اس کی رفتار بیس میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے۔

تنفّس کے لئے مکھی کے پیٹ میں دو سُوراخ ہوتے ہیں، جو بالوں سے ڈھکے رہتے ہیں تاکہ گرد و غبار اندر نہ آسکے۔ مکھی میں سونگھنے کی طاقت بہت تیز ہوتی ہے لیکن ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کہاں سے سُونگھتی ہے۔

مکھی الٹی ہو کر چھت پر کیسے چلتی ہے؟ ہنوز ایک معمّہ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی ٹانگوں میں باریک کُنڈیاں سی لگی ہوتی ہیں جنہیں لکڑی وغیرہ کے مساموں میں پھنسا لیتی ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی ٹانگوں سے ایک لیس دار رس نکلتا ہے جس کی بدولت یہ چھت وغیرہ سے چپکی رہتی ہے۔

مکھی کی پانچ آنکھیں ہوتی ہیں اور ہر آنکھ چار ہزار چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے مرکب ہوتی ہے شکل تقریباً یہ ہے:



جب انڈے میں بچہ تیار ہو جاتا ہے تو مکھی سر کی ٹکر سے انڈے کو پھوڑ دیتی ہے۔ بچہ باہر آجاتا ہے۔ اس کے پَر بھیگے ہُوئے ہوتے ہیں۔ یہ اگلی ٹانگوں سے پروں کو خشک کرتا ہے اور پھر اڑ جاتا ہے۔ مکھی کی عُمر تقریباً ایک مہینہ ہوتی

ہے۔ اس عرصے میں بے شمار انڈے دیتی ہے۔ عُلمائے فطرت نے اندازہ لگایا ہے کہ صرف ایک موسم میں ایک مکھّی کی نسل بیس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

قدرت کی پاکیزہ اشیاء کو انسان کھاتا ہے۔ انسان کی خارج کردہ غلاظت مکھیوں کی غذا بنتی ہے۔ مکھیوں کو دُوسرے حشرات وطیور کھا جاتے ہیں۔ بہ دیگر الفاظ نباتات حیوانات کی غِذا ہیں۔ حیوانات ہماری غذا، اور ہم مرنے کے بعد چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی غِذا بن جائیں گے۔ اِس اندوہ ناک انجام سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ ہم حدودِ زمان و مکان کو توڑ کر جاوداں بن جائیں:

عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سِوا
اور زمانے بھی ہیں، جن کا نہیں کوئی نام (اقبالؒ)

انسان طیارے بنا سکتا ہے لیکن درخت سے گرے ہُوئے پتّے کو اپنی جگہ نہیں چپکا سکتا۔ ایک مکھی تک نہیں بنا سکتا۔ محکمہ خلق اللہ کا "ہوم ڈیپارٹمنٹ" ہے جس میں انسان دخل نہیں دے سکتا۔

طاقت کو اعتراف شکست

مکھّی کے پاس پَر ہیں، کئی ہزار آنکھیں ہیں۔ لیکن عنکبوت جیسا بے بس جانور اس پر قابو پا لیتا ہے۔ دُوسری طرف مکھی ہمیں تمام دن ستاتی ہے۔ نہ آرام سے سونے دیتی ہے اور نہ کام کرنے دیتی ہے۔ ہماری غذا کی پاکیزگی و نفاست ہم سے چھین لی جاتی ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر انسان مکھّی کے سامنے یوں بے بس ہے تو الٰہی قانون کی مخالفت اسے اللہ سے کیسے بچا سکے گی۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا | اے لوگو سنو! ہم نہیں ایک کام کی بات

لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (حج ۷۳-۷۴)

سناتے ہیں جو لوگ اللہ کے بغیر تمہارے معبود بنے بیٹھے ہیں وہ تمام مل کر ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ واپس نہیں لے سکتے عابد و معبود ہر دو بے بس ہیں۔ کائنات میں صرف اللہ ہی غالب و طاقت ور ہے۔

زنبورِ سیاہ یہ زنبور مٹی کے گھر بناتی ہے اور اپنے بچّوں کے لئے کیڑے مکوڑے پکڑ لاتی ہے۔ انہیں ڈنک سے بے ہوش کر دیتی ہے تاکہ بھاگ نہ جائیں اور ڈنک صرف اتنا لگاتی ہے کہ وہ جیتے رہیں۔ اس لئے کہ اگر مر جائیں تو اس کے گھر میں بدبو پھیل جائے۔

کرائیسس (CHRYSIS) یہ ایک خوبصورت مکھی ہے۔ دُم سنہری اور پر سبز ہوتے ہیں اس کا رنگ ہر موسم میں بدلتا رہتا ہے۔ یہ مکھی اپنے انڈے ایک اور قسم کی مکھی کے گھر میں دیتی ہے۔ جب گھر کی مالکہ باہر سے آکر ایک اجنبی کو اپنے آشیانے میں دیکھتی ہے تو اسے ڈنک سے فوراً ہلاک کر ڈالتی ہے اس خیال سے کہ اس کی نسل باقی رہ گئی یہ مکھی بہ خوشی جان دے دیتی ہے۔ جب اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی گھر والی کے بچے بھی نکل آتے ہیں تو کرائیسس کے بچے ماں کا انتقام لینے کے لئے آشیانے کی تمام غذا جلدی جلدی ختم کر ڈالتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالکہ کے بچے بھوکے مر جاتے ہیں۔

بلیک بیٹل (BLACK BEETLE) اس کی مادہ جب انڈوں پر آتی ہے تو اپنے

جسم سے ایک رس نکال کر ایک ٹوپی سی بناتی ہے جس میں چھوٹے چھوٹے سولہ کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں ایک انڈا رکھ دیتی ہے اور اوپر سے بند کر دیتی ہے۔ جب بچے تیار ہو جاتے ہیں تو اپنی تھوک سے اس غلاف کو بھگو کر نرم کرتی ہے غلاف پھٹ جاتا ہے اور بچے باہر آجاتے ہیں۔ یہ بچے چار سال میں کامل بنتے ہیں اور اس عرصے میں سات دفعہ جلد بدلتے ہیں۔ ان کا رنگ سیاہ ہوتا ہے لیکن جلد بدلنے کے بعد چند دن تک سفید رہتے ہیں۔ یہ کھٹملوں کو کھاتے ہیں اور خود چوہوں، بلیوں اور بعض پرندوں کی غذا بن جاتے ہیں۔ زرد رنگ کے پیراسائٹ (PARASITES) تمام عمر ان کی پیٹھ پر سوار رہتے ہیں اور ان کا خون چوستے ہیں۔

یہ کیڑا پرانے زمانے سے چلا آتا ہے۔ پہاڑوں سے اس کی اسّی انواع کے فوسل دستیاب ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس کا نافع پہلو ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا اور علمائے حشرات کی رائے بدستور یہی ہے کہ یہ غیر اصلح کا بقا ہے ممکن ہے کہ چند صدیوں کے بعد علم کی ترقی اس غلط فہمی کا ازالہ کر سکے۔

کرین فلائی (CRANEFLY) یہ اپنی دُم نرم زمین میں ڈال کر دو انڈے دیتی ہے اور سو انڈے دینے کے بعد مر جاتی ہے۔

ٹڈی یہ خاکی رنگ کا مونچھوں والا جانور ہمارے ریشمی کپڑوں کا دشمن ہوتا ہے۔ شام کے وقت کان لگا کر سنو۔ کیا سُریلی آواز آرہی ہے۔ یہ آواز نر کی ہے جو مادہ کو گیت سنا رہا ہے۔ اس کا دماغ گردن کے نیچے ہوتا ہے۔ اس کی بعض انواع اڑتی بھی ہیں۔ بعض کے کان ٹانگوں کے ساتھ اور سوراخ ہائے تنفس پہلو میں ہوتے ہیں۔ حشرات عموماً بہرے ہوتے ہیں لیکن ٹڈی سن سکتی ہے۔ دلیل یہ کہ جب

گا رہی ہو اور پاس سے کوئی آدمی بول اُٹھے تو فوراً چُپ ہو جاتی ہے۔ اگر کسی مکوڑے وغیرہ سے اس کی لڑائی ہو جائے تو اپنے تیز دانتوں سے اس کا گلا کاٹ ڈالتی ہے اور نوش جان کر کے پھر گانے لگ جاتی ہے۔

دیمک کی ایک قسم

یہ چیونٹیاں جنوبی افریقہ اور امریکہ کے بعض حصّوں میں پائی جاتی ہیں۔ پندرہ سے لے کر بیس فٹ تک اُونچا گھر بناتی ہیں۔ ان کے اُونچے اُونچے مخروطی شکل کے گھر دُور سے یُوں نظر آتے ہیں، گویا دہقانوں کے گلی جھونپڑے ہیں۔ ہر گھر محرابوں پر اُٹھایا جاتا ہے۔ چھتیں اس قدر مضبوط ہوتی ہیں کہ کئی آدمیوں کا بوجھ سہار سکتی ہیں۔ ہر گھر کے مرکز میں ملک و ملکہ رہتے ہیں، ارد گرد مزدوروں کے کمرے ہوتے ہیں۔ ان سے آگے دایہ جماعت کے کمرے اور پھر گودام۔ اس گھر کا کوئی دروازہ نہیں ہوتا اور نہ ان چیونٹیوں کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے مٹی کے نیچے رہتی ہیں تاکہ پرندوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ اگر سفر کا ارادہ کریں تو مٹی کی ایک سُرنگ بنا بنا کر اندر اندر چلتی ہیں ان کے بعض افراد روشنی میں چلنے پھرنے کی وجہ سے صاحبِ نظر ہوتے ہیں۔

مردوں کے دانت اس قدر مضبوط رہتے ہیں کہ لکڑی کو چند دقیقوں میں ریزہ ریزہ کر دیتے ہیں۔ ان کی ملکہ ایک چھوٹے کمرے میں بند رہتی ہے۔ اس کمرے کا دروازہ اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ملکہ باہر نہیں نکل سکتی اسے غذا اندر ہی پہنچا دی جاتی ہے چونکہ یہ ساری قوم اندھی ہوتی ہے اور انہیں خطرہ رہتا ہے کہ ملکہ کہیں آگے پیچھے نہ ہو جائے اس لئے اسے کمرے میں بند کر دیتے ہیں۔ ملکہ روزانہ اسّی ہزار انڈے دیتی ہے اور آرام طلبی کی وجہ سے انسانی انگوٹھے جتنی موٹی ہو جاتی ہے۔

اگران چیونٹیوں کو انسانی قد و قامت دے کر بقدر جثہ مینار بنانے کی طاقت بھی بڑھا دی جائے تو یہ ۲۸۸۳ فٹ اونچا مینار بنا کر سکیں گی مصر کا سب سے بڑا مینار چار سو ستر فٹ بلند ہے۔

جگنو مادہ کی دُم سے زیادہ روشنی نکلتی ہے اور نر سے بہت کم۔ مادہ نر سے بڑی اور بے پر ہوتی ہے۔ نر کی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں تاکہ کافی فاصلہ سے مادہ کو دیکھ سکے۔ مادہ اپنی روشنی سے حملہ آوروں کو ڈرا سکتی ہے اور نر کے پاس یہ حفاظتی ٹارچ تقریباً نہیں ہوتا اس لئے اسے پر عطا ہوئے۔

مادہ روشنی سے تین فائدے اٹھاتی ہے: (۱) دشمنوں سے حفاظت۔ (۲) روشنی میں تلاشِ غذا (۳) اور کہ دُور سے نر کو نظر آتی رہے۔

روشنی حرارت سے علیحدہ نہیں ہو سکتی لیکن جگنو کی روشنی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے اگر اس کی روشنی میں حرارت ہوتی تو یہ ہر خشک و تر کو آگ لگا دیتا اور ہر روز آتش زدگی کے لاکھوں افسوس ناک واقعات رونما ہوتے اگر اللہ آج جگنو کی روشنی میں حرارت بھر دے تو ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں اور یہ حسین کائنات جل کر خاکستر ہو جائے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر ۴۵)	اگر اللہ انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا دینا چاہے تو سطحِ زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے۔

پسّو اہلِ شام سقراط سے مذاق کیا کرتے تھے کہ یہ تمام دن پسّو کی چھلانگ ناپتا رہتا ہے۔ یہ مذاق کی بات نہیں، بلکہ مقامِ حیرت ہے کہ اتنا چھوٹا سا پسّو اتنی اونچی چھلانگ کیسے لگا سکتا ہے؟ یہ اپنے جسم کی لمبائی سے دو سو گنا زیادہ کود سکتا ہے اگر ایک آدمی بھی اتنا کود سکتا تو گیارہ سو فٹ تک ہوا میں اونچا جاتا۔

جنوبی امریکہ میں ایک پسّو جسم میں سوراخ کر کے نیچے چھپ جاتا ہے اور بے حد دُکھ کا باعث بنتا ہے۔ سُنا ہے کہ اگر ایک پودہ (WARM WOOD) کو کمرے میں رکھا جائے تو پسّو بھاگ جاتے ہیں۔

کالی بھڑ گوبر وغیرہ پر آپ نے کالی کالی بھڑیں دیکھی ہوں گی جو گوبر کی گولیاں بنا کر ادھر اُدھر جا رہی ہوتی ہیں اگر راہ میں کوئی چٹان وغیرہ آجائے اور یہ گولی گر جائے تو بھڑ نیچے آ کر پھر کوشش کرتی ہے اور آخر کامیاب ہو جاتی ہے۔ اس گولی میں ایک انڈا ہوتا ہے اور یہ گوبر پیدا ہونے والے بچے کی خوراک بنتا ہے۔

قدیم مصریوں نے اس بھڑ کی محنت و مشقت سے متاثر ہو کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ پتھروں، زیوروں، عمارتوں اور سکّوں پر اس کی تصویر بناتے اور اسے شب و روز، سال و ماہ اور آفتاب و زمین کا پیکر خیال کرتے تھے۔

اس بھڑ کے سر پہ پانچ کلغیاں سی ہوتی ہیں جنہیں مصری سورج کی کرنوں سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس کی گولی بنانے کو یوں سمجھا جاتا تھا کہ گویا خدا زمین بنا رہا ہے۔ اس کی چھ ٹانگوں اور ایک سر (۶ + ۱ = ۷) کو ہفتہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی ہر ٹانگ پہ پانچ دندانے سے ہوتے ہیں جنہیں (۶ × ۵ = ۳۰) ایک ماہ قرار دیا جاتا تھا۔ یہ جانور دو مفید کام کرتا ہے۔ اوّل سطحِ زمین کو صاف کرتا ہے۔ دوم ان گولیوں کو زمین میں دفن کر کے زمین کو زرخیز کرتا ہے۔

اس غریب مخلوق کو مدافعت کے لئے نہ ڈنک دیا گیا ہے اور نہ تیز دانت ہاں ایک فریب ضرور دیا گیا ہے (اور وہ یہ کہ جوں ہی اسے چھیڑا جائے، یہ فوراً

سانس کھینچ کر زمین پر یوں بے حس لیٹ جاتی ہے کہ گویا غریب کا دم نکل چکا ہے حملہ آور اسے مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور چونکہ داؤ کھیلتے وقت یہ زمین پر چت لیٹ جاتی ہے اس لئے اس کی گندی ٹانگوں کی بدبو سے حملہ آور دُور ہٹ جاتا ہے اور یہ کچھ دیر کے بعد اٹھ کر اپنی راہ لیتی ہے۔

کوچی نیل (COCHINEAL) مشرقی اندلس میں اس کیڑے سے سُرخ رنگ حاصل کیا جاتا ہے اسی نوع کا ایک کیڑا درختوں کی ٹہنیوں اور تنوں کو مُنہ سے کاٹتا ہے۔ درخت سے ایک رس نکلتا ہے جسے یہ کیڑے بطور غذا اور انسان لاکھ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کیڑوں کی ولادت سے پہلے ان کی ماں مر جاتی ہے۔ بچے مُردہ ماں کے پیٹ میں پلتے رہتے ہیں اور جوان ہو کر باہر آجاتے ہیں۔

بیلوں کی مکھی یہ مکھی بیل کے جسم کو کاٹ کر اندر انڈے دیتی ہے۔ جب بچے نکل آتے ہیں تو یہ اپنی دُم سوراخ سے باہر رکھتے ہیں تاکہ زخم مل نہ جائے اور یہ اندر ہی پھنس کر رہ نہ جائیں۔ جب نیم جوان ہو جاتے ہیں تو بیل کے جسم سے گر کر مٹی کے نیچے چھپ جاتے ہیں اور پھر مکمل ہو کر باہر آتے ہیں۔

ان مکھیوں کی ایک نوع بھیڑ کی ناک میں انڈے دیتی ہے۔ بچے غذا کے لئے دماغ میں چلے جاتے ہیں اس عرصے میں بھیڑ بہت زیادہ چھینکتی اور دُکھ اٹھاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ زمین پر گر پڑتے ہیں اور کامل بن کر اڑ جاتے ہیں۔

درختوں کی مکھی یہ مکھی درخت کی شاخوں کو زہر بھرا ڈنک لگاتی ہے اور معاً ایک انڈا بھی دیتی ہے اس زہر سے شاخ کا یہ حصّہ سُوج جاتا

ہے اور بعد میں یہی سوجا ہوا حصّہ بچّے کی غذا بنتا ہے۔

تو یہ ہیں دُنیائے حشرات کے چند اسباق جن سے ہم آنکھیں بند کر کے گزر جاتے ہیں۔ ذرا اس تنبیہہ پر غور فرمائیے:

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۝ (سبا-۹)

کیا یہ لوگ اپنے آگے پیچھے ارض و سما کے عیاں و نہاں معجزات پر غور نہیں کرتے؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں اسی زمین میں دھنسا دیں یا بام فلک کو ان کے سروں پر گرا دیں۔ ہماری اس تنبیہہ سے صرف خدا پرست فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

باب ۷

دُنیائے آب

وَمَا یَسْتَوِی الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۖ وَتَرَی الْفُلْكَ فِیْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

(فاطر-۱۲)

زمین کے دو سمندر برابر نہیں۔ ایک میٹھا اور پیاس بجھانے والا ہے، جس کا پینا آسان ہے اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے ان سمندروں سے تم تازہ گوشت حاصل کرتے ہو اور سامانِ زینت (موتی وغیرہ) نکال کر پہنتے ہو۔ تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ وہ پانی کی سطح کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہیں کہ تم تجارت کر کے اللہ کی رحمت (دولت) کما سکو اور پھر اس دولت کو قوم کے قیام و استحکام پر صرف کر کے عملاً شکر کر سکو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ زمین کے اُوپر ایک کھاری سمندر ہے اور زمین کے اندر میٹھا۔ اللہ کی رحمت دیکھئے کہ یہ میٹھا سمندر کھاری سمندر سے متاثر نہیں ہوتا۔ سمندر کا پانی کڑوا ہے لیکن اگر ہم ساحل پر کنواں کھودیں تو عموماً پانی میٹھا نکلے گا۔ ان ہر دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل ہے کہ ایک کا اثر دُوسرے تک نہیں پہنچ سکتا۔

وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

اللہ نے ان دو سمندروں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی ہے کیا یہ کام خدا کے سوا کوئی اور کر سکتا ہے؟

بادل سمندر سے بنتے ہیں۔ سمندر کھاری ہے اور بادل کا پانی میٹھا۔ ارب کھرب

لولا ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لکبتتھا الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا فانا قد قرأناھا

(موطا صلی ۳۴۴)

اگر لوگ یہ مجھے یہ نہ کہتے کہ عمر بن خطاب نے قرآن میں اضافہ کر دیا ہے تو میں یہ آیت اس میں اضافہ کر دیتا الشیخ والشیخۃ ... کہ جب کوئی بوڑھا اور بڑھیا زنا کے مرتکب ہوں تو انھیں سنگسار کر دو۔ ہم یہ آیت قرآن میں پڑھتے

اگر پڑھتے رہے تو نکالی کس نے؟ اور اگر نکال دی گئی تھی تو اللہ کا وعدہ حفاظتِ قرآن کیا ہوا؟

اس موضوع پر ایک قول بخاری میں بھی موجود ہے۔

عن عمر بن خطاب قال ان اللہ بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم وانزل علیہ الکتاب فکان فیما انزل آیۃ الرجم۔

عمرؓ بن خطاب فرماتے ہیں کہ اللہ نے محمدؐ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اور اس پر ایک کتاب نازل کی۔ جس میں آیت رجم بھی موجود تھی۔

یعنی امام بخاری نے بھی یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن میں آیت رجم موجود تھی۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ گئی کہاں؟

یہ خرابی محض اس لیے پیدا ہوئی۔ کہ امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث کی نظر ہمیشہ راویوں پر رہی۔ اور یہ نہ دیکھا کہ مضمون روایت کیا تھا۔ اور اس سے کس قدر مفاسد پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ آج اعدائے اسلام

یہی احادیث پیش کر کے ہمیں کہتے ہیں - کہ تمھارے قرآن میں ردوبدل ہوتا رہا - اور اس کی آیات انسانی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکیں کوئی بتاؤ کہ ہم اس الزام کا کیا جواب دیں - ؟

تحریف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

حضرت علقمہ رض فرماتے ہیں کہ میں شام میں حضرت ابوالدرداؓ سے ملا تو آپ نے پوچھا کہ حضرت عبداللہ سورہ واللیل کی تلاوت کیسے کرتے ہیں - تو میں نے کہا، اس طرح :

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى

آپ نے فرمایا :- خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلعم سے یہ آیات بالکل اسی طرح سنی ہیں - اور میں اسی طرح پڑھوں گا -

(صحیح مسلم ج ۲ - ص ۳۶۶)

تو گویا تین جلیل القدر صحابہ نے شہادت دے دی کہ یہ آیات مذکورہ بالا صورت میں نازل ہوئی تھیں - لیکن آج قرآن شریف میں یوں درج ہیں -

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى - وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى -

اب کس کو صحیح تسلیم کریں ؟ ان صحابہ کو ؟ صحیح مسلم کو ؟ یا قرآن شریف کو ؟ لازماً یہی کہنا پڑے گا - کہ ہمارا قرآن صحیح ہے اور یہ حدیث مشتبہ -

اسی قسم کی ایک اور حدیث دیکھیے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضورؐ نے اصحاب صفہ میں سے چند حضرات کو اہل نجد کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ جب وہ بئر معونہ (مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام) میں پہنچے تو عامر بن طفیل۔ رعل۔ ذکوان وغیرہ نے انھیں قتل کر ڈالا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ان لوگوں کے متعلق مندرجہ ذیل آیت اتری تھی۔ جو بعد میں منسوخ ہو گئی۔

بَلِّغُوا قَوْمَنَا اِنَّا قَدْ لَقِیْنَا رَبَّنَا فَرَضِیَ عَنَّا وَ رَضِیْنَا عَنْہُ۔

ہماری قوم کو کہہ دو کہ ہم اللہ سے اس حال میں ملے کہ وہ ہم سے خوش تھا اور ہم اس سے

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۳۴)

اگر یہ آیت واقعی نازل ہوئی تھی تو مسلمان کی حوصلہ افزائی کے لیے اس کا باقی رہنا لازمی تھا۔ قرآن شریف میں غزوات اور اس قسم کے دیگر واقعات کے متعلق بیسیوں آیات نازل ہوئیں، جو بعینہٖ محفوظ ہیں۔ اور ان میں سے ایک حرف بھی منسوخ نہیں ہوا۔ اس آیات میں کیا بات تھی کہ پہلے اتری اور پھر منسوخ کر دی گئی۔ کیا ہم تنسیخ کی وجہ یہ سمجھیں کہ شہدا اس تعریف کے قابل نہ تھے۔ یا اس آیت کو قرآن میں باقی رکھنے سے آئندہ نسلوں پہ کوئی برا اثر پڑتا تھا؟ چونکہ تنسیخ کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ اور چونکہ اس قسم کی احادیث سے قرآن کی قطعیت پہ چوٹ پڑتی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے محفوظ ترین راستہ یہی ہے کہ ہم اس قسم کی تمام احادیث کو ناقابلِ اعتماد قرار دیں

چلتے چلتے اسی نوعیت کی ایک اور حدیث بھی سنتے جائیے۔

عن البراء بن عازب قال نزلت ھٰذہ الایۃ حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ العصر فقرانا ھا ماشاء اللہ ثم نسخھا اللہ، نزلت حافظوا علی الصلوٰت والصلواۃ الوسطیٰ۔

(صحیح مسلم ج ۲۔ صـ ۲۰۵)

(براء بن عازب سے روایت ہے کہ پہلے یہ آیت اُتری۔

حافظوا علی الصلوات والصلواۃ العصر۔

ہم کچھ عرصہ تک اسے پڑھتے رہے، پھر منسوخ ہو گئی۔ اور اس کی جگہ یہ نازل ہوئی۔ حافظوا۔۔۔۔۔۔)

تقریباً تمام مفسرین اور بڑے بڑے صحابہ والصلواۃ الوسطیٰ کے معنی صلواۃ العصر لکھتے آئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ کو ,,صلواۃ العصر،، منسوخ کر کے ,,صلواۃ الوسطیٰ،، نازل کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی تھی۔؟

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ دشمنان اسلام ایک خاص سازش کے تحت اس قسم کی احادیث معتبر راویوں کے نام سے وضع کرتے رہے تاکہ مسلمان کا ایمان قرآن کے متعلق متزلزل ہو جائے اور چونکہ ائمۂ حدیث صرف اسناد کو دیکھتے تھے۔ اس لیے مسلم جیسے محقق بھی اس چال کے شکار ہو گئے۔ اور انھوں نے اس روایت کو اپنے مجموعہ میں شامل

کرلیا۔

یہ حقیقت تسلیم کی جا چکی ہے کہ گوشت میں غذائیت بہت زیادہ ہے۔ اس سے ایک انسان نہ صرف تندرست۔ پھرتیلا اور چاق و چوبند رہتا ہے۔ بلکہ گوشت خور، سبزی خوروں کی نسبت زیادہ فراخ حوصلہ کریم الطبع اور بہادر ہوا کرتے ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھو کہ ان کی اکثریت گوشت کو حرام سمجھتی ہے۔ اور ان کی حالت یہ ہے کہ ماش کی دال، بھلّے اور پکوڑے کھا کر ان کی توند بڑھ جاتی ہے۔ جسم ڈھیلا پڑھ جاتا ہے۔ فراخ حوصلگی اور شجاعت کی صفات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور کسی قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ قرآن نے سواری اور گوشت خوری کو اللہ کا ایک انعام قرار دیا تھا۔

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُونَ۔

(قرآن)

ہم نے بہائم کو انسان کا مطیع بنا دیا وہ ان پر سوار ہوتا ہے اور انھیں کھاتا بھی ہے ان مویشیوں (کے بالوں ہڈیوں گوبر اور چمڑے وغیرہ) میں انسان کے لیے بے شمار فوائد ہیں۔ کیا انسان ہماری اس نعمت کا شکریہ ادا نہیں کرے گا۔

سرورِ عالم صلعم اور ان کے صحابہ گوشت کو ایک نعمت سمجھ کر کھایا کرتے تھے۔ لیکن موطا کی ایک حدیث ہمیں گوشت جیسی نعمت سے اجتناب کا حکم دیتی ہے۔

عن عمرؓ ابن الخطاب قال ایّاکم واللحم فان لہٗ ضراوۃ کضراوۃ الخمر۔

عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ گوشت خوری سے بچو۔ اِس لیے کہ شراب کی طرح اسکی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔

اگر ایک اچھی چیز کی عادت بھی پڑ جائے، تو ہرج کیا ہے۔ اور چیز بھی ویسی کہ صحت کے لیے مفید۔ جرأت وہمّت جیسے جذبات کی خالق، شرعاً حلال اور اللہ کے ہاں ایک نعمت ایسی چیز سے اجتناب کا مطلب؟ کیا ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب نہیں کہ مسلمانوں کو صحت، چستی اور جذبۂ جاں فروشی سے محروم کرنے کے لیے کسی دشمنِ اسلام نے یہ قول وضع کیا تھا۔ حضرت امام مالک اُس جعلساز کا کھوج نہ لگا سکے۔ اور اسے موطا[1] میں شامل کر لیا۔

---

[1] موطا صد ۳۵۹

آٹھواں باب

صحیح بخاری پہ ایک نظر

اس میں کلام نہیں۔ کہ امام بخاری (وفات ۲۵۶ھ) نے صحیح احادیث کی تلاش میں لمبے لمبے سفر کیے۔ ہر حدیث کو پرکھنے کے لیے تمام امکانی وسائل اختیار فرمائے۔ استخارے کیے۔ کعبہ میں جاکر دعا مانگیں کہ اے اللہ! مجھے صحیح و غلط میں امتیاز کی توفیق عطا فرما۔ راویوں کا کھوج لگایا۔ ہر قابلِ ذکر محدّث سے مشورہ کیا۔ اور سالہا سال کی مسلسل جستجو کے بعد اپنا مجموعہ تیار کیا۔ لیکن اس قدر محنت و احتیاط کے باوجود اس مجموعہ میں چند ایسی احادیث موجود ہیں، جو یا تو تعلیم قرآن سے متصادم ہوتی ہیں۔ یا آپس میں ٹکراتی ہیں۔ یا مسلمانوں کو بیکار، اپاہج اور بے عمل بناتی ہیں۔ اور یا اُن سے حضور علیہ السلام اور اُن کی ازواج مطہرات کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ ان حالات میں ہمارے لیے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو ہم صحیح بخاری کے ہر ہر لفظ کی حفاظت کریں۔ اور قرآن و رسول پہ جو کچھ گذرتی ہے، گزرنے دیں۔ اور یا قرآن کو مقدّم رکھتے ہوئے صرف اُن احادیث کو قابلِ اعتنا سمجھیں جو عیوب بالا سے پاک

ہوں۔ ہم امام بخاریؒ کی محنت، و تلاش کی داد تو دیتے ہیں، اور انھیں بیحد قابل احترام سمجھتے ہیں۔ لیکن کریں کیا کہ حضورؐ پرنور کی ذات والا صفات سے ہمیں اس قدر عقیدت و محبت ہے کہ ہم ان کی شان میں کوئی ہلکی سی جسارت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

امام بخاریؒ کی نظر زیادہ تر اسناد پہ رہی۔ انھیں جس حدیث کے وضعی ہونے پہ کوئی تاریخی شہادت نہ مل سکی اسے اپنے مجموعہ میں شامل کر لیا لیکن صفحات گذشتہ میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ احادیث کا کیا حال ہو چکا تھا۔ راویوں کے حالات کس بے احتیاطی سے قلمبند ہوئے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے۔ ان حالات میں صرف راویوں پہ اعتماد کر کے بخاری کی ہر روایت کو قولِ رسول سمجھ لینا درست معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اکرم صلعم بحیثیت نبی تئیس ۲۳ برس زندہ رہے۔ اس لمبی مدت میں یقیناً آپ نے قرآن کے علاوہ بھی کوئی ارشاد فرمایا ہو گا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چودہ لاکھ احادیث کے طومارِ پریشاں میں سے اقوالِ رسول کو کون ڈھونڈے اور کس طرح ڈھونڈے۔ بخاری کی جو احادیث قرآن، عقل اور حقیقت کے خلاف نہیں ہم اُن کے متعلق یہ حسن ظن تو رکھ سکتے ہیں کہ وہ غالباً اقوالِ رسول ہوں گے۔ لیکن پورے وثوق سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ احادیث کی حیثیت محض تاریخ کی ہے۔ تاریخ میں غلط باتیں بھی ہو سکتی ہیں اور صحیح بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک

مؤرخ تدوینِ تاریخ میں اس قدر خلوص اور محنت سے کام نہیں لے سکتا۔ جتنا امام بخاری نے لیا۔ اِس لیے ہمارے لیے صاف اور سیدھا راستہ یہی ہے کہ ہم صرف قرآنِ حکیم پہ ایمان لائیں۔ اور قرآن سے مطابق احادیث پہ حسنِ ظن رکھیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایک ظنّی چیز کو وحی کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

دع ما یریبک الیٰ مالا یریبک۔ مشتبہ اور ظنی چیز کو چھوڑ کر یقینی اور قطعی چیز کو اختیار کرو۔

کسی تصنیف کی صحیح قدر و قیمت متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے مضامین پہ ایک ناقدانہ نگاہ ڈالیں۔ اس سلسلے میں بخاری کی چند روایات کو موضوعِ بحث بناتے ہیں۔

ایک پیشگوئی ۶ھ ۶۲۸ء کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خسرو پرویز شاہِ ایران (۵۹۰ھ ۶۲۸ء) اور ہرقل قیصر روم (۶۴۰ء۔ ۶۴۱ء) کی طرف خطوط بھیجے۔ اور انھیں اسلام کی طرف دعوت دی ہرقل نے قاصدِ رسول کی بڑی تعظیم کی۔ لیکن کسریٰ (شاہ ایران) نے خط پھاڑ ڈالا۔ اور قاصد کو ڈانٹ ڈپٹ کر دربار سے نکال دیا۔ جب حضورؐ کو اس سلوک کی اطلاع ملی، تو آپ نے ایک پیشگوئی کی۔ قیصر کے حسنِ سلوک اور کسریٰ کی بدتمیزی کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور صرف نسلِ کسریٰ کے خاتمۂ کی پیشین گوئی فرماتے۔ اور ہرقل کے لیے اُسی طرح محبت کا اظہار کرتے جس طرح وہ نجاشی سے کیا کرتے تھے لیکن جو

پیشگوئی بخاری میں موجود ہے۔ وہ ہماری اس تمنا کو پورا نہیں کرتی۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلعم قال اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ۔

ابو ہریرہ نبی کریم صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ کسریٰ کے تباہ ہونے کے بعد کوئی اور کسریٰ نہیں ہوگا، اور نہ قیصر کے بعد کوئی اور قیصر۔

(بخاری ج ۲۔ ص ۱۳۶)

کسریٰ کے متعلق یہ پیشگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آنحضرت کی رحلت سے صرف دس برس بعد ۶۴۲ء میں جنگ نہاوند نے ساسانی خاندان کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا۔ کچھ عرصے کے بعد آخری کسریٰ (یزدگرد) قتل ہوگیا، اور اس کے بعد آج تک پھر کوئی کسریٰ پیدا نہ ہوا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ قیصر کے متعلق بھی یہ پیشگوئی اسی طرح پوری ہوتی لیکن اے کاش کہ ایسا نہ ہوا۔ ہرقل ۶۴۱ء میں فوت ہوا۔ پھر کانسٹینس (۶۴۱-۴۲ء) اس کے بعد کانسٹینس II (۶۴۲ء۔ ۶۶۸ء) تخت نشین ہوا۔ پھر قسطنطین چہارم (۶۶۸ء۔ ۶۸۵ء) پھر قسطنطین (۶۸۵ء۔ ۶۹۵ء) اور یہ سلسلہ ۱۴۵۳ء تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ سلطان محمد ثانی ۱۴۵۱ء قسطنطین ۱۴۸۱ء فاتح قسطنطنیہ نے اس سلسلہ کو ۱۴۵۳ء میں ختم کیا۔ حضور نے یہ پیشگوئی ۶۳۰ء میں کی تھی۔ اور یہ خاندان اس پیشگوئی کے بعد آٹھ سو تیئس برس تک زندہ رہا۔ اور اس عرصے میں خود مسلمانوں کے بیسیوں فرمانروا سلسلے

ختم ہو چکے تھے۔ مثلاً خلفائے راشدین (۶۳۲ء - ۶۶۱ء) اُمیّہ (۶۶۱ء -
۷۵۰ء) عباسیہ (۷۵۰ء - ۱۲۵۸ء) خلفائے اندلس (۷۵۶ - ۱۰۳۱ء)
خلفائے فاطمی (۹۰۹ - ۱۱۷۱ء) ایوبیان مصر (۱۱۶۹ - ۱۲۵۲ء) ممالیک
بحری (۱۲۵۰ - ۱۳۹۰ء) وغیرہ۔ کیا کسی سلسلے کے خاتمہ کی پیشگوئی کا
مطلب یہی ہے کہ وہ سوا آٹھ سو برس تک نہ زندہ رہے۔ آٹھ سو برس قوموں
کی قدرتی عمر ہے۔ اتنی لمبی زندگی کے بعد اگر کوئی سلسلہ منقطع بھی ہو جائے۔
تو کوئی عقلمند یہ باور نہیں کرے گا کہ اس کا خاتمہ کسی پیشگوئی کی وجہ سے
ہوا تھا۔ اگر حضورؐ نے واقعی یہ فرمایا تھا کہ قیصر کے بعد کوئی اور قیصر نہیں
ہوگا۔ تو آپ کا اشارہ اس قیصر کی طرف ہوگا، جو اس وقت تخت نشین
تھا۔ اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں۔ کہ ایک پیشگوئی کو پورا ہونے کے لیے کچھ
نہ کچھ وقت چاہیئے۔ تو پھر یہ پیشگوئی زیادہ سے زیادہ سو دو سو سال،
یا دو چار پشتوں کے بعد پوری ہو جاتی۔ ایک پیشگوئی سوا آٹھ سو برس
تک پوری نہ ہو۔ اور ہم یہی کہے جائیں کہ یہ وحی خفی ہے۔ مخبرِ صادق کا
قول ہے۔ اور خدائی الہام ہے۔ اس طرح کی پیشگوئی تو ہر شخص کر سکتا ہے
مثلاً زید کہہ سکتا ہے کہ شاہِ انگلستان کی وفات کے بعد کوئی اور شاہ
انگلستان نہیں آئے گا۔ اور اس کے بعد اگر شاہانِ انگلستان کا سلسلہ
ایک ہزار برس تک بھی جاری رہے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میری پیشگوئی
اتنی ہی صحیح ہے، جتنی قیصر کی موت والی پیشگوئی۔

یہاں یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا۔ کہ قیصرانِ قسطنطنیہ کا سلسلہ

۳۲۰ء سے شروع ہوا تھا۔ پہلا قیصر قسطنطین اول (۲۸۸ء تا ۳۳۷ء) تھا۔ اس کا پایۂ تخت روما تھا۔ ۳۳۰ء میں اس نے قسطنطنیہ کو جس کا قدیم نام "بائزنطیم" تھا، دارالخلافہ بنا لیا۔ اور اسی نسبت سے یہ لوگ "بائزنٹائین امپررز" کہلانے لگے۔ کُل قیصروں کی تعداد چوراسی تھی ہرقل پندرھواں قیصر تھا۔ اور اس کے بعد ۶۹ قیصر اور آئے۔

اس سلسلے میں گیارہ قیصر ایسے بھی تھے، جو قسطنطین کے لقب سے مشہور تھے۔ ہرقل قسطنطین سوم تھا۔ پورا جدول یہ تھا:

(۱)	قسطنطین اوّل	۲۸۸ — ۳۳۷ء	
(۲)	" دوم	۳۱۷ — ۳۴۰ء	
(۳)	" سوم	۶۱۰ — ۶۴۱ء	یہ وہی ہے جس کی طرف حضور نے خط بھیجا تھا۔
(۴)	" چہارم	۶۶۸ — ۶۸۵ء	
(۵)	" پنجم	۷۴۰ — ۷۷۵ء	
(۶)	" ششم	۷۷۹ — ۷۹۷ء	
(۷)	" ہفتم	۹۱۲ — ۹۵۸ء	
(۸)	" ہشتم	۱۰۲۵ — ۱۰۲۸ء	
(۹)	" نہم	۱۰۴۲ — ۱۰۵۵ء	
(۱۰)	" دہم	۱۰۵۹ — ۱۰۶۷ء	
(۱۱)	" یازدہم	۱۴۴۸ — ۱۴۵۳ء	

(STROY OF NATIONS BY OMAK)

اگر کوئی غیر مسلم ہم سے پوچھ بیٹھے۔ کہ کیا تمھارے نبی صلعم کی تمام پیشگوئیاں ایسی ہی ہوُا کرتی تھیں، تو ہم اس طنز کا کیا جواب دیں گے۔ بغیر اس کے کہ اس حدیث میں قیصر والا حصہ لبعد کا اضافہ تسلیم کریں۔

اوّل:-

تاریخی غلط بیانیاں یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ کہ مسجدِ اقصیٰ (یوروشلم) کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ تواریخ ۲۔ باب ۳ آیات ۱-۲ میں مذکور ہے:

"اور سلیمان خداوند کا گھر یوروشلم میں کوہ موریاہ پر جو اس کے باپ دادا کو دکھلایا گیا تھا۔ اور اُس جگہ پر جو داوُد نے اُس فان یبوسی کے کھلیان میں مقرر کی تھی، بنانے لگا۔ اور سلیمان نے اپنی سلطنت کے چوتھے برس کے دوسرے مہینے کی دوسری تاریخ کو بنانا شروع کیا۔"

تواریخ-۲ باب ۶- آیات ۹/۱ میں بیان کیا گیا ہے۔

"خداوند نے میرے باپ داود سے کہا تھا۔ کہ اس سبب

لہ قدیم الہامی کتابوں میں دو صحیفے تواریخ ۱۔ اور تواریخ ۲ کے نام سے موجود ہیں ملاحظہ ہو بائیبل۔ اس صحیفے میں مسجدِ اقصےٰ کی تعمیر کی پوری تفصیل کئی صفحات میں بیان کی گئی ہے۔ کہ معمار کہاں سے آئے۔ چوب کہاں سے لی گئی۔ پتھر کہاں سے حاصل کیے گئے اور مسجد کی شکل کیا تھی۔

سے کہ تو نے میرے نام کا گھر بنانے کا ارادہ کیا۔ اچھا کیا لیکن تو خود یہ گھر نہیں بنائے گا۔ بلکہ تیرا بیٹا جو تیری صلب سے نکلے گا، وہی تیرا گھر بنائے گا۔"

اور یہ بھی تسلیم کیا جا چکا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ تقریباً ہزار سال قبل مسیح تھا۔ ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ نیز ارض القرآن ج ۲۔ طبع دوم صـ۲۴۱ مصنفہ سیّد سلیمان ندوی۔ قصص الانبیا میں حضرت ابراہیم کا زمانہ ۲۳۶۱ ق م، اور حضرت داؤد کا ۱۶۹۳ ق م دیا ہوا ہے۔ جو تحقیقات جدیدہ کے رو سے درست نہیں۔ ایک اور کتاب میں (جس کا نام بھول گیا ہوں) حضرت ابراہیم کا زمانہ ۲۰۱۴ ق م دیا ہوا تھا سیّد البشر (صـ۶) میں ابو سعید عبدالرحمٰن فریدکوٹی نے کافی تلاش و جستجو کے بعد حضرت ابراہیم کا عہد ۲۰۱۵ ق م بتایا ہے۔ اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس حساب سے حضرت ابراہیمؑ اور سلیمانؑ کے درمیان قریباً ایک ہزار سال کا عرصہ بنتا ہے۔ تورات میں حضرت سلیمان کا نسب نامہ یوں دیا ہوا ہے:

ابراہیم
اسحاق
یعقوب
یہوداہ
فارص (یہارس)
حصردم (حصرات)

آرام (درام)
عمینداب
نحسولین
سلمولین
یوعز
عوبید

عیسیٰ
|
داؤد
|
سلیمان (۱۰۱۵ تا ۹۸۶ ق م)

اِس نسب نامے سے بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ ابراہیمؑ وسلیمانؑ میں کئی سو برس کا زمانہ حائل تھا۔ حضرت سلیمان نے ۱۰۱۱ ق م میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اگر عام تاریخوں پہ اعتماد کرتے ہوئے ہم حضرت ابراہیم کی تاریخ وفات اندازاً ۲۰۰۰ ق م قرار دیں۔ اور مکہ کی تعمیر ۲۰۷۰ ق م کے قریب فرض کرلیں تو تعمیر مکہ اور تعمیر بیت المقدس کے درمیان ۱۰۵۹ برس کا زمانہ بنتا ہے۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری لکھتے ہیں۔

..... ان بانی الکعبۃ ابراھیم وبانی بیت المقدس سلیمان وبینھما اکثر من الف سنۃ

حضرت ابراہیمؑ بانی کعبہ تھے اور سلیمانؑ بانی بیت المقدس اور ان کے درمیان ایک ہزار برس سے بھی کچھ زیادہ کا زمانہ حائل تھا۔

لیکن بخاری کی ایک حدیث کے مطابق یہ زمانہ صرف چالیس سال بنتا ہے۔

عن ابی ذر قال قلت یا رسول اللہ ای مسجد وضع فی الارض اول قال المسجد الحرام قال قلت ثم ای قال

ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنی۔ فرمایا کعبہ۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد کونسی مسجد تیار ہوئی۔ فرمایا مسجد اقصیٰ

المسجد الاقصیٰ۔ قلت کم کان بینھما قال اربعون سنۃ
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۵۵)

میں نے پوچھا کہ ان کی تعمیر میں کتنا زمانہ حائل تھا۔ فرمایا صرف چالیس سال۔

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: "ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم کے فوراً بعد کسی نے مسجد اقصیٰ بنائی ہو، جو گر چکی ہو، اور اُسے سلیمان نے دوبارہ تعمیر کیا ہو"۔

"تاریخ کے ٹھوس واقعات کو "ممکن ہے یہ ہو، وہ ہو" سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اگر حقیقتاً مسجد اقصیٰ ایک مرتبہ پہلے بن چکی تھی، تو تاریخی ثبوت چاہیئے۔

اس اعتراض کے جواب میں مولوی سرفراز خاں خطیب گکھڑ نے اپنی تصنیف "صرف ایک اسلام" کے صفحات ۲۴-۲۸ میں تورات کے ایک حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک معبد بیت ایل کے نام سے بنایا تھا۔ اور انہی بنیادوں پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کی تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ اس لیے کعبہ اور بیت ایل کی تعمیر میں اندازاً چالیس ہی سال کا زمانہ حائل ہو گا۔

بات نہایت معقول تھی۔ اگر واقعی یہ ثابت ہو جائے، کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیت ایل یہیں تھا، جہاں بیت المقدس تعمیر ہوا تو معاملہ حل ہو جاتا ہے۔ پہلے حوالہ دیکھیے:

دخانی جہاز پہلی دخانی کشتی ۱۷۳۶ء میں جوناتھن ہلز نے بنائی تھی لیکن پوری کامیابی نہ ہوئی۔ کچھ نقائص باقی رہ گئے تھے ۱۸۰۶ء میں ایک امریکی موجد رابرٹ فلٹن نے ایک سٹیم کشتی بنائی جو ہوا کے خلاف ساڑھے چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلی۔ اسی موجد نے ۱۸۱۷ء میں پانچ سو ٹن کا ایک دخانی جہاز بنایا جس پر ۲۲ ہزار پونڈ خرچ ہوئے اس کے بعد دخانی جہاز اس قدر مقبول ہوئے کہ صرف ۱۸۳۶ء میں جس قدر جہاز انگلستان کی بندرگاہوں پر بغرض تجارت پہنچے تھے، ان میں تیرہ ہزار دخانی تھے اطمینان فرمائیے کہ ان میں اسلامی سلطنتوں کا ایک جہاز بھی شامل نہ تھا۔ اس لئے کہ مسلمان یا تو "ذکرِ خدا" یا پرستشِ صنم میں مصروف تھے۔ ان غریبوں کو جہاز سازی کی فرصت کہاں تھی اور ضرورت بھی کیا تھی بھلا کسی کی شامت آئی تھی کہ خدا کے پیاروں پر حملہ کرنے کی ہمت کرتا۔ جس اللہ نے مکہ (کفار مکہ) کو بچانے کے لئے ابابیلوں سے ابرہہ کے پرخچے اڑا دیئے تھے وہ ایران و عرب کے مسلمانوں پر حملہ کرنیوالوں کا تو خدا جانے کیا حال بنائے گا۔

نَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ○ (انعام ۱۱۱)	انہیں اپنی گمراہی میں بھٹکنے دو۔

کاش کہ اس قدر مار کھانے کے بعد بھی مسلمان یہ سمجھ جاتا کہ اللہ بدعمل اقوام کو مٹانے میں نہایت بے نیاز واقع ہوا ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ (آل عمران ۹۷)	اگر کوئی نااہل، کاہل چور اور قانون شکن بن جائے تو یاد رکھو کہ ہمارا کسی قوم سے کوئی خاص رشتہ نہیں ہے (غنی) اور ہم نااہلوں کو مٹانے میں بہت دلیر واقع ہوئے ہیں۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی (اقبال)

رجوع بہ مطلب | اہلِ انگلستان نے ۱۸۶۸ء میں چار ہزار ٹن کا ایک ایسا تیز رفتار جہاز تیار کیا جس نے بحرِ اوقیانوس کو چار دن اور سترہ گھنٹوں میں عبور کر لیا۔ ۱۹۳۳ء میں فرانس نے اڑسٹھ ہزار ٹن کا ایک جہاز بنایا۔ اسی سال انگریزوں نے تہتر ہزار ٹن کا ایک جہاز تیار کیا جس کے انجن میں اسّی ہزار گھوڑوں کی طاقت تھی۔ ایک اور جہاز (ملیک) کی لمبائی آٹھ سو باون فٹ چوڑائی بانوے اور اونچائی ایک سو چھہتّر فٹ تھی۔ اس میں نوّے ہزار گھوڑوں کی طاقت کا انجن لگا ہوا تھا اور اس میں آٹھ سو ساٹھ ملاّح کام کرتے تھے۔

یہ ہے وہ طاقت جس کی بدولت اقوام زندہ رہ سکتی ہیں اور یہی وہ آیات ہیں جن سے زندہ اقوام کا ایمان زندہ رہتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ (شوریٰ ۳۲) | سمندر کی سطح پر کوہ پیکر جہاز اللہ کی آیات ہیں۔

کم کوش کاہل مسلمان ان آیات سے غافل ہو کر بیٹھ رہا ہے۔ سلطان ابن سعود کے پاس بندرگاہیں تو ہیں لیکن ایک کشتی تک کہیں نظر نہیں آتی۔ خلیج فارس میں ایرانیوں کا کوئی ٹوٹا ہوا جہاز بھی نہیں ملتا۔ بحیرۂ روم و قلزم میں مصریوں کی کوئی دخانی کشتی تک دکھائی نہیں دیتی۔ انصافاً کہو کہ ان اقوام کو جو دانت کے بدلے دانت نہیں توڑ سکتیں، زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل ہے؟

اللہ نے ہمیں قوت و ہیبت کا بار بار درس دیا تھا:

(۱) وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (توبہ ۱۲۳)	تم دنیا میں یوں رہو کہ لوگ تمہاری تندی کو محسوس کریں۔
(۲) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (فتح ۲۹)	خدائی سرکشوں کے ساتھ سخت بنو۔
(۳) اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ (حدید ۲۵)	ہم نے فولاد بھیجا جو ایک پُرہیبت دھات ہے اسے استعمال کر کے پُرشکوہ بنو۔
(۴) وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ (شوریٰ ۳۲)	جہاز اللہ کی آیات ہیں۔

(۵) مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال ۶۰)	تم اپنے اندر وہ قوت پیدا کرو اور تمہاری چھاؤنیوں میں گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمن اور اللہ کے دشمن غش کھا جائیں۔

لیکن ہم ان اسباق کو بھول گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا کا سب سے بڑا عمل دو نفل ہیں سب سے بڑا جہاد مسجد کے تاریک گوشے میں اللہ کی گردان ہے اور ان معادن و مخازنِ ارضی کا استعمال نہ تو مستحب ہے اور نہ مستحسن بلکہ خلافِ اسلام ہے، متاعِ غرور ہے، فانی ہے یہ ہے وہ ہے، دیکھا آپ نے کہ اس "متاعِ غرور" کے ترک سے ہم کیوں کر تباہ ہوئے اور ہماری شوکت کی لذیذ داستان کس طرح افسانہ بن کر رہ گئی۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ (صافات ۲۱)	یہ ہے تمہارے اعمال کے فیصلہ کا دن جس پر تمہیں اعتبار نہ آتا تھا۔

سمندر میں نمک سمندر میں نمک کیوں ہے؟ یہ سوال علمائے طبیعی کے ہاں صدیوں زیرِ بحث رہا۔ حال ہی میں ایک مغربی عالم نے اس کی ایک دلچسپ وجہ بیان کی ہے نمک میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گوشت کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ قدیم مصری اقوام اپنے فرمانرواؤں کی لاشوں کو نمک سود کر دیتے تھے تاکہ قبروں میں گل سڑ نہ جائیں ہم اپنے گھروں میں بھی آئے دن رات کے گوشت کو صبح تک محفوظ رکھنے کے لئے نمک لگا دیا کرتے ہیں۔ چونکہ سمندر میں ہر روز کروڑوں مچھلیوں اور دیگر آبی جانوروں کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اور ایام جنگ میں لاکھوں انسان سمندر کی بھینٹ چڑھتے ہیں اس لئے اللہ نے سمندر کو تعفن سے محفوظ رکھنے کے لئے نمک کی کثیر مقدار پانی میں شامل کر دی۔

اگر خشکی کے کسی جانور کو پانی میں پھینک دیا جائے تو وہ گل سڑ جاتا ہے قدرت

کا کمال ملاحظہ فرمائیے کہ سمندر میں کروڑہا آبی جانور موجود ہیں اور وہ گلتے سڑتے نہیں بلکہ ہر وقت تازہ رہتے ہیں۔ اللہ نے اس معجزۂ تخلیق کی طرف یوں متوجہ فرمایا ہے:

وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا (فاطر ۱۲) | اور تم سمندروں سے تازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔

ماہی گیری ابتدائی انسان سمندروں کے کنارے پر آباد تھے اور مچھلیوں سے گذر اوقات کیا کرتے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ یمن کے ایک باغ میں رکھے گئے تھے۔ جب وہاں سے نکالے گئے تو غالباً اس مقام پر آئے ہوں گے جہاں آج جدہ آباد ہے اور ممکن ہے کہ مکّہ میں بھی پہنچے ہوں۔ تاریخ مکّہ میں درج ہے کہ سب سے پہلے آدمؑ نے کعبہ بنایا۔ یہ روایت صحیح ہے یا غلط، مؤرخ ہماری رہنمائی نہیں کر سکتا۔ ہاں مختلف سیاحوں نے ہمیں اتنا بتایا ہے کہ جدہ میں جناب حوّا علیہا السلام کی قبر موجود ہے جدہ عربی زبان میں دادی کو کہتے ہیں، چوں کہ یہاں نوعِ انسان کی دادی کی قبر تھی اس لئے یہ مقام جدہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ علمائے نوعِ انسانی کا خیال ہے کہ حضرت آدمؑ بھی عموماً مچھلیوں پر گزر اوقات کرتے ہوں گے۔

ابتداء میں لوگ تیر و کمان سے مچھلی کا شکار کرتے تھے۔ اس کے بعد جال اور پھر کانٹا ایجاد ہوا۔ اہل روما و یونان مچھلیوں کو برسوں محفوظ رکھنے کا طریقہ جانتے تھے اور دور دراز ممالک کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ انگلستان نے ماہی گیری میں شہرت حاصل کی ۱۵۷۸ء میں انگلستان کے چار سو پچاس جہاز ماہی گیری میں مصروف تھے جو شکار کے لئے ساحل سے چھ سو میل دور نکل جاتے تھے اور بیس لاکھ پونڈ سالانہ ماہی گیری سے وصول کرتے تھے۔ کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک دوسرے کے ہاں مچھلی پکڑنے پر برسوں جنگ رہی۔ آخر ۱۸۱۷ء میں معاہدہ واشنگٹن ہوا جس کی

رو سے ان ممالک کو ایک دوسرے کے ہاں ماہی گیری کی اجازت مل گئی۔

چونکہ کینیڈا کی مچھلی زیادہ اچھی ہوتی ہے اس لئے پھر لڑائی چھڑ گئی اور ۱۸۷۷ء میں برطانیہ نے امریکہ سے پچپن کروڑ پچاس لاکھ پونڈ لے کر کینیڈا کے پانی میں صید ماہی کی رعایت دے دی لیکن ۱۸۹۸ء میں پھر کسی امر پر اختلاف ہو گیا اور امریکہ اس رعایت سے محروم کر دیا گیا۔

ماہی گیروں نے برطانوی بیڑے کو دنیا کا عظیم ترین بیڑا بنا دیا ہے۔ یہ ملاح چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ساتھ سمندر کی مہیب موجوں میں شکار کھیلتے ہیں۔ یہ اوقیانوس کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ چٹانیں کہاں ہیں اور دیگر خطرناک مقامات کس طرف ہیں اور آج بھی لوگ برطانوی بیڑے میں ملاحی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مختلف ممالک میں ماہی گیروں کا تناسب:

۱۔ انگلستان۔ ہر ۱۱۲ آدمیوں میں سے ایک ماہی گیر ہے۔

۲۔ آئرلینڈ۔ ہر ۲۰۰ آدمیوں " " " " " " "

۳۔ سکاٹ لینڈ۔ ہر ۷۶ آمیوں " " " " " " "

۴۔ ناروے۔ ہر ۱۶ آدمیوں " " " " " " "

جاپان ماہی گیری میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہاں ہر سال ایک کروڑ اسی لاکھ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ چند دیگر ممالک کے اعداد یہ ہیں:

۱۔ امریکہ ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ۔ (۲) فرانس ایک کروڑ چھہتر لاکھ پونڈ۔

۳۔ انگلستان ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ۔

دنیا میں ہر سال بیس کروڑ پونڈ کی مچھلی پکڑی جاتی ہے۔ اگر ایک پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہو تو یہ رقم تین ارب روپیہ بنتی ہے جو مرکزی حکومتِ ہند کے سالانہ محاصل سے دو چند ہے۔

صید ماہی کے لئے جو کشتیاں استعمال ہوتی ہیں ان کو ٹرالر کہا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ایک سو تیس فٹ لمبے سو فٹ چوڑے اور پچیس فٹ گہرے جال ہوتے ہیں۔ یہ ٹرالر معمولی بادبانی جہازوں سے اسّی گنا زیادہ مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ایسے ٹرالر برطانیہ کے پاس تقریباً ایک ہزار، جرمنی کے ہاں پانچ سو، فرانس کے ہاں تین سو، ڈنمارک، ہالینڈ اور بلجیم کے پاس کل چار سو ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں صرف انگلستان نے ۱۸ لاکھ بارہ ہزار پانچ سو من مچھلی پکڑی تھی۔

یہاں شاید یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ دُنیا میں اسلامی سلطنتوں کا بھی وجود ہے جو تمام کی تمام سمندروں کے سواحل پر واقع ہیں لیکن ان لوگوں نے کبھی کوئی مچھلی نہیں پکڑی۔ بیچارے کریں کیا۔ کم بخت پکڑی ہی نہیں جاتیں، بھاگ جاتی ہیں۔

ویل مچھلی ویل پانی میں مُنہ کھول کر تیرتی ہے۔ جب اس سرنگ میں کئی جانور داخل ہو جاتے ہیں تو منہ بند کر لیتی ہے۔ ایک ویل کی چربی سے اتنا تیل نکلتا ہے کہ اٹھارہ اٹھارہ سیر کے دو سو پچھتّر ٹین بھر جاتے ہیں۔

ویل پکڑنے کی کشتیاں خاص قسم کی ہوتی ہیں جن کی تعداد کچھ عرصہ پہلے مختلف ممالک کے پاس یہ تھی:

سال	ملک	تعداد	سال	مُلک	تعداد
۱۶۸۰ء	ہالینڈ	۲۶۶	۱۸۴۹ء	امریکہ	۶۷۸
۱۸۱۵ء	برطانیہ	۱۶۴	۱۹۴۲ء	اسلامی سلطنتیں	سکیم زیرِ غور ہے ؟؟؟

سنہ ۱۸۹۵ءمیں ایک جہاز آرکٹک (ARCTIC) نے دس ویل مچھلیاں پکڑیں جن کی ہڈیاں چودہ سو من نکلیں جو بیس ہزار پونڈ میں فروخت ہوئیں اور ان کی چربی سے دو سو باون من تیل نکلا۔

ویل گھنٹہ بھر سانس لئے بغیر سمندر کی تہ میں رہ سکتی ہے۔ جب شکاری دُور سے ویل کو دیکھ پاتے ہیں تو دوڑ کر پاس آجاتے ہیں جونہی کہ سانس لینے کے لئے دوبارہ سر باہر نکالتی ہے تو شکاری توپ سے فائر کر دیتے ہیں گولہ جو مضبوط تاروں سے جہاز کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ویل کے جسم میں گھس جاتا ہے۔ یہ بدک کر بھاگ نکلتی ہے اور کئی سو میل جہاز کو بھی گھسیٹے پھرتی ہے شکاری لگاتار فائر کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ نڈھال ہو کر رہ جاتی ہے۔

ویل کے چمڑے سے مشینوں کے پٹے بنتے ہیں اور خول سے کھاد کا کام لیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو ویل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ نہ ان کے پاس مشینیں ہیں اور نہ اتنی بلند مزاج زمینیں۔

جنوبی افریقہ میں آج کل سولہ ویلیں روزانہ پکڑی جاتی ہیں اور ان کی تعداد کم ہو رہی ہے۔

ایک ویل ایک وقت میں ایک ہی بچہ دیتی ہے اور وُہ پچاس سال میں جوان ہوتا ہے۔

ہر ویل کم از کم اسی فٹ لمبی اور ساٹھ فٹ موٹی ہوتی ہے۔

دریائی سانپ

ڈڈیلس (DEADALUS) جہاز کے کپتان نے سنہ ۱۸۴۸ء میں ساٹھ فٹ لمبا سانپ دیکھا۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں سسلی کے پاس اسبورنی (OSBORNE) جہاز کے کپتان نے ایک سانپ دیکھا جس کی پیٹھ پندرہ سے بیس فٹ تک چوڑی تھی اور اس کا جسم پچاس فٹ تک نظر آرہا تھا۔ سنہ ۱۸۷۰ء میں امریکہ کے ایک جہاز ڈرفٹ (DRIFT) کے ملاحوں نے کیپ کاڈ (CAPE COD) کے پاس ایک سانپ دیکھا جو پانی سے

ابھرا اور چالیس فٹ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

عجائبات (۱) برٹش سٹار فش (ایک قسم کی مچھلی) ایک سال میں بیس کروڑ انڈے دیتی ہے۔

(۲) ناروہیل کا ایک دانت چھ فٹ لمبا ہوتا ہے۔

(۳) کچھوے کی عمر تقریباً سو سال ہوتی ہے۔

(۴) ایک بیس فٹ لمبے سانپ کا نام ہے یہ ساحلی پہاڑوں میں رہتا ہے ہر سال اکتوبر میں ساحل پر آ کر کسی چٹان کو منہ سے پکڑ لیتا ہے۔ اور اپنی دم کو پانی پر پھیلا دیتا ہے۔ لہروں کے ہچکولوں سے یہ دم ٹوٹ جاتی ہے۔ اس میں انڈے ہوتے ہیں جو کہیں دُور جا کر بچے بن جاتے ہیں، اس کا زخم مندمل ہو جاتا ہے اور دُوسرے سال پھر اسی مشق کا اعادہ کرتا ہے۔

(۵) بحر چین کی ایک مچھلی میں ایک خوبی یہ ہے کہ اگر اسے کوئی کھا لے تو ہنستے ہنستے مر جاتا ہے۔ اس مچھلی کی فروخت ممنوع ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کسی امیر کو موت کی سزا دی جاتی تھی تو اسے یہ مچھلی کھلائی جاتی تھی۔

(۶) ایک مچھلی ایسی بھی ہے جس کی دم موم بتی کی طرح جلتی ہے اور اس میں سے ۵۰۰ موم بتیوں کی روشنی نکلتی ہے۔

(۷) مچھلی کے جسم میں ایک پمپ لگا ہوتا ہے۔ جب وہ ہوا کو اندر کھینچتی ہے تو پانی سے ہلکی ہو کر سطح پر آ جاتی ہے اور جب ہوا کو خارج کر دیتی ہے تو بھاری ہو کر نیچے چلی جاتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی بنا کر اپنی قوم کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً زندگی کا سبق دیا تھا۔ ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (شوریٰ ۱۳)	ہم نے تمہیں وہی (قوت اور ہیبت والا) دین عطا کیا ہے جو نوحؑ کو دیا تھا۔

لیکن کسی نے فائدہ نہ اٹھایا، قوم نوحؑ کو مٹا دیا گیا اور قوم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مٹ رہی ہے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ (مؤمنون ۲۷ تا ۳۱)	ہم نے نوحؑ کو کہا تھا کہ ظالموں کی سفارش ہمارے ہاں مت کرنا کہ وہ غرق ہو کر رہیں گے۔ جب تم اور تمہارے ساتھی جہاز میں سوار ہو جائیں تو سب کہو اس اللہ کا شکر ہے جس نے ظالموں سے ہمیں نجات دلائی۔ اے رب اب ہمیں کسی مبارک مقام پر اتارنا۔ نوحؑ کے اس واقعہ میں کچھ اسباق پنہاں ہیں۔ قوموں کو ابتلا میں ڈالنا ہمارا کام ہے (اور اس لئے ہم مسلمانوں کو بھی ابتلا میں ڈالیں گے) اور ہم نے قوم نوحؑ کا وارث ایک اور قوم کو بنا دیا تھا۔

باب ۸

صحیفۂ فطرت کے چند اوراق

آغازِ تخلیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے:

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (عنکبوت ۲۰)

اے رسولؐ! مسلمانوں کو حکم دے کہ وُہ زمین کے مختلف شواہد کا معائنہ کرنے کے بعد آغازِ آفرینش کا کھوج لگائیں۔

علماءِ فطرت کا خیال یہ ہے کہ آغازِ آفرینش میں ہر طرف دھواں ہی دھواں تھا، یہ دھواں دراصل وُہ ترکیبی عناصر تھے جن سے آسمان و ایثر وغیرہ تعمیر ہُوئے تھے۔ آفتاب و دیگر کواکب کی تشکیل کے بعد ایک بہت بڑا ستارہ سورج کے قرب و جوار سے گزرا۔ زورِ کشش سے ایک ٹکڑا علیحدہ ہوگیا جو تقریباً ساڑھے نو کروڑ میل دُور جاکر گھومنے لگا اس ٹکڑے کا نام زمین ہے۔ یہ زمین آغاز میں پگھلے ہُوئے لوہے کی طرح تھی، ہزارہا صدیوں کے بعد قشرِ زمین ٹھنڈا پڑ گیا لیکن اندر سے زمین بدستور ویسی ہی گرم ہے۔

اگر ہم زمین کے اندر اُترنا شروع کر دیں تو ہر تیس میٹر (میٹر = ۳۹ انچ) کے بعد زمین کا درجۂ حرارت ایک کے حساب سے بڑھتا جائے گا۔ تین سو میٹر کی گہرائی میں درجۂ حرارت دس ہوگا۔ تین ہزار کی گہرائی میں سو اور تیس ہزار کے عمق میں ایک ہزار تک پہنچ جائے گا۔

جب زمین سورج سے الگ ہُوئی تھی، اس وقت اس کا درجۂ حرارت دس ہزار سے اُوپر تھا۔ بیس لاکھ سال کے بعد قشرِ زمین جس کی موٹائی ایک ہزار ترانوے گز ہے ٹھنڈا ہو گیا

اور زمین مختلف مدارج طے کرنے لگی۔ درجہ اولیٰ میں معادن کی تکوین ہوئی یہ معادن پہلے دخانی صورت میں ہر سو پریشان تھے۔ درجۂ ثانیہ میں طوفان آئے اور زلازل کی بدولت پہاڑ تعمیر ہوئے۔ حالت سوم میں نباتات کا آغاز ہوا اور حالت چہارم میں زندگی نے جنم لیا۔

سونے اور چاندی کی بارش مختلف معادن کو گیسی صورت میں تبدیل کرنے کے لئے مختلف درجہائے حرارت کی ضرورت ہے مثلاً:

۱۔ سکے کو گیس میں تبدیل کرنے کے لئے ۲۲۶ درجۂ حرارت درکار ہے۔

۲۔ المونیم " " " " " " ۲۶۵ " " " " " "

۳۔ چاندی " " " " " " ۹۰۴ " " " " " "

۴۔ تانبے " " " " " " ۱۰۵۴ " " " " " "

۵۔ سونے " " " " " " ۱۰۷۵ " " " " " "

جب زمین سورج سے علیحدہ ہوئی تھی تو بہت گرم تھی۔ نتیجتاً یہ معادن بار بار گیس بن کر فلک کی طرف اٹھتیں۔ خشک فضاؤں میں پہنچتے ہی دوبارہ زمین پر ٹپک پڑتیں اور پھر گیس میں تبدیل ہو کر اوپر چلی جاتیں۔ لاکھوں برس تک بادل زمین پر سیم و زر کی بارشیں برساتے رہے بعد میں جب قشرِ زمین سرد پڑنے لگا تو یہ دھاتیں بھی منجمد ہونے لگیں۔ سب سے پہلے سونا پھر تانبا اور آخر میں سکہ منجمد ہوا تا آنکہ زلزلے آئے اور یہ معادن زمین میں دب گئے۔

مدارج ستہ تفاصیلِ بالا کا ماحصل یہ ہے کہ کائنات کو ارتقاء کے چھ درجوں سے گزرنا پڑا:

(۱) عناصر ترکیبی دخان کی صورت میں نمودار ہوئے۔

(۲) ان عناصر سے اجرام سماوی پیدا کئے گئے۔

(۳) آفتاب سے زمین نکلی۔

(۴) زمین ٹھنڈی ہوئی بخارات پانی بن کر ٹپک پڑے اور زلازل سے ہر طرف پہاڑ تعمیر ہوگئے۔

(۵) پھر نباتات کا ظہور ہوا۔

(۶) اور آخر میں حیوانات کی تخلیق ہوئی۔ جن کی ارتقائی صورت انسان ہے۔

ماحصل یہ کہ اللہ نے آسمان کو دو عصروں اور کائنات ارضی کو چار عصروں میں مکمل کیا۔

ان نتائج پر جدید علمائے مغرب سینکڑوں برس کی تحقیق و تلاش کے بعد پہنچے اور ہمارے امی رسولؐ نے آج سے ۱۳۶۲ برس پہلے فرمایا تھا:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ

(حم سجدہ ۹ تا ۱۲)

کیا تم اس ہستی کے قوانین کو توڑتے ہو جس نے دو ایام میں زمین کی تکمیل کی۔ تم خواہ مخواہ اس کے شریک گھڑتے ہو حالانکہ وہ رب العالمین ہے اللہ نے زمین پر پہاڑوں کا سلسلہ بچھا کر اس میں برکت ڈال دی اس میں روئیدگی نباتات کی استعداد رکھ دی اور یہ سب کچھ چار دن میں ہوا ان خزائن کے منہ سب کے لئے کھلے ہوئے ہیں پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس وقت دھوئیں کی حالت میں تھا۔ پھر اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ آؤ اور اپنا کام طوعاً و کرہاً شروع کر دو۔ زمین و آسمان نے کہا کہ ہم فرماں بردار غلاموں کی طرح حاضر ہیں۔ اللہ نے سات آسمان دو دن میں پیدا کئے اور ہر آسمان کو ایک ضابطے کا پابند کر دیا۔

تو گویا زمین پہاڑ اور نباتات وغیرہ چار یوم میں بنائے اور آسمان دو دن میں خلق کیے۔ قرآن اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آسمانوں کی رفعت و تسویہ اور رات دن کی تفریق پہلے ہوئی، اور زمین کی تخلیق بعد میں ہوئی:

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (نازعات ۲۷ تا ۳۳)

اے لوگو! کیا تمہاری تکوین دشوار ہے یا آسمانوں کی، اللہ نے آسمانوں کو بلند کر کے ان کی ساخت ہر لحاظ سے مکمل کی پھر شب و روز کا انتظام تکمیل تک پہنچایا اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ پھر پانی نباتات اور پہاڑوں کی تعمیر کی اور یہ سب چیزیں تمام ذی حیات کے لئے مدارِ زندگی ہیں۔

چھ (ستہ) اعداد کی تین قسمیں ہیں (۱) زائد (۲) ناقص (۳) اور کامل۔ عددِ زائد میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل سے زائد ہوتا ہے مثلاً ۱۲ اس کے اعدادِ ضرب (یعنی جن پہ تقسیم ہو سکتا ہے یا جن کا حاصلِ ضرب ۱۲ ہوتا ہے) ۶، ۴، ۳، ۲، ۱ ہیں جن کا مجموعہ ۱۶ ہے عددِ ناقص میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل سے کم ہوتا ہے، مثلاً ۸، اس کے اعداد ضرب یعنی ۴، ۲، ۱ کا مجموعہ ۷ ہے عددِ کامل میں اعدادِ ضرب کا مجموعہ اصل کے برابر ہوتا ہے مثلاً ۶، اس کے اعداد ضرب ۳، ۲، ۱ کا مجموعہ ۶ ہے۔

اعداد کاملہ اکیس لاکھ تک صرف ۶ ہیں یعنی عدد کامل چھ جستوں میں اکیس لاکھ تک جا پہنچا اسی طرح جب کائنات چھ زمانوں سے گزر چکی تو دنیا میں کم و بیش اکیس لاکھ قسم کے نباتات

ؔ ملاقات کواکب کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کا ایک دن ہزار، پچاس ہزار، پچاس لاکھ بلکہ پچاس کروڑ سال کا ہو سکتا ہے۔ تفصیل وہیں دیکھئے۔ (برق)

حیوانات و جمادات پیدا ہو گئے اور یہ انواع چھ کے عدد کی طرح ہر لحاظ سے مکمل تھیں اعدادِ کاملہ دس سنکھ تک صرف ۱۷ ہیں، اور پہلے ۶ اعداد یہ ہیں۔

(۱)	۶
(۲)	۱۸
(۳)	۴۲۹
(۴)	۲۹۴۸
(۵)	۱۳۰۸۱۶
(۶)	۲۰۹۶۱۲۸

زمینوں کی تعداد موجودہ علمائے فلک کا یہ خیال ہے کہ کائنات میں کم و بیش تیس کروڑ زمینیں چکر کاٹ رہی ہیں۔ اس نظریئے کی بنیاد اس مشاہدے پر رکھی گئی ہے کہ فضا میں شموس کی تعداد دس کروڑ ہے اور ہر سورج کے ارد گرد کم و بیش تین زمینیں گھوم رہی ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط (مدثر ۴) | اللہ کے لشکروں کا علم صرف اللہ ہی کو ہو سکتا ہے۔

جہنم بعض کتبِ احادیث میں مذکور ہے کہ جہنم زمین کے نیچے ہے اور دوسری علمائے جدید نے ثابت کیا ہے کہ بطنِ زمین میں ۱۳۰۰ درجہ حرارت کی آگ موجود ہے آتش فشاں پہاڑوں سے جو معادن باہر نکلتی ہیں وہ اندرونی آگ کی وجہ سے پگھلی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہم جہنم کا تصور یوں کر سکتے ہیں کہ ایک شدید زلزلے کی وجہ سے بطنِ زمین باہر آجاتا ہے اور ہر طرف آگ کے امواج سمندر لہریں لینے لگتے ہیں۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ (حج ۱) | اے انسانو! اللہ سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک خوفناک چیز ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ اگر زمین کا بطن باہر آجائے تو دفعتًہ تمام سمندر کھولنے لگ جائیں نباتات و جمادات میں آگ بھڑک اُٹھے اور تمام فضا سُرخ چنگاری کی طرح دہکنے لگے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ قیامت کے دن کوئی تازہ زمین کسی آفتاب سے نکال لائے جو بے انتہا گرم ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس روز سُورج زمین کے اس قدر قریب پہنچ جائے کہ لوہار کی بھٹی کا سماں بندھ جائے۔

بہر حال کسی کو یقینی علم حاصل نہیں کہ اس وقت کیا کیفیت ہو گی، اس لئے کہ

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (لقمان ۳۴) | قیامت کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے۔

ہماری زمین کی عمر مصر میں چند مقامات سے چار ہزار سال پہلے کے گھر برآمد ہوئے ہیں۔ ایک گھر کی دیوار پر اس عہد کی زبان میں یہ الفاظ کندہ ہیں:

"جولیا میری پیاری جولیا، ایک حسین اور چھوٹا سا سور ہے۔"

ایک اور قبر پر یہ الفاظ منقوش ہیں:

"اس میں سوائے اس کے کوئی اور عیب نہ تھا کہ یہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔"

ان فقرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کا انسان دماغی ساخت اور اندازِ تخیل میں ہم سے مختلف نہ تھا۔ چونکہ نسلِ انسانی کو ابتدائی دورِ وحشت سے گزر کر منازلِ تمدن تک پہنچنے کے لئے ہزارہا قرن درکار ہیں، اس لئے بائبل کی بتلائی ہوئی انسانی عمر (۶۰۰۰) سال درست نہیں[1]۔

لارڈ کلون کے ہاں زمین کی عمر دو کروڑ سال ہے اور اس نے اس نظریئے کی بنیاد

---

[1] میرا مقصد یہ ہے کہ بائیبل کے سال کو ۳۶۵ دن کے برابر سمجھنا درست نہیں۔ اللہ کے دن اور سال بہت لمبے ہوتے ہیں، ورنہ حاشا و کلا کلام الٰہی کی تکذیب منظور نہیں۔ (برقؔ)

زمین کی مختلف بیرونی حالتوں اور اندرونی درجہ حرارت پر رکھی ہے اس کے خیال میں زمین کا بیرونی قشر بیس لاکھ سال میں ٹھنڈا ہوا تھا۔

بعض علمائے طبقات الارض کی رائے یہ ہے کہ زمین کی اندرونی تہوں میں ریڈیم کی مقدار بہت زیادہ ہے چونکہ ریڈیم حرارت پیدا کرتا ہے اس لئے زمین کا پیٹ گرم ہے لیکن لارڈ کلون اس نظریئے کے ساتھ متفق نہیں چنانچہ ایک خط (جو ۱۹۰۶ء میں لکھا گیا اور "برٹش دیکلی" میں شائع ہوا) میں لکھتے ہیں:

"یہ بات قطعاً ناقابلِ یقین ہے کہ سورج اور زمین ریڈیم کی وجہ سے گرمی روشنی دے رہے ہیں"

پروفیسر جولی کا اندازہ

آغازِ آفرینش میں جب پہلی دفعہ سمندر بنے تو ان کا پانی میٹھا تھا پھر برساتی نالوں اور دریاؤں (جو ادھر اُدھر سے سوڈا لاتے ہیں) کی وجہ سے رفتہ رفتہ نمکین ہو گیا۔

پروفیسر جولی نے سالہا سال کی تحقیق و جستجو کے بعد اعلان کیا کہ ہر سال دنیا کے تمام دریا اور نالے سمندروں میں سولہ کروڑ ٹن نمک کا اضافہ کرتے ہیں اور اس وقت سمندروں کے نمک کا مجموعی وزن چودہ ہزار کھرب ٹن ہے جس کے جمع ہونے پر نو کروڑ برس ہوئے اور یہی زمین کی عمر ہے۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں
(اقبال)

آغازِ حیات

حیوانات و نباتات کا خوردبینی معائنہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بے حجاب ہو چکی ہے کہ تمام حیوانات و نباتات خلیوں سے بنے ہیں ان میں سے بعض واحد الخلیہ ہیں اور بعض کثیر الخلایا۔ یہ خلیے سمندر کے ایک جھلی دار مادے نخزمایہ سے تیار ہوئے تھے جو سمندر کے

ساحل پر ملتا ہے۔ سب سے پہلے اس تخمِ مایہ سے امیبا (AMOEBA) بنا۔ امیبا ایک واحد الخلیہ جانور ہے جو کیچڑ میں ملتا ہے اس کے بعد دو، تین، چار بلکہ ہزاروں اور کروڑوں خلیوں والے جانور وجود میں آئے، جن میں حیوانات بھی شامل ہیں۔

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (صافات - ۱۱)	ہم نے انہیں لیسدار کیچڑ (ساحلی دلدل) سے پیدا کیا۔

حیوانات کا موجودہ تنوع اسی واحد الخلیہ مخلوق کے ارتقاء و استعمار کا نتیجہ ہے۔

رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ (نساء - ۱)	اللہ نے تمہیں واحد الخلیہ جانور سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی مادہ نکالی۔

امیبا کے تکوینی اجزاء یہ ہیں: کاربن، نائٹروجن، ہائیڈروجن اور یہی ہمارے اجزائے تعمیر ہیں۔ پانی اور ہوا کے عناصر تکوینی بھی یہی ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانی زندگی کی ابتداء سمندر سے ہوئی تھی۔

توریت باب پیدائش میں درج ہے:

"پھر ہم نے پانیوں (سمندر) کو حکم دیا کہ جاندار و متحرک مخلوق پیدا کرو"۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے۔

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ	آغاز میں ارض و سما کا ہیولیٰ ایک تھا پھر ہم نے اسے علیحدہ علیحدہ کر کے مختلف دنیائیں بنا ڈالیں اور جاندار اشیاء کو پانی (سمندر) سے پیدا کیا۔

یہ واحد الخلیہ مخلوق (امیبا) مندرجہ ذیل مدارج سے گزر کر تکوینِ آدم پر منتہی ہوئی:

۱۔ ان خلیوں سے پہلے نباتات بنے۔

۲۔ پھر حیوانی نباتات نمودار ہوئے یعنی ایسے نباتات جن میں حرکت معدہ اور بعض حیوانی اعضاء تو موجود تھے لیکن دیکھنے سننے اور سونگھنے سے محروم تھے۔

۳۔ پھر رینگنے والے کیڑے پیدا ہوئے۔

۴۔ اس کے بعد اصداف اور جونکیں وجود میں آئیں۔

۵۔ پھر سرطان البحر نے جنم لیا اور ساحل پر بچھو نظر آنے لگے۔

۶۔ اس کے بعد مچھلیاں، مگرمچھوں اور دیگر حیواناتِ آبی کا دور آیا۔

۷۔ پھر زندگی نے خشکی پر قدم رکھا۔ کیڑوں، مکوڑوں، پرندوں اور چوپاؤں کے بعد انسان کی باری آئی اور فوراً:

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

(یہ شعر کتاب میں یوں ہے:)

خبرے رفت زگردوں بہ شبستان ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد (اقبالؒ)

الغرض زندگی پانی کی پیداوار ہے۔ پہلے ایک خلیہ تھی، پھر اسفنجیہ، پھر شعاعیہ اور پھر ہلامیہ بنی۔ اس کے بعد حشرات، دیدان، عناکب، طیور اور حیواناتِ سفلی وعلوی کے منازل سے گزر کر انسانی عظمتوں تک جا پہنچی۔ انسانوں میں بعض وحشی، بعض عقلاء، بعض اولیاء اور بعض انبیاء ہیں، پتہ نہیں چلتا کہ راہ وارِ حیات کی آخری منزل کون سی ہے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (نجم ۴۲) | اور بیشک تمہاری آخری منزل خیام قدس تک رسائی ہے۔

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے (اقبالؒ)

رحم رحم مادر میں بالکل وہی عناصر موجود ہیں، جو سمندر میں ملتے ہیں اور درجہ حرارت بھی وہی ہے۔ ماہرینِ تولید نے ہزارہا تجارب ومشاہدات کے بعد یہ ایمان افروز اعلان کیا ہے کہ جس طرح آغاز میں زندگی مختلف مدارج سے ہوتی ہوئی منزل انسانیت تک پہنچی تھی، اسی طرح کا ایک حیرت انگیز سلسلہ ماں کے پیٹ میں بھی کارفرما ہے۔ نطفہ رحم مادر میں پہلے

ایک خلیہ سا ہوتا ہے اس کے بعد چند مدارج سے گزر کر جونک بنتا ہے پھر مینڈک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر پرندوں کی طرح ایک چونچ سی نظر آنے لگتی ہے اس کے بعد چوپاؤں کی صورت بدلتا ہے۔ چوتھے مہینے میں سر و بازو کے ہمراہ ایک چھوٹی سی دُم نکلتی ہے جو پانچویں مہینے میں غائب ہو جاتی ہے، چھٹے مہینے میں نر و مادہ کی تمیز ہوتی ہے۔ آٹھویں میں آنکھیں کھلتی ہیں اور سر پہ بال اگ آتے ہیں۔

الغرض انسان کا بچہ تمام ان مناظر سے گزرتا ہے جن سے زندگی کو آغازِ آفرینش میں گزرنا پڑا تھا۔ ابتدائی مراحل میں انسانی بچہ دیگر حیوانات کے بچوں سے متمیز نہیں کیا جا سکتا۔

ان مدارج میں سے بعض کا ذکر قرآن حکیم میں بھی موجود ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ○ (مومنون ۱۲ تا ۱۴)

اس آیت میں چار لفظ قابل غور ہیں:

۱۔ سُلَالَةٍ۔ اس لفظ کے معنی الفرائد الدریہ میں یوں دیئے جاتے ہیں۔

سلالۃ (OFFSPRING) یعنی بچہ

(ESSENCE) یعنی نچوڑ

ہم عرض کر چکے ہیں کہ امیبا کیچڑ میں جنم لیتا ہے یعنی وہ کیچڑ کا بچہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔

۲۔ عَلَقَةً۔ اس لفظ کے معنی جونک بھی ہیں۔ عُلِقَ۔ (اسے جونک لگائی گئی)

اعلق۔ (اس نے جونک لگائی)۔

۳۔ مُضغۃً۔ اس کے مشتقات میں سے ایک لفظ "مضیغہ" ہے جس کے معنی "بازو ٹے اسپ" ہیں
ہم عرض کر چکے ہیں کہ رحمِ مادر میں ایک منزل پہ بچہ چوپائے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔
۴۔ خلقاً اٰخر۔ رحم مادر میں بچہ پہلے جونک، پرندے اور حیوان کی شکل میں ہوتا ہے۔ آخر میں
جب اسے انسانی صُورت عطا ہوتی ہے تو یہ حقیقتاً ایک نئی تخلیق ہوتی ہے۔

آیت کا ترجمہ ہم نے آغاز میں انسان کو کیچڑ کے بچے یعنی امیبا سے پیدا کیا اور اب اس کی تولید کا سلسلہ رحم مادر سے جاری کر دیا۔ پہلے ہم نطفہ کو جونک (علقہ) کی شکل میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر جونک کو گوشت کا لوتھڑا (گھوڑے سے مشابہ) بناتے ہیں پھر ہڈیاں پیدا کر کے اُوپر گوشت چڑھاتے ہیں اور اس کے بعد ہم اسے انسانی صُورت دے کر باہر نکال لاتے ہیں وُہ بہترین خالق کس قدر قابلِ تعریف ہے۔

علماء کا خیال یہ ہے کہ شروع میں انسان کی پیدائش خطِ استوا کے قریب سمندر کے ساحل پہ ہوئی تھی انسانی رحم نے نہ صرف اس حرارت کو محفوظ رکھا۔ بلکہ وُہ تمام عناصر بھی یہاں موجود ہیں، جو سمندروں میں ملتے ہیں۔

اللہ اکبر! تخلیق و تکوین کے جس منظر کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھو۔ ایک اکمل و اتم نظام ہر جگہ نظر آتا ہے جس کی تفسیر کا نام معرفت ہے۔ وقت آگیا ہے کہ انسان اس شاہد حجلہ نشین کو ڈھونڈ کر بے نقاب کر دے۔

فارغ نہیں بیٹھے گا عالم میں جنوں تیرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک (اقبالؒ قدرے ترمیم کے ساتھ)

ایوانِ کائنات کی اینٹیں کائنات کا ہر منظر لالہ صحرا سے عرش کے تاروں تک ذراتِ برقیہ سے تعمیر ہوا ہے اگر ہم خوردبین سے پانی کا معائنہ کریں تو ہمیں چھوٹے چھوٹے

ذرّات نظر آئیں گے جن میں سے ہر ایک کا قطر $\frac{1}{5,000,000}$ انچ ہوگا۔ مائیکروب پر نگاہ ڈالئے۔ گو یہ خاکی ذرّے سے بہت چھوٹا ہوتا ہے لیکن دراصل کئی ہزار جواہر سے مرکب ہوتا ہے، پھر ہر جوہر منفیہ و ثباتیہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یہ مائیکروب سے ہزار گنا چھوٹے ذرات وُہ اینٹیں ہیں جن سے ایوانِ فطرت تیار ہُوا۔ اس مہیب کائنات کا ہر منظر ان ہی بے مقدار ذرات سے بنا۔ سائنس کا یہ انکشاف توحید پہ سب سے بڑی دلیل ہے، فرض کیجئے ایک انسان زمین کا پیٹ چیر کر میلوں اندر گھُس جاتا ہے اور وہاں سے نرالی دھات کا ایک ٹکڑا نکال لاتا ہے پھر بحر الکاہل کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر سات میل نیچے سے کوئی خول اٹھا لاتا ہے اس کے بعد آسمان کی نیلی فضاؤں میں کھرب ہا میل دُور جا کر کسی مدھم تارے سے ایک کنکر اڑا لاتا ہے اور خوردبین کے نیچے رکھ کر ہر سہ کا معائنہ کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کی حیرت کی حد نہ رہے گی کہ ان تینوں کے اجزائے ترکیبی وہی ذراتِ برقیہ ہیں جو ذرۂ غبار ورقِ گل، قطرۂ شبنم و زہرہ و مشتری میں یکساں پائے جاتے ہیں۔

حقیقت ایک ہے، ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو
لہو خورشید کا ٹپکے، اگر ذرّے کا دل چیریں (اقبالؔ)

فوق العرش سے تحت الثریٰ تک عناصرِ تکوینی کی یہ وحدت، وحدتِ خالق کا ایک ناقابلِ تردید اعلان ہے۔

کبھی وُہ زمانہ تھا کہ علماء کو اللہ کی ہستی سے متعلق بے شمار شبہات ہُوا کرتے تھے۔ علم اس قدر ناقص تھا کہ جہالت و معرفت کی سرحدیں باہم ملی ہُوئی تھیں آج علمائے مغرب کی تلاش و محنت نے عروسِ فطرت کے بہت سے خد و خال عریاں کر دیئے ہیں اور کوئی دن میں انسان کا گستاخ ہاتھ دامنِ قدس تک پہنچنا چاہتا ہے۔

عشق بھی ہو حجاب میں، حُسن بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو، یا مجھے آشکار کر (اقبالؒ)

ان خشت ہائے ہستی (ATOMS) کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً جواہر آبی، آکسیجنی، آہنی کاربنی وغیرہ۔ پانی کا خورد ترین قطرہ آکسیجن کے ایک جوہر اور ہائیڈروجن کے دو جواہر سے مِل کر سالمہ (MOLECULE) آبی کہلاتا ہے۔ بعض اشیاء کی سالمات زیادہ جواہر سے مرکب ہوتے ہیں جن کی تعداد سو سے ہزار تک ہو سکتی ہے۔ پانی میں آکسیجن کا ایک جوہر ہائیڈروجن کے دو جواہر کو تھام سکتا ہے اور نمک میں سوڈے کا ایک جوہر کلورین کے صرف ایک جوہر کو قابو میں کر سکتا ہے لیکن کلورائڈ آف گولڈ میں سونے کا ایک جوہر کلورین کے تین جواہر کو تھام سکتا ہے۔

انصال جوہر | یہ جواہر مختلف مقادیر میں مل کر مختلف اشیاء تیار کرتے ہیں یہ ملاپ کسی قدرتی و کیمیائی ترکیب کا نتیجہ ہوتا ہے جس کا یقینی علم حاصل نہیں۔ عام نظریہ یہ ہے کہ بعض میں مثبت اور بعض دیگر میں منفی بجلی موجود ہے۔ چونکہ مثبت بجلی منفی بجلی کو کھینچتی ہے جواہر ایک دُوسرے سے مِل جاتے ہیں اگر دو جوہروں میں ایک ہی قسم کی بجلی یعنی مثبت یا منفی ہو تو وُہ ایک دُوسرے سے دُور بھاگتے ہیں۔ ہائیڈروجن کے جوہر میں اللہ نے مثبت اور آکسیجن کے جوہر میں منفی بجلی رکھ دی جس سے وُہ ایک دُوسرے کی طرف کھنچ رہے ہیں اور پانی تمام عالم کے لئے مدارِ حیات بن رہا ہے۔

ان جوہروں کی باہمی گرفت اس قدر سخت ہوتی ہے کہ اگر ہم لوہے کی صرف ایک چوتھائی انچ موٹی سلاخ کو توڑنا چاہیں تو سو ٹن طاقت درکار ہوگی۔ اگر ہم کسی ٹوٹی ہوئی سلاخ کے دو ٹکڑوں کو پاس پاس رکھ دیں تو وُہ آپس میں نہیں جڑیں گے اس

لئے کہ پورا اتصال پیدا کرنے کے لئے جواہر کو زیادہ قریب لانے کی ضرورت ہے جو آگ اور ہتھوڑے کے بغیر ممکن نہیں۔

ارتعاش جواہر تمام جواہر ایک مسلسل ارتعاش کی حالت میں رہتے ہیں جس سے کچھ حرارت بھی پیدا ہوتی ہے۔ جب پٹری پر سے ریل گزر جاتی ہے تو ارتعاش ذرات کی وجہ سے تمام پٹری گرم ہو جاتی ہے بعض اشیاء مثلاً لکڑی کے جواہر میں ارتعاش کم ہوتا ہے اس لئے وہ سرد اجسام کہلاتے ہیں۔ یہ ارتعاش حرکت کا نتیجہ ہے اور حرکت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ جواہر باوجود اتصال کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں علمائے فطرت نے مسلسل مشاہدات کے بعد اعلان کیا ہے کہ تمام جواہر میں باوجود اتصال کے انفصال بھی ہے اور حرکت بھی۔ اگر ہم لوہے کو تیز آگ میں رکھ کر گرماتے جائیں تو ہجوم ارتعاش و اضطراب کی وجہ سے جواہر اپنی اتصالی گرفت کو ڈھیلا کر دیں گے لوہا پھیل جائے گا اور مزید حرارت کے بعد یہ جواہر ایک دوسرے سے جدا ہو کر آہنِ سیال کی صورت اختیار کر لیں گے۔ اگر چھ ہزار درجے کی حرارت پہنچائی جائے تو آہنی سیال گیسی صورت میں تبدیل ہو جائے گا۔ یہیں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہر جسم میں مسام موجود ہیں، ورنہ جواہر متحرک نہ ہو سکتے۔

فولاد میں جواہر کی حرکت گھڑی کے پنڈولم کی طرح ہے لیکن بعض دیگر اجسام میں یہ حرکت دوری اور کہیں اختلاط و امتزاج کی ہوتی ہے۔ چائے میں دودھ ڈالنے کے بعد چائے کے جواہر دودھ کے جواہر میں خلط ملط ہو جاتے ہیں اسی طرح بوٹے گل کے جواہر ہوائی جواہر میں شامل ہو کر شامہ تک پہنچتے ہیں۔

ایک منفیے کی رفتار پانچ ہزار میل فی سیکنڈ شمار کی گئی ہے۔ اگر ہوا کا دباؤ کم

کر کے منفیے کی رفتار کو برقی رو سے بڑھا دیا جائے تو ساٹھ ہزار میل فی سیکنڈ تک پہنچ جائے گی۔ یا یوں سمجھئے کہ یہ منفیہ ایک سیکنڈ میں بحرِ اوقیانوس کو بیس مرتبہ عبور کر سکے گا اور چاند تک صرف چار سیکنڈ میں جا پہنچے گا۔ ایک منفیہ حجم میں جوہر آبی سے اٹھارہ سو گنا کم ہوتا ہے اور ہر سالمہ میں ایک لاکھ منفیے ہوتے ہیں۔

ہر شے میں زندگی ہم عرض کر چکے ہیں کہ جواہر کی ترکیب منفیوں سے ہوتی ہے۔ ہر دو منفیوں کے درمیان خالی جگہ ہوتی ہے۔ جہاں منفیہ حرکت کرتا ہے تیز حرکت کی وجہ سے یہ خالی جگہ یوں پُر ہو جاتی ہے جس طرح ایک لاٹھی کو آگ لگا کر ہوا میں گھمائیں تو فضا میں آتشیں چکر بن جاتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز انہی زندہ و تیز رو ذرات کا مجموعہ ہے اسی لئے تو قرآن حکیم میں پہاڑوں کو متحرک کہا گیا ہے۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۔ (نمل ۸۸)	تم پہاڑوں کو ساکن خیال کرتے ہو حالانکہ وہ بادل کی رفتار سے چل رہے ہیں۔

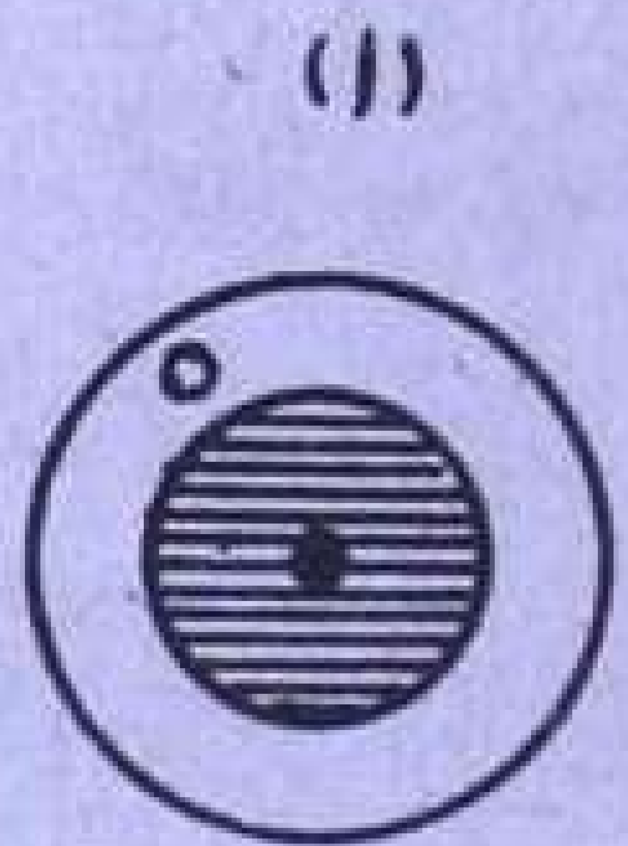
پہاڑوں کی یہ حرکت ایک تو حرکت زمین کی وجہ سے ہے اور دوسرے ان منفیوں کی وجہ سے جن سے ان پہاڑوں کی ترکیب ہوئی۔

کائنات میں تنوع (ایک سوال) اگر سونے اور مٹی کے اجزائے ترکیبی وہی ہیں تو پھر سونا، سونا کیسے بن گیا، اور مٹی، مٹی کیوں رہ گئی؟

جواب جواہر میں منفیوں کی کمی بیشی اور اختلافِ نظام سے کائنات میں تنوع پیدا ہو گیا۔ کسی جوہر میں منفیے وسط میں ہیں تو کہیں کناروں کے پاس ہیں پھر تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی اختلاف نظام و تعداد تنوع مناظر کا سبب ہے۔

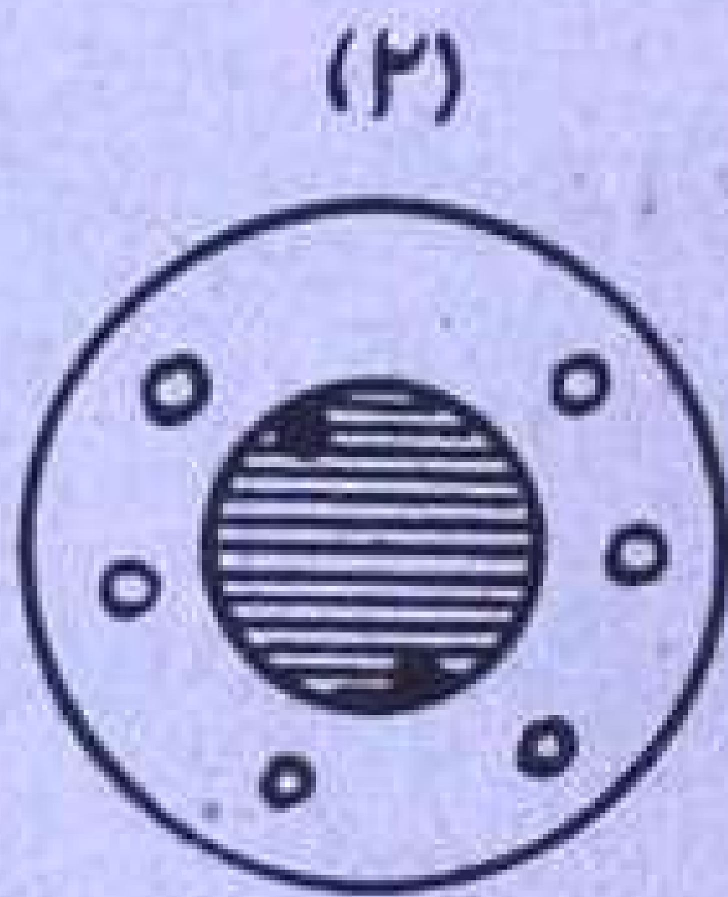
مثلاً:

(۱)



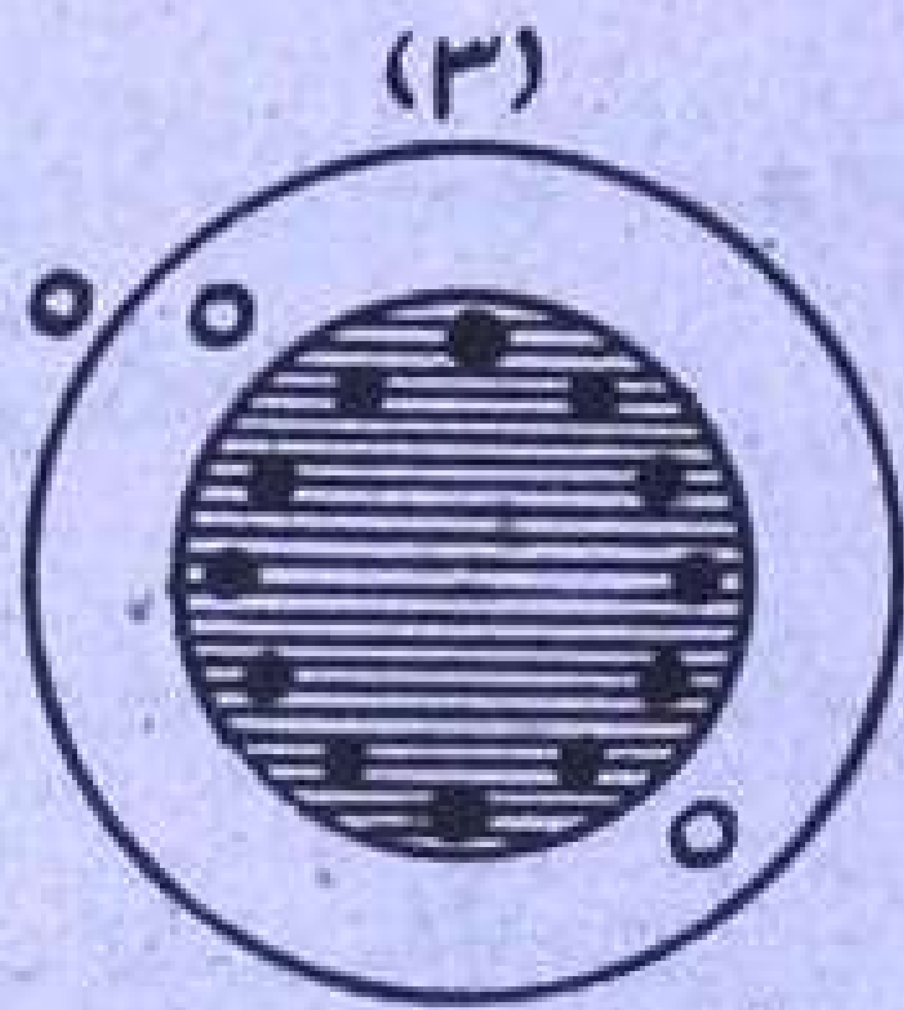
جوہر ہائیڈروجن

(۲)



جوہر آکسیجن

(۳)



کیلشیم کا جوہر

تشریح ۱۔ہائیڈروجن کے جوہر میں صرف ایک منفیہ ہوتا ہے۔

۲۔آکسیجن کے جوہر میں آٹھ منفیے ہوتے ہیں۔

۳۔کیلشیم کے جوہر میں بیس منفیے ہوتے ہیں۔

(نوٹ) خط کشیدہ حصہ برق مثبت کا مرکز ہے۔

تو یہ ہیں کائنات کی اینٹیں۔ایک مغربی عالم نے جب ان جواہر کی ایمان افروز مشینری کو دیکھا تو پکار اٹھا:

"IT IS WONDER THAT MAN'S BRAIN REELS BEFORE THE INFINITELY GREAT THINGS OF THE UNIVERSE ON THE ONE HAND AND THE INFINITELY SMALL THINGS OF NATURE ON THE OTHER".

"حیرت ہے کہ ایک طرف تو انسانی عقل قدرت کی بڑی مہیب ایجادات کو دیکھ کر لرز اٹھی ہے اور دوسری طرف باریک ترین ذرات کا اعجاز دیکھ کر تحیر میں کھو جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے ہمیں ان خوردبینی اجزائے تکوین کی طرف یوں متوجہ کیا ہے:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي | ارض و سما کا کوئی ذرہ (جوہر) ذرے سے بھی چھوٹا

الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَاَصْغَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرَ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ (یونس ۶۱)

(منفیہ) یا بڑا (سالمہ) اللہ کی نگاہ سے غائب نہیں بلکہ اس کی روشن کتاب میں موجود ہے۔

اس کتاب میں اگر اصغر و اکبر سے مراد منفیہ و سالمیہ نہ لئے جائیں تو ساری آیت ایک چیستاں بن کر رہ جاتی ہے، چونکہ اللہ کو علم تھا کہ بیسویں صدی میں علمائے فطرت ذرّے کے یہ اقسام دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اس لئے وحی میں اس آخری کتاب کی عظمت تسلیم کرنے کے لئے اللہ نے اقسام ذرات کا بھی ذکر فرما دیا۔ قرآن حکیم کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ اس میں ایک ایسی چیز کا ذکر موجود ہے جس کا علم ایک طاقت ور خوردبین کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔

مجھ پر ایک دورِ الحاد (۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۰ء) بھی گزر چکا ہے جب قرآن پر پھبتیاں کسنا مذہب کو ڈھونگ قرار دینا اور اللہ کا مذاق اُڑانا میرا مشغلہ ہوا کرتا تھا اور اب کہ میری آنکھیں کھل چکی ہیں، مجھے کائنات کا ہر ذرہ ایک آیت اور ہر پتہ کتاب اللہ کا ایک ورق نظر آتا ہے۔

خود را نہ پرستیدہ عرفاں چہ شناسی
کافر نہ شدی، لذتِ ایماں چہ شناسی

انہی ذرات خوردبینی کا سالہا سال تک مطالعہ کرنے کے بعد لارڈ کلون چلا اٹھتا تھا:

"IT IS IMPOSSIBLE TO CONCEIVE EITHER THE BEGINNING OR THE CONTINUANCE OF LIFE WITHOUT AN OVER-RULING CREATIVE POWER. OVERPOWERING STRONG PROOFS OF BENEVOLENT AND INTELLIGENT DESIGN ARE TO BE FOUND AROUND US, TEACHING THAT ALL LIVING

THINGS DEPEND ON ONE EVERLASTING CREATOR AND RULER".

"یہ خیال سراسر باطل ہے کہ کائنات کا آغاز یا تسلسل بغیر کسی خالق کے ہو سکتا ہے فطرت کے یہ حیرت انگیز مناظر جن سے تکمیل و رحمت برستی ہے۔ الٰہی تخلیق و تعمیر پر مبہوت کن دلائل ہیں جو ہمیں صاف صاف بتا رہے ہیں کہ وجود کائنات کا انحصار ایک حی و قیوم فرماں روا کی مشیت پر ہے"۔

لارڈ کلون کے نتائج غور و فکر الہام کے قریب جا پہنچے ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (بقرہ - ۲۵۵)

پرستش کے قابل ارض و سما کا وہ حی و قیوم نگران ہے جسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔

فضا کے ان کروڑوں کروں میں تصادم کیوں نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ جاگ رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (فاطر ۴۱)

اللہ ارض و سما کے سرکش کروں کی باگیں تھامے ہوئے ہے کہ کہیں یہ اپنے مداروں کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اور اگر ایسا اتفاق ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نہیں جو انہیں تھام سکے۔

وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (حج ۶۵)

اللہ نے آسمانوں کو تھامے رکھا ہے کہ زمین پر نہ گر پڑیں

خیز و وا کن دیدۂ مخمور را ۔۔۔ دوں مخواں ایں عالم مجبور را

غایتش توسیعِ ذات مسلم است ۔۔۔ امتحانِ ممکنات مسلم است (اقبال)

بجلی ان ذرات میں بجلی کہاں سے آگئی؟ ہم نہیں جانتے ہمیں اب تک اتنا ہی معلوم

ہو سکا ہے کہ بجلی دو قسم کی ہوتی ہے مثبت و منفی سا اگر شیشے کی ایک سلاخ کو ریشمی
کپڑے سے رگڑا جائے تو سلاخ کے کافی منفیے کپڑے میں چلے جاتے ہیں اور پیچھے
تقریباً مثبت بجلی رہ جاتی ہے اور اگر لاکھ کی سلاخ کو اسی کپڑے میں رگڑیں تو کپڑے کے
منفیے سلاخ میں چلے جاتے ہیں اور سلاخ میں منفی بجلی بڑھ جاتی ہے جب کسی جسم میں منفیے بڑھ
جاتے ہیں تو وہ فالتو منفیوں کو دور پھینک دیتا ہے اس پھینکنے کو اصطلاح میں "ڈسچارج"
کہتے ہیں۔ یہ ڈسچارج ہمیشہ منفی مبرق جسم سے مقابلۃً مثبت جسم کی طرف ہوتا ہے۔
منفیوں کی دوڑ بجلی کی رو کہلاتی ہے، چونکہ تانبے یا پیتل کا تار بہت ٹھوس ہوتا ہے اور اس
کے جواہر ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتے ہیں اس لئے یہ جواہرات نہایت پھرتی
کے ساتھ ایک دوسرے کی طرف منفیے پھینک سکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک
قطار میں پچاس چست لڑکے کھڑے ہوئے ہیں جن میں سے پہلا دوسرے کو اور دوسرا
تیسرے کو کوئی چیز پکڑا رہا ہو۔ بس یہی کیفیت پیتل کے تار کی ہے کہ پہلا جوہر نہایت
تیزی سے دوسرے جوہر کو منفیے دے رہا ہے۔ اور اسی کا نام برقی رو ہے۔

جب ہم پیتل کا تار زنک کے قریب لاتے ہیں تو زنک کے منفیے تار میں گھس
جاتے ہیں اگر ہم زنک کو کسی ایسے سلوشن میں ڈال دیں، جس میں وہ گھل سکتا ہو تو زنک
کے تمام منفیے اس سلوشن میں مل جائیں گے، پھر اگر پیتل کا ایک ٹکڑا اس سلوشن میں ڈال
دیں اور ہر دو (زنک اور پیتل کے ٹکڑے) کو پیتل کے تار سے مربوط کر دیں تو منفیوں
کی افراط کی بدولت اس تار میں بجلی کی رو کافی طاقتور ہو جائے گی۔ اسی اصول پر
بیٹریاں تیار کی جاتی ہیں۔

بعض اجسام منفیوں کو بہت جلد آگے چلاتے ہیں اور بعض اس معاملہ میں بیحد

سست واقع ہوتے ہیں۔ اول موصل اور دوم غیر موصل کہلاتے ہیں۔ تانبے کی ایک تار سے آہنی تار کی نسبت بجلی چھ گنا تیزی سے گزرتی ہے۔ شیشہ کم درجہ کا موصل ہے اور لکڑی غیر موصل ہے اگر آپ چارپائی پر بیٹھ کر بجلی کے تار کو چھوئیں تو صدمہ محسوس نہیں ہوگا اس لئے بجلی لکڑی سے گزر کر زمین میں نہیں جا سکتی۔

ساون کے موسم میں ہم آکہ کی طرف نگاہ اٹھاؤ۔ سیاہ بادلوں کی ایک مہیب فوج انسانی دنیا کی طرف گرجتی، کڑکتی اور دھاڑتی ہوئی بڑھ رہی ہے۔ دل بیٹھے جا رہے ہیں اور کلیجے دھڑک رہے ہیں کہ کہیں بجلیاں بھون نہ ڈالیں ان بادلوں کی رفتار میں کس قدر وقار ہے اس لئے کہ ان کے جلو میں بجلیوں کے طوفان ہیں اور زمستان کے وہ بادل کس قدر مردہ نظر آتے ہیں جن کے پہلو میں آگ نہیں دامن میں بجلیوں کا خزانہ نہیں اور ہاتھ میں آتشیں تازیانہ نہیں۔ بس دنیا میں وہی قومیں باوقار و معزز کہلاتی ہیں جن کے قبضے میں بجلیاں ہوں جن کے ہم رکاب طوفان ہوں اور جن کی مہیب رفتار سینۂ ہستی کو دھڑکا رہی ہو۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (رعد ۱۲)	تمہارا خدا وہ ہے جس کی بجلیاں تم میں خوف و طمع کی دو گونہ کیفیات پیدا کر دیتی ہیں اور جس کے لرزہ انگیز بادل تمام کائنات پر چھا جاتے ہیں۔

ہمارے صوفیوں اور واعظوں نے کائنات کو لرزا دینے والے مسلم کے سامنے گزشتہ آٹھ سو سال میں وہ وہ گوسفندانہ بولیاں بولیں، عجز، تواضع اور انکسار جیسے سلبی اخلاق کا وہ تباہ کن درس دیا کہ اس سیلِ تندرو کی طغیانیاں سکونِ مرگ میں تبدیل ہو کر رہ گئیں اور اس کی طوفانی رفتار لغزش پیر آئیں بدل گئی۔

جس دریا کی لہر نہ اونچی وہ کیسا دریا
جس کی ہوائیں تند نہیں وہ کیسا طوفاں (اقبال)

اقوامِ عالم برق و باد کو مسخر کرنے کے بعد برشگالی بادلوں کی رفتار سے کائنات پر چھا رہی ہیں۔ ان کی پُر ہیبت گرج سے ارض و سما لرز رہے ہیں اور ان کی شمشیرِ خارا شگاف سے قہرمانانِ گیتی رعشہ براندام ہیں اور دوسری طرف صوفی زدہ مسلم گوسفندانہ عجز و مسکنت کا پیکر بنا ہوا ہے۔

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا (اقبال)

پیروانِ اسلام! یاد رکھو تمہاری نجات اللہ کی طرف لوٹنے میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (توبہ ۱۱۶)

یاد رکھو کہ ارض و سما کا مالک اللہ ہے، اقوام کی موت و زندگی اسی کے بس میں ہے اور تمہارے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کے بغیر کوئی اور سبیل کارِ موجود نہیں۔

مسئلہ ایثر یا جو ایثر ازل سے کائنات میں موجود ہے لیکن علمائے فطرت کو حال ہی میں اس کا پتہ چلا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن معجزاتِ ایثر ہیں۔

تالاب کے پُر سکون پانی میں ایک کنکر پھینک دو، پانی میں لہریں پیدا ہو جائیں گی۔ پانی وہیں رہے گا لیکن لہریں تالاب کے کناروں تک جا پہنچیں گی۔ بہ دیگر الفاظ پانی انتقالِ امواج کا وسیلہ بنتا ہے اسی طرح ایثر بھی ہماری متعدد خدمات سرانجام دے رہا ہے یہ ہمارا قاصد ہے کہ ہمارے پیغامات آناً فاناً ہزارہا میل کی مسافت پر پہنچا رہا ہے نیز عملِ بصارت ایثر ہی کی بدولت وقوع پذیر ہو رہا ہے۔

یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک جسم دوسرے جسم پر کسی درمیانی واسطے کے بغیر عمل نہیں کر سکتا اندھیری رات میں ایک جہاز راں دور سے مینار روشنی کو دیکھتا ہے اس مینار اور

جہاز راں کے درمیان ایک واسطہ موجود ہے جو روشنی کی لہروں کو اس ملاح تک پہنچا رہا ہے اسی درمیانی واسطے کا نام ایثر ہے۔ مینار کی روشنی ایثر میں لہریں پیدا کرتی ہے یہ لہریں ملاح کے پردۂ چشم سے ٹکراتی ہیں اور دماغ روشنی دیکھ لیتا ہے یہ یاد رہے کہ دیکھنے کا عمل دماغ سے سرزد ہوتا ہے، اور آنکھیں محض آلاتِ بصارت ہیں۔

اسی طرح آفتاب ایثر میں ہیجان پیدا کرتا ہے اور یہ ہیجان ہمارے دماغ تک پہنچ کر روشنی و حرارت کا احساس دلاتا ہے۔ مقناطیس کچھ فاصلے سے سوئی کو کھینچ لیتا ہے۔ سوئی اور مقناطیس کے درمیان کوئی واسطہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کا نام ایثر ہے۔

اگر ہم ایک صراحی سے ہوا نکال کر اندر ایک بجلی کی گھنٹی لگا دیں جو لگاتار بج رہی ہو تو ہم آواز نہیں سن سکیں گے۔ اس لئے کہ آواز کا درمیانی واسطہ یعنی ہوا موجود نہیں اور اگر اسی صراحی میں بجلی کا لیمپ روشن کر دیا جائے تو روشنی نظر آئے گی۔ اس لئے کہ نظر کا واسطہ ایثر صراحی میں بھی موجود ہے۔

صحیفہ فطرت کے ایک روسی فاضل مسٹر منڈلیف کا خیال یہ ہے کہ ایثر گیس سے بھی زیادہ کوئی چیز ہے جس کے ذرات ہر جسم میں داخل ہو سکتے ہیں لیکن ابھی تک اس نظریئے کی تائید نہیں ہوئی۔

امواجِ ایثری ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں۔ سورج کی روشنی بھی اسی رفتار سے زمین پر آتی ہے جس سے علما نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ روشنی نہیں چلتی بلکہ امواجِ ایثری حرکت کرتی ہیں۔

ایثر کس نے دریافت کیا ہالینڈ کے ایک پروفیسر مسٹر ہوئی جنس نے آج سے دو سو برس پہلے وجودِ ایثر کا اعلان کیا تھا، کچھ مدت بعد لندن کے ایک فاضل ڈاکٹر تھامس ینگ نے

اس نظریئے پر مزید روشنی ڈالی، تو کسی نے توجہ نہ کی بلکہ ایڈن برگ ریویو جلد ۵ اشاعت ۱۸۰۴ء صفحہ ۹۷ میں ایک سالہ لکھا تو اس کا صرف ایک نسخہ فروخت ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد علماء اس نظریئے کی طرف متوجہ ہوئے اور آج اس کے نتائج آپ کے سامنے ہیں۔

امواج ایثری ساکن پانی میں ایک ایک سیکنڈ کے بعد چھوٹے چھوٹے کنکر پھینک کر لہروں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ پہلی لہر اور دوسری لہر میں کتنی مسافت ہے پھر ایک سیکنڈ میں بیس کنکر پھینکئے آپ دیکھیں گے کہ لہروں کا درمیانی فاصلہ بیس گنا چھوٹا ہو جائے گا بس اسی قسم کی لہریں ایثر میں بھی اٹھتی رہتی ہیں۔ اگر ہر دو لہروں میں وقفہ کافی ہو تو یہ لہریں بڑی اور لمبی ہونگی، ورنہ چھوٹی۔

ایثر کی ہر لہر ایک سیکنڈ میں ۱۸۶۰۰۰ میل کی مسافت طے کرتی ہے۔ اگر ایک سیکنڈ میں ایثر کے اندر سو مرتبہ جنبش پیدا کی جائے تو ہر لہر کا درمیانی فاصلہ ۱۸۶۰ میل رہ جائے گا۔

علمائے ایثر نے بعض ایسی امواج بھی دیکھی ہیں جن کا فاصلہ $\frac{۱}{۱۵۰۰۰۰}$ انچ تھا۔ یہ ایثری لہریں منفیوں کی گردش سے پیدا ہوتی ہیں اور حالات ذیل میں یہ مختلف رنگوں کا احساس پیدا کرتی ہیں:

	ایک انچ میں لہریں	منفیوں کی گردش فی سیکنڈ	کس رنگ کا احساس پیدا ہوتا ہے
(۱)	۳۷،۰۰۰	۴۴۰ ملین	نارنجی رنگ
(۲)	۴۲،۰۰۰	۵۰۰ 〃	زرد
(۳)	۴۸،۰۰۰	۵۰۰ 〃	سبز
(۴)	۵۱،۰۰۰	۶۰۰ 〃	نیلا
(۵)	۶۱،۰۰۰	۷۰۰ 〃	انڈیگو
(۶)	۶۴،۰۰۰	۷۵۰ 〃	بنفشی

حقیقتِ ایثر | مثبت بجلی، کششِ زمین، رُوح اور ایثر وُہ راز ہیں جن کا علم انسان کو ابھی تک حاصل نہیں ہُوا اب تک صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ ایثر ہر جگہ موجود ہے۔ یہ ایک لطیف سا بادل ہے، جو عرش سے تحت الثریٰ تک پھیلا ہُوا ہے اس میں کوئی خلا یا دزن موجود نہیں اور نہ پیدا کیا جا سکتا ہے۔ غالباً آیۂ ذیل میں اسی ایثر کی طرف اشارہ ہے:

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (ق ٦)	کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے سروں پر ایک آسمان بنا کر اسے آراستہ کر رکھا ہے اور اس میں کہیں خلا یا دزن موجود نہیں۔

روشنی و بصارت | روشنی ان لہروں کے احساس کا نام ہے جو منفیوں کے ۔۔ بلین چکر فی سیکنڈ سے پیدا ہوں۔ سورج سے پیدا کردہ لہروں میں تیس فی صدی امواجِ نور اور ستر فیصدی امواجِ حرارت ہوتی ہے۔ جگنو کی دُم صرف امواجِ نور اٹھاتی ہے جن میں امواجِ حرارت شامل نہیں ہوتیں۔ اگر جگنو ہمیں یہ راز بتا دے تو ہم ایک بہت بڑے سرکس کو ایک جو کر کی دُم سے روشن کر سکیں۔

جب امواجِ ایثری کسی جسم پر پڑتی ہیں تو اس کے منفیوں میں ہیجان پیدا کر دیتی ہیں اس ہیجان کے احساس کا نام بصارت ہے۔ یہ امر یاد رہے کہ امواجِ نور کے منفیے اس جسم سے ٹکرا کر خود ساکن ہو جاتے ہیں اور اس جسم کے منفیوں میں ہیجان اٹھا دیتے ہیں بعض اجسام ایسے بھی ہیں جن میں سے یہ امواج یوں پار گزر جاتی ہیں کہ ان کے منفیوں میں کوئی ہیجان نہیں اٹھتا، یا بہت کم اٹھتا ہے مطلب یہ کہ اگر اس جسم کے منفیے طاقتور ہوں تو وُہ مقابلہ کرتے ہیں اور ایثر مرتعش ہو جاتا ہے اور اگر کمزور ہوں تو کھسک جاتے ہیں اور امواجِ ایثری پار گزر جاتی ہیں ایسے اجسام شفاف کہلاتے ہیں چونکہ ہر جسم کے منفیے کچھ نہ کچھ مقابلہ کرتے ہیں اس لئے کوئی چیز مکمل طور پر شفاف نہیں کہلا سکتی یہاں تک کہ بعض علماء ہوا کو بھی

غیر شفاف سمجھتے ہیں۔

احساسِ رنگ چونکہ رنگ سات ہیں اس لئے اثیر میں منفیاتِ نور سات قسم کی لہریں پیدا کر رہے ہیں اگر یہ تمام لہریں کسی چیز میں جذب ہو جائیں تو وہ سیاہ نظر آئے گی اگر تمام منعکس ہو کر ہماری نگاہ تک پہنچیں تو وہ سفید دکھائی دے گی اگر چھ قسم کی لہریں جذب ہو جائیں اور نیلے رنگ کا احساس پیدا کرنے والی لہریں جذب نہ ہو سکیں تو نیلی نظر آئے گی۔ یہ یاد رہے کہ ہر لہر صرف اپنے رنگ کے منفیوں کو متحرک کرے گی جو زرد رنگ کا احساس پیدا کرتے ہیں اور باقی لہریں چپ چاپ جذب ہو جائیں گی۔ اگر آج سورج کی روشنی میں سے سرخ رنگ نکال دیا جائے تو دنیا میں کوئی چیز سرخ نظر نہ آئے یہی وجہ ہے کہ اگر ہم ایک سرخ پھول کو سیماب کی تبخیری لمپ کی روشنی میں دیکھیں تو سیاہ نظر آئے گا۔ اس لئے کہ اس لیمپ کی روشنی میں دیکھیں تو سیاہ نظر آئے گا اس لئے کہ اس لیمپ کی روشنی میں سرخ رنگ کا احساس پیدا کرنے والی امواج موجود نہیں ہوتیں۔

آنکھ کے پردے ریٹینا (RALINA) کے وسط میں ایک نشیب سا ہے جس پر چھوٹے چھوٹے ابھار ہیں ان ابھاروں میں مختلف رنگوں کے احساس کی استعداد موجود ہے اور لطف یہ کہ ہر رنگ کے احساس کے لئے ایک علیحدہ ابھار ہے۔

طبقۂ اوزون زمین سے پچیس میل اوپر طبقۂ اوزون ہے جو سورج کی بعض مہلک شعاعوں کو وہیں روک لیتا ہے پھر پچیس میل اوپر ایک اور طبقہ ہے جو ایتھر کی لہروں کو زمین کی طرف منعکس کر دیتا ہے اگر یہ طبقہ نہ ہوتا تو ہم لاسلکی پیغامات نہ سن سکتے۔

اختلافِ السنہ و الوان وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ

زمین و آسمان کی تخلیق نیز رنگیوں اور زبانوں کا تنوع الٰہی آیات میں سے ہے۔ بے شک علمائے فطرت کے لئے ان

اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ○ (روم ۲۲)

مناظر میں چند اسباق موجود ہیں۔

غور فرمایا آپ نے کہ اللہ کے ہاں علماء وہ ہیں جن کا کام ارض و سماء والوان والسنہ پہ غور کرنا ہو۔

گفتگو کیا ہے؟ ہوائی تموج، یعنی ہوا میں گرہ لگانا، اسی تموج سے ہزارہا علوم وفنون خطبے اور اشعار پیدا ہوئے، اسی تموج کا نام موسیقی ہے اور اسی تموج سے دنیا میں سینکڑوں سیاسی و اخلاقی انقلاب آئے۔ اگر ہوا سے تموج خارج کر دیا جائے تو چڑیوں کے چہچہے کوئل کے نغمے اور بلبلوں کے زمزمے ختم ہو جائیں جس طرح ہوائی تموج سے دنیا کی چار ہزار زبانیں پیدا ہوئیں اسی طرح ابتدائی عناصر سے کائنات کے مختلف مناظر وجود میں آئے۔

عربی زبان کے حروف ابجد اٹھائیس ہیں جن میں سے چودہ مقطعات قرآنی (الٓمٓ الٓرٰ۔ طٰہٰ۔ یٰسٓ وغیرہ) میں استعمال ہوئے یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ کائنات کی آدھی رونق حروف یعنی علوم وفنون سے ہے اور آدھی عناصر سے۔

جس طرح حروف سے مختلف قسم کے اشعار مثلاً مدحیہ، ہجویہ، رزمیہ وغیرہ تیار ہوتے ہیں اسی طرح ابتدائی عناصر سے مختلف قسم کے مناظر وجود میں آئے۔ لالہ زار دیگر دل کش مناظر اشعارِ فطرت ہیں، مہیب کوہستان، دھاڑتے ہوئے سمندر اور گرجتے ہوئے بادل رزمِ عناصر ہیں اور زمینِ شور، آبِ تلخ و شجرِ زقوم ہجوِ عنصری ہے۔

عناصر ترکیبی یعنی (ہائیڈروجن، نائٹروجن، آکسیجن، کورونیم، لورونیم، سوڈیم وغیرہ جن کی تعداد ۹۲ تک پہنچ چکی ہے) کا مستقر اثیر ہے جس طرح ہمارے خطبوں اور مکالموں سے ہوا میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح کائنات کی تخلیق سے مخازنِ اثیر پہ کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ عناصر حروفِ ابجد کی طرح ہیں۔ حروف سے علوم و فنون نکلے اور عناصر سے لوحِ فطرت پر بے شمار غزلیات و قصائد لکھے گئے۔

لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ٥ (کہف ۱۰۹)	اگر الٰہی کلمات کو لکھنے کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور ان میں سات سمندر اور ملا دیئے جائیں تب بھی کلماتِ الٰہیہ (مناظرِ تخلیق) کی فہرست تیار نہ ہو سکے گی۔

آیت زیرِ بحث میں اختلافِ اَلْسِنَتِکُمْ مطالعہ علوم و فنون اور اختلافِ اَلْوَانِکُمْ معائنہ عناصر کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اختلافِ السنہ سے علوم میں بے شمار ترقی ہوئی زبان کی تمام شاخوں میں اس قدر لٹریچر پیدا ہوا کہ قدسیانِ فلک کو ایک مرتبہ اور انسانی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔

زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے ہیں
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلا (اقبالؒ)

بڑی بڑی زبانیں دو ہیں، آریائی و سامی۔ آریائی زبان کی شاخیں یہ ہیں:
انگریزی، یونانی، لاطینی، نرویجی، ایسلانڈی، سویڈی، ڈنمارکی، جرمن، ولندیزی، آرمینوی، بلغاروی، بوہیموی، لوبونوی، روسی، ہندی، فارسی، سنسکرت وغیرہ۔

فارسی زبان کی شاخیں یہ ہیں:
لغۃ المادیین، ساسانی (پہلوی) و فارسی جدید

فارسی جدید کی شاخیں:
افغانی، زبانِ بحیرۂ خزر (یعنی ساحلِ خزر) بلوچی، کُردی، داکسی، پامیری، تاجکی سنگ لیسی، منجانی، ہنگی، پانوبی، سمنانی، ماشندانی، لاہنجانی، گلاکی، تالیسی، تاط،

ظفراہی، سیوندی، شیرازی اور گابری وغیرہ۔

ہندوستانی زبان کی شاخیں:

مہاراشٹری، جینامہاراشٹری، ماگدھی، اودھماگدھی، سورسینی، ابابرہمسا، بہاری، بنگالی، مارواڑی، آسامی، نیپالی، برہمی، تامل، تلنگو، پنجابی، سندھی، پشتو، کشمیری اردو وغیرہ۔

لاطینی شاخیں:

فرانسیسی، ہسپانوی، پرتگالی، رومانوی۔

سامی زبان کی شاخیں:

عربی، بابلی، آشوری، حمیری، آرامی، فینیقی وغیرہ۔

اس وقت تمام دُنیا میں تقریباً چار ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں یورپ میں ۵۸۷، ایشیا میں ۹۳۷، افریقہ میں ۲۷۶، امریکہ میں ۱۶۲۴، اور ہندوستان میں تقریباً ... میزان ۳۸۲۴۔

مختلف زبانوں سے نہ صرف علم میں ترقی ہوتی ہے، بلکہ ایک انسان کی وقعت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ مختلف زبانوں کا عالم ہے ایک شخص زبانوں کے مطالعے ماہر علوم اور اختلافِ الوان پر غور کرنے سے عالمِ کائنات بن جاتا ہے۔ آیۂ زیرِ بحث میں الوان کا ذکر السنہ کے بعد آیا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ مطالعۂ کائنات حصول علم کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ۔

الوان رنگ ازمنۂ تاریخ سے پہلے کی ایجاد ہے۔ ہمیں آثارِ قدیمہ میں کئی ایسی رنگدار تصاویر ملی ہیں، جو ہزارہا برس پہلے بنائی گئی تھیں۔

سُرخ رنگ ایک پودے میڈر (MADDER) کی جڑوں سے حاصل کیا جاتا ہے پہلے یہ کام ترک کیا کرتے تھے۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں یورپ نے بھی یہ ہنر سیکھ لیا۔ ۱۸۶۴ء میں پکرک ایسڈ (PICRIC ACID) کو زرد رنگ کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔ یہ مرا د مسٹر دلف نے انڈیگو نائٹرک ایسڈ سے ملا کر تیار کیا تھا۔ ۱۸۶۵ء میں کونین کا تجربہ کرتے کرتے مسٹر درگوٹن نے سُرخ رنگ کا مواد پا لیا اور اس کا نام میگنیٹ (MAGEN) رکھا۔ کچھ عرصہ پہلے رنگ پتوں اور جڑوں سے حاصل کیا جاتا تھا بعد میں کیمیائی طریقوں سے تیار ہونے لگا۔ ۱۸۵۰ء میں مسٹر پیٹر گریس نے معلوم کیا کہ امونیا کے مرکبات میں نائٹروجن کا ایک جوہر ہائیڈروجن کے تین جوہروں کا بدل ہو سکتا ہے کہ اس مرکب میں کاربولک ایسڈ اور اینیلین (ANILINE) ملا کر مختلف رنگ تیار ہو سکتے ہیں جن سے ریشم، لکڑی اور چمڑے وغیرہ کو رنگ دیا جا سکتا ہے۔ ۱۸۹۴ء سے پہلے ان مواد کو استعمال کرتے وقت المونیم و دیگر مرکبات سے مدد لی جاتی تھی لیکن ۱۸۸۴ء میں مسٹر باٹیگر نے ایک ایسا مادہ دریافت کیا جس سے کسی دوسرے ترکیب کی مدد کے بغیر اشیاء کو رنگ دیا جا سکتا تھا۔ نارنجی رنگ انڈیگو اور بربمین کا مرکب ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں رنگ اصداف وغیرہ سے حاصل کئے جاتے تھے اور اب دو ہزار سے زائد مواد رنگ دہ ایجاد ہو چکے ہیں۔

کپڑا کیوں رنگ قبول کرتا ہے؟ اس کے متعلق مختلف نظریئے ہیں زیادہ معقول نظریہ یہ ہے کہ مواد رنگ دہ اور کپڑے کے اجزاء میں مختلف بجلیاں (مثبت و منفی) موجود ہوتی ہیں اس لئے کپڑا رنگ کو کھینچ لیتا ہے۔ اُونی کپڑے میں ذرات برقیہ کی باہمی کشش سوتی کپڑے سے پندرہ گنا زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اونی کپڑے کا رنگ پائیدار ہوتا

ہے اور سوتی کپڑا جلد پھٹ کر پھٹ جاتا ہے۔

حیوانوں کے رنگ میں حکمت گیدڑ، لومڑی، ہرن، خرگوش، چکور، تیتر اور بٹیر ہم رنگِ زمین یعنی خاکستری ہوتے ہیں اور ان کا یہ رنگ انہیں اعداء سے محفوظ رکھتا ہے اگر ایک خرگوش سبز، زرد یا سُرخ ہوتا تو شکاری جانوروں کو بہت دُور سے نظر آجاتا اور بہت جلد نہنگِ اجل کا لقمہ بن جاتا۔ جو خرگوش ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اور ان کی نگرانی انسان کے سپرد ہوتی ہے، وہ سفید ہوتے ہیں۔ بعض شکاری جانور مثلاً باز، بھیڑیا وغیرہ بھی خاکی رنگ کے ہیں تاکہ شکار انہیں دُور ہی سے دیکھ کر بھاگ نہ جائے اور یہ بھوکے نہ مر جائیں۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود) | تمام جانداروں کے رزق کا کفیل اللہ ہے۔

افریقہ کے جنگلوں میں شیر بہت زیادہ ہیں اور ابلق گدھے بھی کافی ہوتے ہیں۔ ان غیر مفید گدھوں کو شیر کافی دُور سے دیکھ لیتے ہیں اور فوراً پیچھا شروع کر دیتے ہیں۔ گدھوں کی یہ رنگت بہت سے مفید جانوروں کو شیر کے حملے سے محفوظ رکھتی ہے۔

گائے بیل، گھوڑے، کتے اور بلّی کے رنگ میں اس لئے تنوع ہوتا ہے کہ یہ جانور انسانی پناہ میں رہتے ہیں اور انہیں ہم رنگِ زمین بننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انسان ان کی حفاظت کرتا ہے اور یہ اپنے مختلف رنگوں کے باعث انسان کے تنوع پسند ذوق کے لئے سامانِ فرحت بہم پہنچاتے ہیں۔

ماحصل یہ کہ جو حیوانات انسانی پناہ میں رہتے ہیں، اللہ نے انہیں قدرتی اسبابِ حفاظت سے محروم کر دیا ہے۔ دُوسری طرف ہرن کو خاکی رنگ دیا کہ دُور سے نظر نہ آسکے تیز ٹانگیں دیں کہ آندھی کو بھی پیچھے چھوڑ جائے۔ دُبلا پن دیا کہ دوڑ میں ہانپ نہ جائے

سچ ہے اللہ انہی کا ہوتا ہے جن کا کوئی نہیں ہوتا اور جو اپنی حفاظت کی خود فکر کرتے ہیں انسانی پناہ (غلامی) میں رہنے والی قوم اونٹ کی طرح بے ڈول، بھینسے کی طرح بھدی، بیل کی طرح سُست، گدھے کی طرح ذلیل اور بلی کی طرح حریص بن جاتی ہے۔ دُوسری طرف ایک آزاد قوم شیر کی طرح مہیب، ہرن کی طرح چُست، چیتے کی طرح حسین اور عقاب کی طرح تیز رفتار ہوتی ہے۔

قہاری و جباری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مُسلماں (اقبالؒ)

کالا رنگ گرم ممالک میں رنگ کی سیاہی ایک رحمت ہے جس طرح سبز عینک آنکھوں کو تیز روشنی سے محفوظ رکھتی ہے اسی طرح کالی چمڑی جسم کے خلیوں کو جلنے سے بچاتی ہے اس لئے کہ یہ سُورج کی گرم اور تیز شعاعوں کو جلد جذب کر کے جلد ہی باہر نکال دیتی ہے اور اس طرح جسم کو نقصان نہیں پہنچتا۔ قُدرت دُھوپ میں کام کرنے والے کسانوں کا رنگ حسبِ ضرورت سیاہ کر دیتی ہے تاکہ انہیں نقصان نہ پہنچے۔ یوں سمجھئے کہ کالا رنگ ایک زرہ ہے جو جسم کو آفتاب کے آتشیں تیروں سے بچاتا ہے۔

علمائے فطرت کا خیال ہے کہ تمام کالے جانور (کوئل، کوا، کالی بکری وغیرہ) خطِ استوا کے ارد گرد پیدا ہوئے تھے اور ان کی یہ رنگت تیز دھوپ سے بچنے کی خاطر تھی یہیں سے ان کی نسلیں دیگر خطوں میں پہنچیں، اور وہاں بھی ان کا رنگ کالا ہی رہا اس لئے کہ ایک حبشی کی نسل یورپ میں بھی سیاہ ہی رہتی ہے۔

بالوں کا رنگ بالوں کی جڑوں میں ایک رنگ دار مادہ ہوتا ہے جو بڑھاپے میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ ہوا لے لیتی ہے۔ اس لئے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ بوڑھا ضعف کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا اور سائے میں پڑا رہتا ہے اور جوان کو دُھوپ میں

کام کرنا پڑتا ہے اس لئے اللہ نے اس کو کالے رنگ کے بال عنایت کئے تاکہ سر کو دھوپ سے نقصان نہ پہنچے۔ دفتر میں کام کرنے والے کلرکوں اور دیگر سایہ نشینوں کے بال جلدی سفید ہو جاتے ہیں اس لئے کہ قدرت ان کے بالوں کو سیاہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔

رنگ کے لحاظ سے انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ سفید و غیر سفید۔ سفید اقوام کی جلد میں سُرخ رنگ دینے والا مادہ ہوتا ہے جسے کرامو جن (CHROMOGEN) اور دیگر اقوام میں سیاہ رنگ دینے والا مادہ ہوتا ہے جسے فرمنٹ (FERMENT) کہا جاتا ہے۔ زبرا کے بعض حصوں میں فرمنٹ ہوتا ہے اور بعض میں صرف ہوا اسلئے وہ ابلق بن جاتا ہے۔ فرمنٹ میں ہائیڈروجن پیر اکسائڈ ملانے سے اسے سُرخ، زرد اور براؤن بنایا جاسکتا ہے۔ یہ کیمیائی عمل نباتات و حیوانات میں سدا جاری رہتا ہے۔ اسی لئے بعض حیوانات کے رنگ میں حسبِ عمر تغیر ہوتا رہتا ہے۔

رنگ دہ مادہ صرف روشنی میں پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ پروٹیس (ایک فٹ بھر لمبا جانور) ایسے غاروں میں رہتا ہے جہاں روشنی و آفتاب کا گزر نہیں ہو سکتا اس لئے اس کا رنگ سفید رہتا ہے۔

ہمیں سمندر کی گہرائیوں میں بعض رنگین جانور ملے ہیں حالانکہ وہاں روشنی آفتاب کا گزر تک نہیں ہوتا۔ مزید تلاش و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ سمندر کے نیچے بعض ایسی مچھلیاں رہتی ہیں جن کے سروں پر بجلی کے مشعل ہوتے ہیں نیز لولو و مرجان کی روشنی بھی سمندر کی تہوں میں موجود ہوتی ہے اور یہ روشنی رنگ دہ مادہ تیار کرنے کے لئے کافی ہے۔

گرگٹ کا رنگ | گرگٹ کے علاوہ چند ایسے حشرات اور مچھلیاں بھی دریافت ہوئی

ہیں جن کا رنگ عموماً بدلتا رہتا ہے، جس کی وجہ کوئی خاص واقعہ یا حادثہ ہوتا ہے مثلاً ڈر، شرم، غم، مسرت وغیرہ۔ یہ کیفیات رنگ دینے والے مادے میں ایک ہیجان اٹھا دیتی ہیں۔ رنگ کا ایک سیلاب جلد پر امنڈ آتا ہے اور پہلے رنگ کو بدل دیتا ہے۔

الغرض فطرت کے جس پہلو پر نگاہ ڈالو:

کرشمہ دامنِ دل مے کشد کہ جا ایں جا است

یہ کائنات معجزاتِ تخلیق کا ایک عظیم الشان نگار خانہ ہے جس کا ہر منظر عقلِ انسانی کو حیرت میں ڈال دیتا ہے یا ایک ادبستان ہے جہاں آیاتِ الٰہی کا عملی درس دیا جاتا ہے یہ کوہ و دریا، یہ ابرِ باراں، یہ لیل و نہار، صحیفۂ فطرت کے وہ اوراق ہیں جن پر عظمتِ انسانی کے اسرار درج ہیں وہ اقوام آج کس قدر ذلیل ہیں جو ان اسرار و آیات سے آشنا نہیں سورۂ جاثیہ کی اس تنبیہ پر ذرا غور فرمائیے:

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ؕ
وَفِیْ خَلْقِکُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ
لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۙ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ
وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ
اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا
عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ
اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۙ وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ
اَثِیْمٍ ۙ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ

اس میں کوئی کلام نہیں کہ زمین و آسمان میں مومنوں کے لئے بیشما
آیات موجود ہیں، تمہاری تخلیق، حیوانات کی فراوانی، لیل و نہا
کے اختلاف، زمین کو زندہ کر دینے والے قطراتِ باراں اور
ہوا کے رُخ بدل کر چلنے میں عقلمندوں کے لئے آیات
موجود ہیں۔ یہ اللہ کی وہ آیات ہیں جو ہم تمہیں صحیح صحیح سنا
رہے ہیں اگر یہ لوگ ان آیات کی پروا نہیں کرتے تو پھر اور
کون سے دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ اللہ پر ایمان لائیں گے
اس بدکار کذاب پر لعنت جو ہماری ان آیات کو سننے کے
بعد جیسا اکڑا ،، پڑا رہتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں د آج

يُعۡرِضُ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا ج فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ○ (آیت ۳ تا ۸)

کل کے مسلمان کا صحیح نقشہ ہے) ایسے کذاب کو خوفناک عذاب کی بشارت دیدے (اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اسی عذاب میں آج ہم گرفتار ہیں)۔

غور فرمایا آپ نے کہ خزائنِ ارض وسما سے متمتع ہونے والوں کو اربابِ عقل و ایمان کہا گیا ہے اور ان آیاتِ قوت وہیبت سے اعراض کرنے والوں کو عذابِ الیم کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ دونوں منظر آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اقوام یورپ نے آیاتِ ارض وسما پر دھیان دیا اور تمام عالم ان کی دانش پر شاہد ہے دوسری طرف ہم نے کائنات سے منہ پھیر لیا اور سارا جہاں ہماری ذلت، جہالت، حماقت اور نامرادی پر شہادت دے رہا ہے۔

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ
دریا سے اٹھی، لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

(اقبالؔ)

باب ۹

معجزاتِ جبال

اَفَلَا یَنظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ○ فَذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ ۔ (غاشیہ ۱۷/۲۱)

کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اونٹ کی تخلیق کیسے ہوئی، آسمان کیونکر مرتفع کیا گیا، پہاڑ کیسے نصب کئے گئے اور زمین کیونکر بچھ گئی۔ اے رسول! اعمالِ الٰہی کی ایمان افروز داستان ان کو سنا کر یہ تیرا فرض ہے۔

پہاڑوں کی قدر و قیمت پہاڑ ہماری دولت، ہتھیار، وجہ قیام اور وسیلہ حیات ہیں۔ ان سے مختلف معدنی چشمے نکل کر کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ان کی بلندیوں پر چیل اور دیودار جیسے مفید درخت اگتے ہیں۔ یہی پہاڑ آگ اگل کر بطنِ زمین کے خزائن ہمارے استعمال کے لئے باہر پھینکتے ہیں۔ کوئلہ، چاک، چونا، تانبا، سونا، لوہا اور دیگر معادن پہاڑوں کی آغوش سے دستیاب ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کی قدر و قیمت انہی معادن کی وجہ سے ہے جسطرح انسان علم کے بغیر مردہ خیال کیا جاتا ہے اسی طرح پہاڑ معادن کے بغیر قالب بے جان سمجھے جاتے ہیں۔ خود یہ پہاڑ کروڑوں سال تک سمندر کے نیچے رہے اور جوان ہونے کے بعد معادن کی ایک دنیا پہلو میں لئے باہر آ گئے۔ حقیقتاً پہاڑ پانی کے بارِ احسان کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (انبیاء ۳۰)

ہم نے ہر چیز کو پانی کی بدولت زندگی بخشی۔

طبقاتِ جبال دلکانی لاوے کے ذریعے جو فلزات و احجار بطنِ زمین سے برآمد

ہوئے ہیں ان کے معائنہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کی تہ میں مختلف قسم کے پتھر موجود ہیں مثلاً :

۱۔ گرانیٹ ۔ اس بلورین پتھر میں سفید، سبز، سیاہ یا بھورے رنگ کا ابرک ہوتا ہے۔

۲۔ فلسیٹ : یہ پتھر صاف، چمکیلا اور ہلکے خاکستری یا سبز رنگ کا ہوتا ہے لیکن ہوا کے اثر سے اس کی بیرونی سطح سفید ہو جاتی ہے۔ خوردبین سے دیکھنے پر یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ ایک غیر مکمل بلورین پتھر ہے۔

۳۔ ٹراکیٹ ۔ یہ ایک کھردرا سا بلورین پتھر ہے جس کا رنگ عموماً ہلکا خاکستری، سبزی مائل اور بعض اوقات گہرا خاکستری، سیاہ یا سفید ہوتا ہے۔

۴۔ انڈی سیٹ : اس کا رنگ بھورا، سبزی مائل یا خاکستری ہوتا ہے اور سیپ کی طرح معمولی صدمے سے ٹوٹ جاتا ہے۔

۵۔ ڈیالیج : یہ مختلف رنگ کے دانے دار پتھر چٹانوں کی گہرائی میں دھنسا ہوا ملتا ہے۔

۶۔ ڈالریٹ ۔ اس کی ساخت ستونی و شش پہلو سے ہوتی ہے اس میں لوہا زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے سیاہ نظر آتا ہے۔

۷۔ گرافیٹ ، خالص حجری کاربن، جس سے پنسل بنائی جاتی ہے۔

۸۔ کاربونیٹ آف لائم : چاک، ولایتی چونا اور سنگِ مرمر اسی کاربونیٹ سے تیار ہوتے ہیں۔ اگر پانی میں کاربونیٹ ایسڈ موجود ہو اور وہ پتھر پر ٹپک رہا ہو تو یہ پتھر تحلیل ہو کر بہہ نکلے گا۔ یہی وجہ ہے جہاں چونا بکثرت ہو وہاں غار بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

آہکی علاقوں میں بعض غاروں کی چھت سے پانی ٹپکتا ہے، کچھ حصہ بخار بن کر اڑ جاتا ہے اور حل شدہ کاربونیٹ فرش پر ستون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ منظر کشمیر

کے ایک مقام امرناتھ میں نظر آتا ہے۔

۹۔ چقماق: اگر چونے کے پتھر سے بلورین مادہ علیحدہ ہو جائے تو پیچھے چقماق رہ جاتا ہے۔ پتھر وہیں ملتا ہے، جہاں آہکی احجار کی کثرت ہو۔

۱۰۔ کوئلہ: کوئلہ نباتات سے تیار ہوتا ہے۔ اگر ہم آئرلینڈ کی دلدلوں یا شمالی انگلستان کی کائیوں کا معائنہ کریں تو زندہ نباتات کوئلے میں تبدیل ہوتی نظر آئیں گی۔ وہاں سطحِ زمین پر کائی زمین دوز بیلوں کے ساتھ لپٹی ہوئی ہے۔ دو تین انچ نیچے بھورے رنگ کا ایک سپنجی مواد نظر آتا ہے جو گلی سڑی گھاس کے ریشوں اور جڑوں سے تیار ہو رہا ہے ذرا اور نیچے یہی مواد سیاہ بن رہا ہے۔ قد سے اور نیچے دیکھئے تو یہ مادہ کالے رنگ کا گوند بنا ہوا ہوگا جسے پنیر کی طرح کاٹا جا سکتا ہے۔ اگر اس گوند کو کسی عمل سے خشک کیا جا سکے تو کوئلہ تیار ہو جائیگا۔

ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جو درخت ٹیلوں کے نیچے دب جاتے ہیں وُہ چند صدیوں کے بعد سیاہ ہو کر کوئلہ یا کوئلہ نما بن جاتے ہیں۔ کوئلے کے کانوں میں زغالی طبقات پہ نباتی شاخوں اور ساقوں کا ایک جال سا نظر آتا ہے۔ اگر کوئلہ کا خوردبینی معائنہ کیا جائے تو نباتی بافتیں صاف صاف دکھائی دیں گی۔

ہیرا اسی کوئلے کا حقیقی بھائی ہے۔ ہر دو کاربن سے تیار ہوئے ہیں۔ ان کے رنگ میں تفاوت اس لئے ہے کہ کوئلہ درختوں سے اور ہیرا درختوں کے گوند سے تیار ہوتا ہے

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ...اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر، ۲۷ تا ۲۸)	پہاڑوں کے سفید، سرخ، سیاہ اور دیگر مختلف الالوان طبقات پر غور کرو...... اور یاد رکھو کہ اللہ سے صرف علمائے فطرت ہی ڈرا کرتے ہیں۔

سمندر کے بیٹے | ہمیں پہاڑوں سے مندرجہ ذیل چیزیں ملی ہیں:

۱۔ ایسی سیپیاں جو سمندر ہی میں ہو سکتی ہیں۔ ۲۔ حیواناتِ آبی کے بے شمار ڈھانچے۔

۳۔ دلدلوں پر رینگنے والے کیڑوں کے نشانات آج سے لاکھوں برس پہلے ساحلی دلدل پر سے رینگنے والا کوئی جانور گزرا۔ چکنی مٹی پر ایک لکیر سی بن گئی اور آج جب پہاڑ کو کھودا تو کئی ایسے نشانات برآمد ہوئے۔

ان حقائق سے ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ یہ پہاڑ لاکھوں سال تک سمندر کے نیچے رہے اور یہ دراصل سمندر ہی کے بیٹے ہیں۔

تدوینِ جبال سمندر میں پہاڑ دو طرح سے تیار ہوتے ہیں:

اوّل: زلزلوں کی وجہ سے بطنِ زمین کا مواد باہر آجاتا ہے اور سمندر کی گہرائی میں پہاڑ کی طرح جمع ہو جاتا ہے۔

دوم: ندیاں، نالے اور دریا، پتھروں کی بہت بڑی مقدار بہا کر سمندر میں لے آتے ہیں اور خود سمندر بھی ساحلی چٹانوں کو بلبلائے امواج سے توڑتا رہتا ہے۔ پانی میں بہ معادنِ محلولہ موجود ہوتی ہیں مثلاً چونا، لوہا، سلیکا وغیرہ جو گوند بن کر ان پتھروں کو جوڑ دیتی ہیں۔ اور اس طرح سمندر میں کئی سو میل لمبی اور کئی ہزار فٹ اونچی چٹانیں تیار ہو جاتی ہیں۔ ان حجری تہوں کو جمانے کے لئے پانی کا دباؤ بہت مؤثر ثابت ہوتا ہے اور دریاؤں کی لائی ہوئی چکنی مٹی بھی گارے کا کام دیتی ہے۔ یہ عمل ان گنت صدیوں تک جاری رہتا ہے اور جب وہ حکیم علی الاطلاق دیکھتا ہے کہ خشکی کے اکثر پہاڑ اخراجِ معادن کی وجہ سے تہی دست، بے نوا و بیکار ہو چکے ہیں اور پانی کے اندر زر و جواہر سے لبریز پہاڑوں کی ایک دنیا تیار ہو چکی ہے تو اس کی رحمت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے وہ زمین کو یوں جھنجھوڑتا ہے کہ بلندیاں پست اور پستیاں بلند ہو جاتی ہیں۔ پانی ادھر اُدھر بہہ نکلتا

ہے اور نیچے سے نوجوان پہاڑ دفائن و خزائن کی دُنیا ہمراہ لیئے باہر آجاتے ہیں۔ مجھے سمندر کی حیثیت یوں نظر آتی ہے کہ یہ ایک مُرغی ہے جو انڈوں پر بیٹھی ہُوئی ہے۔ جب بچے تیار ہو جائیں گے تو مُرغی اُوپر سے اٹھ جائے گی اور بچے (پہاڑ) باہر آجائیں گے۔ وُہ حکیم مطلق کوئی کام بلا ضرورت نہیں کیا کرتا، جب تک کہ موجودہ پہاڑوں میں معادن کے ذخائر موجود ہیں، ایسا شدید زلزلہ کبھی نہیں آئے گا اور جب موجودہ پہاڑوں کی دولت ... ہو جائے گی تو نسلِ انسانی کی خاطر نئے پہاڑ باہر آجائیں گے۔ سچ ہے :

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا ؕ (بقرہ ۱۰۶)

جب ہم کائنات کے بعض مناظر مٹا دیتے ہیں تو ان سے بہتر یا ویسے ہی اور پیدا کر دیتے ہیں۔

جس زمین پر آج ہم ... ہم چل رہے ہیں، یہ کسی وقت سمندر کے نیچے تھی اور میری نگاہ مستقبل کی تاریکیوں میں وُہ زمانہ بھی دیکھ رہی ہے جب یہ زمین پھر سمندر کے نیچے چلی جائے گی۔

خالقِ فطرت کا ہر عمل ایک عظیم الشان حکمت کا حامل ہے۔ یہ دُنیا کیا ہے؟ ایک پُر عظمت کیمیا خانہ، پہاڑ بن اور بگڑ رہے ہیں، ہوائیں چل رہی ہیں، صحرا تپ رہے ہیں اور کائنات کا وُہ کیمیا گر اس معمل میں بیٹھ کر نئے تجربے کر رہا ہے، رنگا رنگ پھُول، میوے اور پودے بنا رہا ہے۔ اس کارگاہ جلیل کے ہیبت انگیز تنوع پر غور کیجیئے اور انصاف فرمایئے کہ اس صناعِ بے چوں کی حیرت افگن تخلیق و تکوین کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

اے رب! تو ہی بتا کہ ہم اس حیرت و ہیبت کا کیا علاج کریں جو تیرے اس مہیب کارخانے پر ایک چھلتی سی نگاہ ڈالنے کے بعد ہمارے قلوب پر طاری ہو جاتی ہے اس خشیت کو بے شمار سجدے، لاتعداد نمازیں اور ان گنت تسبیحیں کم نہیں کر سکتیں۔ یہ ایک کیف انگیز اضطراب ہے۔ رُوح افزا بے چینی ہے۔ ہاں ہاں تجھے عریاں دیکھنے کا

گئے۔ رکوع کے بعد نیچے اُتر آئے۔ زمین پہ سجدہ کیا اور پھر منبر پر چڑھ گئے۔ اور رکوع کے بعد پھر سجدے کے لیے زمین پر اُتر آئے۔" (بخاری ج ۱ صـ۵۳)

"ابو قتادہ الانصاری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے اپنی دختر زینبؓ کی بیٹی امامہ کو اٹھا کر نماز شروع کردی جب سجدے میں جاتے تو اُسے زمین پر رکھ دیتے، اور جب اُٹھتے تو پھر اُٹھا لیتے۔" (بخاری ج ۱۔ صـ۶۹)

کیا نمازی کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہے؟

فقہا کے ہاں دوران نماز میں نمازی کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہے۔ بخاری میں ابو سعید سے روایت ہے:

"کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی کے سامنے سے گذر رہا ہو تو اُسے روکو۔ اگر نہ رُکے فلیقاتلہ فانما ھو شیطان۔ تو اس سے باقاعدہ جنگ کرو، اِس لیے کہ وہ شیطان ہے۔" (بخاری ج ۱۔ صـ۶۸)

لیکن ابن عباسؓ کہتے ہیں:

"کہ مَیں گدھی پر سوار ہو کر منیٰ میں پہنچا۔ رسول اللہ صلعم نماز پڑھا رہے تھے۔ میں کچھ نمازیوں کے سامنے سے گذر کر گدھی سے اُترا۔ گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ خود نماز میں شامل

ہوگیا۔ اور کسی نے بُرا نہ مانا" (بخاری ج ۱۔ ص۱۰)

اِسی طرح کی ایک روایت موطا میں بھی ہے:

ان سعد بن ابی وقاص کان یمر بین یدی بعض الصفوف والصلوٰۃ قائمۃ

کہ نماز کے دوران میں سعدؓ بن ابی وقاص نمازیوں کی صفوں کے سامنے سے گذر جاتے تھے۔ (موطا ص۵۵)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا فیصلہ ہے:

لا یقطع الصّلوٰۃ شیٔ مِمّا یمرّ بین یدی المصلّی۔

کہ چیز کے سامنے گذر جانے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ (موطا ص۵۵)

مُسلم کی ایک حدیث ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم یقطع الصّلوٰۃ المرأۃ والحمار والکلب

ابوہریرہ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت، گدھا اور کتا سامنے آجائیں تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم ج۲ ص۱۱۱)

لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

کنت انام بین یدی رسول اللہ صلعم ورجلای فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتھما۔ والبیوت لیس فیھا مصابیح۔ (بخاری ج ۱ ص۵۵)

کہ میں نماز میں حضورؐ کے سامنے پاؤں پھیلا کر لیٹ جاتی تھی۔ جب وہ سجدہ کرنے لگتے تو مجھے ٹھوکا لگا دیتے چنانچہ میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب وہ اٹھتے تو پھر پھیلا دیتی۔ اور گھر میں چراغ موجود نہیں تھا (یعنی بالکل اندھیرا تھا)

اس روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضؓ حضورؐ کے مصلّے پر لیٹے رہتی تھیں۔ اور پہلی کے مطابق عورت کے سامنے آنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کس کو صحیح سمجھیں؟ جب حضرت عائشہ رضؓ کے سامنے مسلم والی حدیث بیان کی گئی، تو آپ نے فرمایا:

قد شبھتمونا بالحمیر والکلاب واللہ لقد رایت رسول اللہ صلعم یصلی وانی علی السریر بینہ وبین القبلۃ مضطجعۃ۔

تم لوگوں نے ہم عورتوں کو گدھوں اور کتوں جیسا سمجھ لیا ہے۔ خدا کی قسم میں رسول اللہ صلعم کے سامنے چٹائی پہ لیٹی ہوتی تھی اور وہ نماز ادا کیا کرتے تھے۔

(مسلم ج ۲ صـ۱۱۱)

بدیگر الفاظ حضرت عائشہ رضؓ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کر دیا ہے اور پھر بھی یہ "صحیح مسلم" کا جزو بنی ہوئی ہے۔

رفع یدین حنفی رکوع سے پہلے یا بعد ہاتھ نہیں اُٹھاتے لیکن بخاری میں پوری چار احادیث اس مضمون پہ ملتی ہیں۔ کہ حضورؐ رکوع سے پہلے اور بعد نیز درمیانی التحیات سے اُٹھ کر ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے۔

(ملاحظہ ہو بخاری باب الصلوٰۃ جلد ا صـ۹۳)

جمع صلاتین ہم بلا وجہ ظہر و عصر اور عشا و مغرب کی نمازوں کو جمع نہیں کر سکتے۔ لیکن موطا میں حضرت عبداللہ رضؓ بن عباس سے روایت ہے:

صلی لنا رسول اللہ صلعم الظھر والعصر جمیعاً والمغرب والعشاء جمیعاً من غیر خوف ولا سفر۔

کہ حضورؐ نے بغیر کسی خوف یا سفر کے نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشا کو اکٹھا کر لیا تھا۔

(موطا صہ ۵۱ - نیز مسلم ج ۲ - صہ ۲۶۵)

کیا نماز میں انسانی کلام کی اجازت ہے؟

"معاویہ بن الحکم السلمی کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلعم کے ہمراہ نماز ادا کر رہا تھا۔ کہ ایک نمازی کو چھینک آ گئی۔ میں نے نماز کے دوران میں کہہ دیا "یرحمک اللہ (خدا تم پر رحم کرے) نماز کے بعد حضورؐ نے فرمایا ان ھذہ الصلوٰۃ لا یصلح فیھا شئی من کلام الناس۔ کہ نماز میں انسانی کلام جائز نہیں"۔

(مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

لیکن ابی الدرداء روایت کرتے ہیں:

"کہ ایک مرتبہ نماز کے دوران میں حضورؐ کے سامنے شیطان آ گیا تو آپ نے تین مرتبہ کہا العنک بلعنۃ اللہ تم پر اللہ کی لعنت"۔

(مسلم ج ۲ صہ ۱۳۱)

یعنی حضورؐ کے لیے نماز میں انسانی کلام جائز، اور دوسروں کے لیے ناجائز۔

ایک اور حدیث میں وارد ہے۔ کہ

"حضورؐ نماز عشا ادا فرما رہے تھے۔ رکوع سے اُٹھنے کے بعد

آپ کہنے لگے "اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر غریب مسلمانوں پر رحم کر۔ قبیلہ مضر کو اپنی گرفت میں لے لے اور انھیں قحط میں مبتلا کر۔" (مسلم ج ۲ ص ۲۳۶)

یہ انسانی کلام نہیں تو اور کیا ہے؟

دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا

ہم دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ لیکن حضرت انس کہتے ہیں:

کان النبی صلعم لا یرفع یدیہ فی شیٔ من الدعاء الا فی الاستسقاء۔

کہ حضورؐ بارش کی دعا کے بغیر کسی اور دعا میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔

(بخاری ج ۱۔ ص ۱۲۵)

جوتوں سمیت نماز

ہم جوتے اُتار کر نماز ادا کرتے ہیں لیکن سعید بن یزید الازدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ

اکان النبی صلعم یصلّی فی نعلیہ۔ قال نعم

کیا حضورؐ جوتوں سمیت نماز پڑھتے تھے کہا۔ ہاں۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۵)

پہلی رکعت کے بعد بیٹھنا

ہم پہلی رکعت کے بعد سیدھے اُٹھ جاتے ہیں۔ لیکن مالک بن الحویرث کہتے ہیں:

اذا رفع راسہٗ من السجدۃ الثانیۃ جلس واعتمد علی الارض ثمّ قام۔

کہ حضورؐ دوسرے سجدے سے سر اُٹھانے کے بعد پہلے آرام سے زمین پر بیٹھ جاتے اور پھر اُٹھتے۔ (بخاری ج ۱۔ ص ۱۰۳)

نماز چھوٹی ہو یا لمبی حضور مختصر نماز کو پسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے لمبی نماز پڑھائی، تو آپ نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا:

ان منکم منفرین۔ تم لوگوں کو نماز سے متنفر کرتے ہو۔

(مسلم ج ۲ ص۸۵)

حضرت انس کہتے ہیں کہ حضورؐ

کان من اخف الناس صلواۃ فی تمام سب سے زیادہ مختصر اور مکمل نماز پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم ج ۲ ص۸۶)

حضرت انس ہی کی روایت ہے۔

ان النبی کان یوجز فی الصلواۃ۔ کہ حضورؐ نہایت مختصر نماز پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم ج ۲ ۔ ص۸۶)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ

"معاذ بن جبل الانصاری نے نماز عشا کو بہت لمبا کر دیا چنانچہ ایک نمازی نماز چھوڑ کر چلا گیا۔ بعد میں جب معاذ کو پتہ چلا تو کہا کہ وہ منافق ہے۔ وہ شخص فریاد لے کر حضورؐ کے دربار میں آیا تو آپ نے معاذ کو بلا کر کہا۔

اتریدان تکون فتانا یا معاذ!......

اے معاذ! تم اسلام میں فتنہ پھیلانا چاہتے ہو۔ آیندہ جب کبھی امامت کرو، تو چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرو۔" (مسلم ج ۲ ص۸۴)

اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے!

وہی انس جن کی دو روایات اختصارِ نماز کے متعلق اوپر دی جا چکی ہیں بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلعم کی نماز اتنی لمبی ہوتی تھی کہ

اذا رفع راسہ من الرکوع انتصب قائما حتی یقول القائل قد نسی و اذا رفع راسہ من السجدۃ مکث حتی یقول القائل قد نسی۔

جب وہ رکوع سے سر اُٹھاتے تھے تو اتنی دیر کھڑے رہتے تھے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ آپ بھول گئے ہیں۔ اور سجدہ کے بعد بھی اُن کی یہی حالت ہوتی تھی۔

(مسلم ج ۲ - ص۴۵)

جو کسر باقی تھی اُسے حضرت ابو سعید الخدری پورا کرتے ہیں۔
کسی نے ابو سعید سے رسول اللہ صلعم کی نماز کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے کہا:

کانت صلوٰۃ الظھر تقام فینطلق احدنا الی البقیع فیقضی حاجتہ ثم یاتی اھلہ فیتوضأ ثم یرجع الی المسجد ورسول اللہ صلعم فی الرکعۃ الاولی۔ (مسلم ج ۲ ص۴۷)

رسول اللہ صلعم کی نماز اتنی لمبی ہوتی تھی کہ فرض کیجیے نماز ظہر شروع ہو چکی ہے ایک شخص پہلے بقیع میں جاتا ہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر گھر لوٹتا ہے۔ وضو کرتا ہے۔ پھر مسجد میں جاتا ہے اور حضورؐ ابھی پہلی رکعت ہی پڑھا رہے ہوتے تھے۔

کہیئے۔ ان احادیث کی روشنی میں آپ نماز لمبی پڑھیں گے یا چھوٹی؟

چند اور اختلافات

ہماری موجودہ نماز کی تصویر آپ کے سامنے ہے۔ پہلے ثناء پھر سورۂ فاتحہ پھر چند آیات۔ پھر التحیات میں درود، دعا اور سلام۔ لیکن رسول اللہ صلعم کی نماز ہم سے بوجوہ مختلف تھی۔

(۱) بقول حضرت عائشہؓ حضورؐ سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے:

سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۹)

(۲) آپ نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر...... کافی لمبی دعا ہے

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۴)

(۳) حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت نے نماز میں یہ دعا پڑھنے کی ہدایت فرمائی تھی:

اللھم انی ظلمت نفسی...... انت الغفور الرحیم۔

(بخاری ج ۱۔ ص ۱۰۴)

(۴) عبداللہ بن اوفی لکھتے ہیں کہ حضورؐ رکوع کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

ربنا لک الحمد ملئ السماء وملء الارض ...... لمبی دعا ہے۔

(مسلم ج ۲ ص ۹۰)

(۵) ابن عباس کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ہم کو التحیات یوں پڑھایا تھا:

التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ ۔ (مسلم ج ۲ صـ۱۳)

(۶) ابو حمید الساعدی نے حضورؐ سے پوچھا کہ نماز میں ہم آپ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجا کریں ۔ کہا اس طرح :

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ازواجہٖ و ذریتہٖ کما بارکت علیٰ آل ابراھیم وبارک علیٰ محمد وازواجہٖ و ذریتہٖ کما بارکت علیٰ آل ابراھیم ۔ (مسلم ج ۲ صـ۱۴)

(۷) حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب تم التحیات "عبدہٗ ورسولہٗ" تک پڑھ چکو تو پھر جو جی میں آئے دعا مانگو۔" (مسلم ج ۲ صـ۱۴)

ماحصل

تو گویا حدیث کی رو سے نماز کی شکل یہ قائم ہوتی :

اوّل ۔ خون بہہ رہا ہو ۔ یا آپ نیند میں خرّاٹے لے رہے ہوں ، تب وضو کی ضرورت نہیں ۔

دوم ۔ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ۔ لیکن بکری کے کبابوں سے نہیں ٹوٹتا ۔

سوم ۔ مجامعت میں اگر انزال نہ ہو ، تو صرف وضو کر کے نماز پڑھ لیجیے ۔

چہارم ۔ رسول اللہ کا عمل یہ ہے ۔ کہ ہر نماز کے لیے وضو کرو اور یہ بھی کہ سو کر جاگو تو بے وضو نماز پڑھ لو ۔

پنجم ۔ آپ بلا وجہ ظہر و عصر اور عشا و مغرب کو جمع کر سکتے ہیں ۔

ششم ۔ دعا کے لیے ہاتھ مت اُٹھاؤ ۔

ہفتم ۔ رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین کیا کرو ۔ یعنی ہاتھ کندھوں تک

اُٹھایا کرو۔

ہشتم۔ عصر کے بعد دو رکعت ضرور پڑھا کرو۔

نہم۔ اگر جی چاہے تو اپنا بچہ گود میں لے کر نماز پڑھ سکتے ہو۔ بیٹھ بھول پر نماز شروع کر کے سجدے کے لیے زمین پر اُتر سکتے ہو۔ اور پھر اوپر جا سکتے ہو۔

دہم۔ نماز میں صرف فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔

یازدہم۔ کلماتِ ثنا بلند آواز سے پڑھا کرو۔ اور چاہو تو ثنا کے بغیر بھی نماز پڑھ سکتے ہو۔

دوازدہم۔ نماز میں شیطان پہ لعنت بھیج سکتے ہو۔ اور مظلوموں کے لیے دعا بھی کر سکتے ہو۔

سیزدہم۔ التحیات کے بعد جو چاہو کہو۔

چہاردہم۔ اگر کوئی شخص نماز کے سامنے سے گذر رہا ہو، تو اُسے مار ڈالو۔ ہاں اگر حضرت ابن عباسؓ یا سعد بن ابی وقاصؓ ہوں تو چھوڑ دو۔

پانزدہم۔ عورت۔ گدھا یا کتّا سامنے آجاتے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن اگر آپ کی بیگم صاحبہ جائے نماز پہ لیٹی ہوئی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

تو یہ ہے حدیث کی نماز! کیا آپ یہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگر نہیں تو پھر آپ کس مُنہ سے کہا کرتے ہیں کہ اگر حدیث نہ رہے تو نماز کا نام و نشان مٹ جائے۔ آپ حدیث کی نماز سے کوسوں بھاگتے بھی ہیں اور

پھر حدیث کو شارح صلواۃ بھی کہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بڑا معمّہ کون سا ہے۔ آپ یا آپ کی حدیث . . . ! ؎

فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو روایت کا پرستار کرے

(اقبالؒ بہ ترمیم)

گیارہواں باب

بہترین عمل

ہم عرض کر چکے ہیں۔ کہ مسلمان اللہ کا سپاہی ہے جس کا کام جان و مال اور اولاد و وطن کو اللہ کے نام پہ قربان کرنا ہے۔ اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔ دل کے ٹکڑوں کو آنکھوں کے سامنے کٹوا دینا اور اُف نہ کرنا۔ گھر بار کو لات مار کر وادیٔ غربت میں خانہ بدوش پھرنا، اور حرفِ شکایت لب پہ نہ لانا۔ پُشتوں کی جمع کی ہوئی دولت، ملّت پہ قربان کر دینا اور افلاس و نکبت سے نہ ڈرنا۔ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود پڑنا۔ سینے پہ بھالے کھانا۔ چٹانوں سے کود کر پاش پاش ہو جانا، اور خنجرِ قاتل کو یہ کہتے ہوئے چُومنا ۔

سر کے کٹ جانے کا مجھ کو غم نہیں
خم نہ آجائے تری تلوار میں!

کوئی مذاق نہیں۔ بلکہ دنیائے عشق کی سب سے بڑی ابتلا۔ اور اس مشتِ خاک کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اور اسی لیے سب اعمال سے زیادہ اجر کا مستحق۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ ۔ (قرآن)

جو مومن اللہ کے راستے میں گھر بار مال اور جان قربان کر دیتے ہیں۔ ہم انھیں سب سے زیادہ اجر دیتے ہیں۔ اور یہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔

یہی لوگ اللہ کے ہاں عزّت پاتے ہیں۔ اور انھیں سے وہ محبّت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔

اللہ اُنہی لوگوں سے محبّت کرتا ہے جو اُس کی راہ میں یوں جم کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

(قرآن)

نہ صرف اُن سے محبّت کرتا ہے۔ بلکہ انھیں عزّت۔ بلندی، پاکیزگی اور شاندار زندگی کی راہیں دکھاتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (قرآن)

جو لوگ ہماری خاطر جہاد کرتے ہیں۔ ہم اُنھیں خدائی راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔

مسلمان کی منزل مہ و پروین سے بہت آگے ہے۔ وہ اس بلند منزل تک پہنچنے کے لیے کبھی طوفان بن کر اُبھرتا ہے۔ کبھی بجلی بن کر لپکتا ہے کبھی علم کے پر لگا کر اُڑتا ہے۔ اور کبھی جان دے کر جانان تک پہنچتا ہے ؎

چوں ذرّہ بہ خورشید درخشاں پیوست
چوں قطرۂ سرگشتہ بہ عماں پیوست
جاں بود میاں وے و جاناں حائل
فی الحال کہ جاں داد بہ جاناں پیوست

قربانی تعلیماتِ اسلام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اور باقی تمام اعمال وہ خطوط جو محیط سے مرکز کو جاتے ہیں۔ ہماری نماز صف بندی کا سبق ہمارے روزے جفاکشی کا درس۔ ہماری زکوٰۃ جاں نثاری کی طرف پہلا قدم۔ ہماری توحید شیرازہ بندی ملّت کا پیغام۔ اور ہمارا حج وحدتِ افکار و اعمال کا آئینہ۔ الغرض جس عمل کو دیکھو وہ تنظیم و تقویٰ کا سبق دے رہا ہے۔ اور عشق کی آخری منزل یعنی جاں سپاری کے لیے تیار کر رہا ہے ؎

بہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

میرا یہ محکم یقین ہے کہ جس شخص کا اسلام اسے مرنے کی دعوت نہیں دیتا وہ اسلام نہیں کچھ اور بلا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَھَاجَرُوۡا وَجَاھَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّ نَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَھُمۡ

اہلِ ایمان وہی ہیں جنھوں نے وطن چھوڑا ہماری راہ میں جہاد کیا۔ دوسروں کو پناہ دی اور بیکسوں کی مدد کی۔ ہم اُن سے مغفرت اور رزقِ کریم کا

مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ (قرآن) وعدہ کرتے ہیں۔

تفاصیلِ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی ہے۔ کہ اللہ کے نزدیک جہاد بلند ترین عمل اور بہترین اجر کا مستحق ہے۔ جب کسی بزدل نے دیکھا کہ مسلمان بننے کے لیے جان دینا پڑتی ہے، تو اُس نے بعض دیگر اعمال کی افضلیت پر احادیث گھڑنا شروع کر دیں اور جہاد کی وقعت کو گھٹا کر کہیں تو اُسے تیسرے یا چوتھے درجے کا عمل بنا دیا۔ اور کہیں اچھے اعمال کی فہرست ہی سے خارج کر دیا۔ مثلاً

(۱) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ کون سا اسلام اچھا ہے۔ فرمایا کھانا کھلانا اور آشنا و ناآشنا سب کو پہلے سلام کہنا۔ (بخاری باب۔ ایّ الاسلام افضل ج ۱ صـ)

(۲) ابوموسےؓ سے روایت ہے۔ آنحضرت سے پوچھا گیا کہ کون سا اسلام اچھا ہے۔ فرمایا: مسلمان کو زبان اور ہاتھ سے دُکھ نہ پہنچانا۔

(بخاری ج ۱ صـ)

ان دو احادیث میں تو جہاد کا ذکر ہی نہیں۔ اب ایسی احادیث سنیئے جن میں جہاد کو دوسرے و تیسرے یا چوتھے درجے کی نیکی بتایا گیا ہے۔

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا۔ کہ سب سے بہتر عمل کون سا ہے۔ فرمایا: نماز بہ پابندیٔ وقت۔ اس کے بعد والدین کی خدمت اور اس کے بعد جہاد۔ (بخاری ج ۲ صـ ۸۹)

(۴) کسی شخص نے حضورؐ سے پوچھا۔ کہ بہترین عمل کون سا ہے۔ فرمایا: خدا

ورسول پر ایمان۔ اُس کے بعد جہاد۔ اور اس کے بعد حج"۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۸۲)

قرآن کہتا ہے کہ جنّت جان و مال کی قربانی سے ملے گی:

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔

اللہ نے مسلمانوں سے جان و مال لے کر اُس کے عوض میں انھیں جنّت دیدی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ

تمھارا یہ خیال ہے کہ تم جنّت میں جہاد کیے بغیر پہنچ جاؤ گے۔ غلط ہے۔

(قرآن)

لیکن حدیث کا فیصلہ ہے۔ کہ جہاد کرو یا نہ کرو جنّت تمھاری ہے۔

(۵) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم من آمن باللہ وبرسولہ واقام الصلوٰۃ وصام رمضان کان حقًا علی اللہ ان یدخلہ الجنۃ جاھد فی سبیل اللہ اوجلس فی ارضہ التی ولد فیھا . . . .

ابوہریرہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ جو شخص خدا و رسول پر ایمان لائے۔ نماز پڑھے اور روزے رکھے اللہ کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے جنّت میں بھیجے خواہ وہ جہاد کرے یا گھر ہی میں بیٹھا رہے....

(بخاری ج ۲ ص ۹۰)

ابن ماجہ اور ترمذی کی ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

اسی طرح یہ بلند اور کرخت آواز کو نرم کر کے پہنچاتی ہیں۔ ان ہڈیوں سے آگے طبلِ گوش ہے جس کے پیچھے پانی ہے۔ پانی میں چھوٹے چھوٹے بال یا تار ہیں۔ آواز طبلِ گوش سے ٹکرا کر ان تاروں میں لرزش پیدا کرتی ہے اور دماغ سننے کا فرض انجام دیتا ہے۔ ریڈیو سٹ کان کی ایک عمدہ نقل ہے۔ شکل یہ ہے:



طبلِ گوش کے پیچھے ان تاروں کی تعداد تین ہزار ہے۔ ہر تار ایک خاص آواز سن کر دماغ تک ایک نئی راہ سے پہنچاتا ہے اور ہم بیک وقت تین ہزار آوازیں سن سکتے ہیں۔

ناک سونگھنے اور سانس لینے کے علاوہ ناک جاسوس کا کام بھی کرتی ہے۔ جو جراثیم ہوا میں موجود ہوں اور کسی دوسرے طریقے سے معلوم نہ ہو سکیں تو ناک ان کے وجود سے دماغ کو اطلاع دیتی ہے اور دماغ فوراً ہاتھ کو حکم دیتا ہے کہ ناک کے آگے رومال رکھ لو تاکہ مضر جراثیم اندر نہ جانے پائیں۔

ناک اور منہ کے درمیان ایک سقفی ہڈی کا حجاب موجود ہے۔ یہ ہڈی حلق میں گوشت کا ایک لوتھڑا (گھنڈی)[1] بن جاتی ہے۔ جب ہم کوئی چیز حلق سے اتارتے ہیں، تو یہ "گھنڈی" ناک کی راہ کو روک لیتی ہے تاکہ غذا وغیرہ کا کوئی ذرّہ ناک میں نہ جائے۔

---

[1] ٹینٹوا۔

ناک کے اندر اور آس پاس چند جگہیں موجود ہیں جنہیں ڈھول کہنا زیادہ موزوں ہوگا بولتے وقت آواز ان ڈھولوں سے ہو کر گزرتی ہے اور اسی لئے گونج پیدا ہوتی ہے۔ زکام میں کثرتِ بلغم، نیز ماؤف ہونے کی وجہ سے یہ ڈھول بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آواز بھدی ہو جاتی ہے۔ شکل یہ ہے:



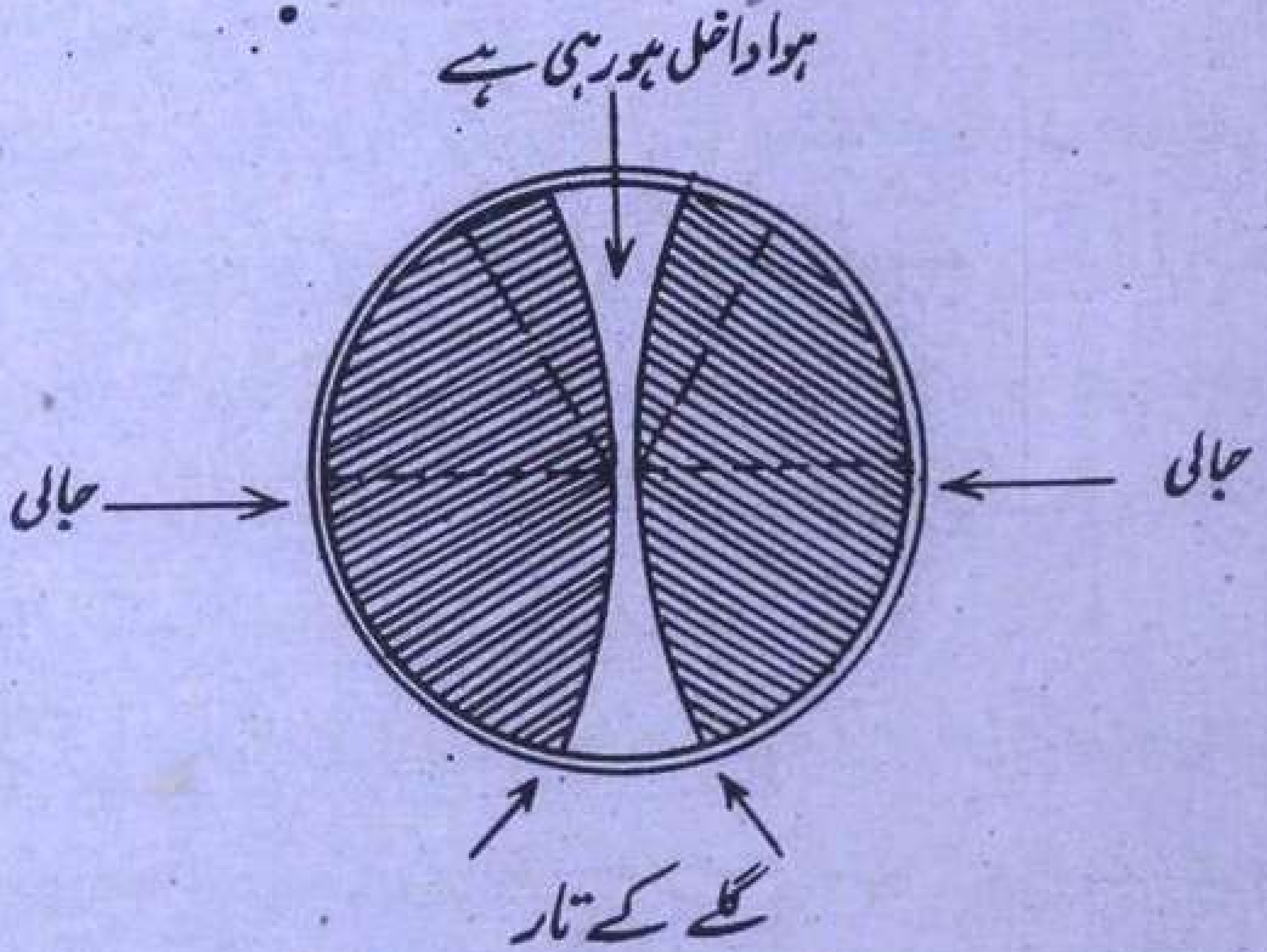
لکیروں (■) سے ڈھول کے مقامات ظاہر کئے گئے ہیں۔

سانس لیتے وقت غذائی نالی ایک پٹھے کی وجہ سے بند ہو جاتی ہے اور حلق سے غذا اتارتے وقت سانس کی نالی بند ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ غذا سانس کی نالی میں اور ہوا غذا کی نالی میں نہ جا سکے کہ اس سے بہت تکلیف پیدا ہوتی ہے، سانس کی نالی ٹھوڑی کے نیچے ہے اور غذا کی نالی کچھ پیچھے۔

آواز ہوائی نالی کے منہ پر دو تار لگے ہوئے ہیں جن کے اردگرد ایک جالی ہے۔ جب ہم بولتے ہیں تو پھیپھڑوں کی ہوا ان تاروں سے ٹکرا کر آواز میں تبدیل ہو جاتی ہے ان کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ معمولی تنفس سے آواز پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً ایک سیٹی منہ میں لے کر آہستہ آہستہ اوپر نیچے ہوا کھینچیں تو آواز نہیں نکلے گی اور اگر زور سے پھونکیں تو آواز پیدا ہوگی۔ یہی حال گلے کے تاروں کا ہے۔

اگر رباب کے تار ڈھیلے ہوں تو آواز موٹی اور بھدی نکلتی ہے اور اگر کھچے ہوئے ہوں تو آواز صاف ہوتی ہے اسی طرح موٹی آواز نکالتے وقت یہ تار ڈھیلے پڑ جاتے

ہیں اور صاف آواز کے وقت تن جاتے ہیں۔ اگر کوئی گویّا گا رہا ہو تو اس کا گلا چھو کر دیکھیے گلے کا یہ حصّہ گاتے وقت تنا ہوا ہوگا۔ شکل یہ ہے :



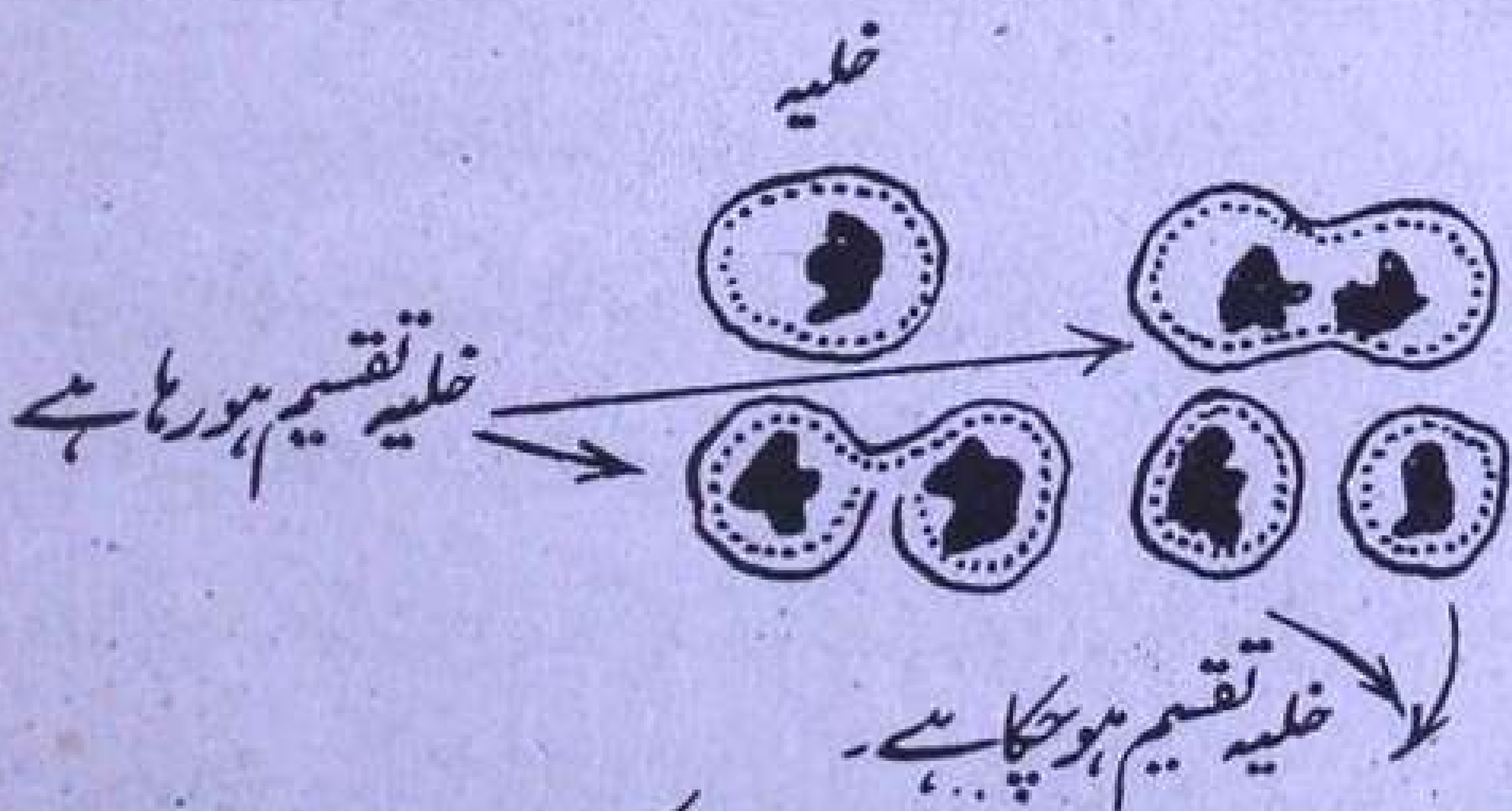
جلد قوتِ لامسہ جلد میں ہوتی ہے۔ جلد کا ہر حصّہ تلغرافی تاروں کے ذریعے دماغ کو پیغام بھیجتا ہے اور دماغ احکام نافذ کرتا ہے۔

گرمیوں میں خون اور پسینے کی نالیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جسم کو تپشِ آفتاب سے محفوظ رکھنے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ جسم کے ارد گرد کی حرارت پانی کو بخارات میں تبدیل کرنے پر صرف ہو جائے اور جسم ٹھنڈا رہے۔ موٹر کے انجن کے ارد گرد پانی کی نالیاں اسی مقصد کے لئے ہوتی ہیں کہ ہوا ریڈی ایٹر سے گزر کر انجن کو ٹھنڈا رکھ سکے۔ گرمیوں میں پسینہ بکثرت آتا ہے جس سے جسم کی حرارت تبخیر میں صرف ہو جاتی ہے۔ جلد ٹھنڈی پڑ جاتی ہے جس سے خون ٹھنڈا ہو کر رگوں میں چلا جاتا ہے اور اس طرح جسم معتدل رہتا ہے۔

سردیوں میں پسینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے پسینے اور خون کی نالیوں کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سردیوں میں چہرہ مقابلۃً پھیکا پڑ جاتا ہے اور بہار میں چمک اٹھتا ہے۔

دانت دانتوں کا انیمل دانتوں کی حفاظت کے لئے ضروری ہے اس انیمل کی وجہ سے دانتوں کی بیرونی سطح بہت سخت ہوتی ہے اور اندر سے نرم۔ اگر کوئی جرثومہ ایک دفعہ کسی دانت میں راہ بنا ڈالے تو اندرونی حصّے کو فوراً تباہ کر دیتا ہے۔ یہ جرثومہ سیاہ رنگ کے بے شمار بچّے نکالتا ہے۔ ان سے ایک قسم کا زہر خارج ہوتا ہے جو غذا یا تھوک کے ہمراہ اندر جا کر سارے خون کو خراب کر دیتا ہے۔

پیدائش انسان خلیوں سے بنا ہے۔ ہر خلیہ تقسیم ہو کر بھی مکمل رہتا ہے یہ خلیہ دراصل ایک چھوٹا سا دانہ ہے جس میں ایک سیاہ دھبّہ ہوتا ہے۔ تقسیم ہونے کے بعد بھی ہر حصّے میں یہ دھبّہ موجود رہتا ہے۔



یہ خلیہ ماں کے رحم میں موجود ہوتا ہے لیکن اس میں منقسم و متضاعف ہونے کی استعداد نطفۂ پدری کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ جونہی کہ نطفۂ پدری کا اس خلیہ سے اتصال ہوتا ہے، یہ تقسیم در تقسیم ہو کر تعمیرِ جنین میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بعض خلیے کان بناتے ہیں

اور بعض دیگر دِل، وعلیٰ ہذاالقیاس۔ چونکہ ایک بنیائے کل آنکھ اوپر موجود ہے اس لئے یہ کبھی نہیں ہُوا کہ دِل کی جگہ ناک اور آنکھ کی جگہ منہ تیار ہو جائے۔

انسانی نطفہ دس عناصر سے مرکب ہوتا ہے، آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، اوزوت کبریت، فاسفورس، پوٹاش، میگنیشیم، چُونا اور فولاد۔ ان عناصر میں عقل و حواس موجود نہیں ہوتے لیکن اللہ کی صنّاعی دیکھئے کہ جو کل ان اجزاء سے تیار ہوتا ہے، اس میں عقل و حواس موجود ہوتے ہیں۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ﷺ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (دہر ۲)	ہم نے انسان کو مرکب نطفے سے بنا کر اسے سمع و بصر کی نعمت عطا فرمائی، تاکہ ہم اسے آزمائیں۔

غذا ایک آدمی جب کمرے میں آرام سے بیٹھا ہُوا ہو تو وُہ ایک گھنٹے میں تقریباً پچیس ہزار مکعب سنٹی میٹر آکسیجن استعمال کرتا ہے۔ کھانے کے بعد ۳۶ ہزار اور ورزش کے دوران میں یہ مقدار ۸۰ ہزار مکعب سنٹی میٹر تک پہنچ جاتی ہے۔ سردیوں میں جسم کو گرم رکھنے کے لئے آکسیجن کی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے اسی لئے بھُوک زیادہ ستاتی ہے۔

ہمیں اپنی غذا میں پانچ چیزیں ملتی ہیں: (۱) پانی (۲) چربی (۳) نمک (۴)... ہائیڈروجنی آکسیجنی اور کاربنی مرکبات (۵) نائٹروجنی مرکبات۔ مرکب نمبر ۴ کو کاربوہائیڈریٹ اور مرکب نمبر ۵ کو لحمیات یا پروٹینز بھی کہتے ہیں۔ بعض اغذیہ کے اجزاء یہ ہیں:

غذا کا نام	پانی فی صدی	لحمیات فی صدی	نشاستہ فی صدی	چربی فی صدی
۱۔ گوشت	۹۹	۳۱۔۹	×	۳۔۷
۲۔ مرغی کا سینہ	۷۴	۲۴۔۶	×	۲۔۰
۳۔ مچھلی	۶۵	۱۸۔۶	×	۱۰ تا ۱۷

غذا کا نام	پانی فی صدی	لحمیات فی صدی	نشاستہ فی صدی	چربی فی صدی
۴۔ مکھن	۱۴	×	×	۸۱۔۶
۵۔ دُودھ	۸۸	۳۔۳	۴۔۸	۳۔۶
۶۔ سیب	۸۴	۰۔۳	۱۲۔۵	۰۔۶
۷۔ لیموں	۹۱	۰۔۵	۳۔۱	۰۔۵
۸۔ اُبلے ہُوئے آلو	۸۱	۱۔۹	۱۶	×
۹۔ سُرخ آٹے کی روٹی	۴۴	۷۔۵	۴۵۔۸	۰۔۱
۱۰۔ سفید " "	۴۳	۶۔۶	۴۸۔۷	۰۔۱
۱۱۔ شہد	۱۸	۰۔۴	۱۷۔۴	×
۱۲۔ چکولیٹ	۱۰	۴۔۸	۵۹۔۹	۳۱۔۱
۱۳۔ کھانڈ	×	×	۱۰۰	×

چربی دار غذاؤں کی کاربن اور ہائیڈروجن، آکسیجن سے مِل کر زیادہ حرارت پیدا کرتی ہے۔ لحمیات کثرتِ آب کی وجہ سے کم گرم ہوتی ہیں۔ دُودھ ہر لحاظ سے بہترین غذا ہے۔ ہماری اغذیہ معمولہ میں کاربن آکسیجن وغیرہ کی مقدار حسبِ ذیل ہوتی ہے:

نام	کاربن	ہائیڈروجن	آکسیجن	نائٹروجن	سلفر
۱۔ چربی	۷۷	۱۱۔۵	۱۱۔۵	×	×
۲۔ نشاستہ	۴۴۔۴	۶۔۲	۴۹۔۴	×	×
۳۔ شکر	۴۲۔۱	۶۔۵	۵۱۔۴	×	×
۴۔ لحمیات	۵۱۔۵	۷	۲۰۔۳۰	۱۵۔۹	۴۔۵

ایک آدمی کو روزانہ تین پونڈ غذا درکار ہوتی ہے۔ تمام دُنیا کے انسان ہر روز چھ ارب پونڈ یعنی سات کروڑ پچاس لاکھ من غذا کھاتے ہیں۔

ہمارے جسم میں نائٹروجن کا کچھ حِصّہ ناخن اور بال اگانے پر صرف ہوتا ہے اور باقی پسینے اور پیشاب وغیرہ میں مِل کر خارج ہو جاتی ہے۔ بالوں پر روزانہ ۰.۰۲۹ گرام اور ناخنوں پر ۰.۰۰۷ گرام نائٹروجن خرچ ہوتی ہے۔ سانس کے ذریعے جس قدر نائٹروجن روزانہ خرچ ہوتی ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ بے کار آدمی ایک گھنٹے میں ۰.۰۰۷ گرام نائٹروجن خارج کرتا ہے۔

۲۔ معمولی کام کرنے والا 〃 〃 ۰.۰۱۳ 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ سخت 〃 〃 〃 ۰.۰۲۲ 〃 〃 〃 〃 〃

۴۔ سائیکل چلانے والا چار گھنٹوں میں ۲.۵۵ کیلو گرام پسینہ خارج کرتا ہے جس میں ۰.۶۵ گرام نائٹروجن اور ۱.۶۷ گرام نمک ہوتا ہے۔

۵۔ ایک عورت ایام حیض میں روزانہ ۰.۸۴ گرام تک نائٹروجن خارج کرتی ہے۔ بھوک کی حالت میں نائٹروجن اور چربی ہر دو جلتی ہیں۔ کام کے وقت صرف چربی پگھلتی ہے۔ نشاستہ آرام و محنت ہر دو صُورت میں جلتا ہے اور چربی کو جلنے سے بچاتا ہے نشاستہ باہر نہیں جلتا لیکن جسم میں بہت جلد جل جاتا ہے۔ چربی باہر بہت جلد پگھلتی ہے لیکن جزوِ جسم بننے کے بعد بڑی مشکل سے حل ہوتی ہے۔

جسم میں حرارت رقبۂ جسم کے مُطابق ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ لمبے آدمی کو چھوٹے آدمی کی نسبت زیادہ بھُوک لگتی ہے۔

حیاتیات یا وٹامن حیاتیات نظامِ جسمانی کے اہم عناصر ہیں۔ اس وقت تک

ہمیں حیاتیات کی آٹھ اقسام معلوم ہو چکی ہیں یعنی:

۱۔ حیاتیہ اے	۲۔ حیاتیہ بی (۱)	۳۔ حیاتیہ بی (ب)	۴۔ حیاتیہ بی (ج)
۵۔ حیاتیہ بی (د)	۶۔ حیاتیہ سی	۷۔ حیاتیہ ڈی	۸۔ حیاتیہ ای

۱۔ اے حیاتیہ کی غیر موجودگی میں جسمانی نشوونما رک جاتی ہے۔ نیز آنکھ کے پپوٹوں کو ایک بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ حیاتیہ مچھلی کے تیل، مکھن اور انڈوں میں بکثرت ہوتا ہے ۔ ۲۔ بی (۱) اس حیاتیہ کی غیر موجودگی ٹانگوں کو کمزور کر دیتی ہے۔

۳۔ بی (ب) اس حیاتیہ کی غیر موجودگی میں ناسور کی عام شکایت رہتی ہے۔

۴۔ حیاتیہ بی کے باقی اقسام بھی جسمانی نشوونما کیلئے ضروری ہیں۔ یہ حیاتیے انڈوں پھلوں کے بیج اور غلوں میں ملتے ہیں۔

۵۔ سی حیاتیہ پھلوں اور سبزیوں میں بکثرت ہوتا ہے۔ تازگیٔ دماغ صفائی خون اور شادابیٔ رنگ کے لئے ازبس مفید ہے۔

۶۔ ای۔ اس کی غیر موجودگی میں قوتِ رجولیت جواب دے جاتی ہے۔ یہ حیاتیہ سبزی کے تیلوں اور پتوں میں ملتا ہے۔

تحلیلِ غذا حلق سے اترنے کے بعد غذا ایک تھیلی (معدہ) میں پہنچتی ہے جس کی دیوار سے ایک رس نکل کر پہلے ہی وہاں موجود ہوتا ہے اور کچھ بعد میں آجاتا ہے۔ یہ رس ترش ہوتا ہے اور غذا کو حل کر کے جزوِ بدن بناتا ہے۔ تھوک بھی عملِ ہضم میں مدد دیتا ہے۔

سوال:۔ یہ رس معدے میں کھانے سے پہلے کیسے جمع ہو جاتا ہے؟

جواب:۔ فرض کرو کھانا پک رہا ہے اور سالن پکنے کی خوشبو ہم تک پہنچتی ہے۔ ناک فوراً دماغ کو اطلاع دے گی اور دماغ معدے اور منہ ہر دو کی طرف حکم نافذ کرے گا۔

کہ ہاضمے کے رس تیار کرو۔ چنانچہ منہ پانی سے اور معدہ اُس رس سے بھر جائے گا کبھی صرف بلبلیٹوں کی آواز یا کسی لذیذ کھانے کے ذکر سے بھی مُنہ میں پانی بھر آتا ہے۔

لطیفہ ایک انگریز لڑکے نے ساتھیوں سے کہا دیکھو وُہ فوج کا ایک دستہ اس طرف آرہا ہے۔ مَیں ایک ایسا کرشمہ دکھاؤں گا کہ اُن کے بین باجے رُک جائیں گے۔ جب وُہ دستہ قریب پہنچا تو لڑکے نے ایک دو قدم آگے بڑھ کر لیموں چُوسنا شروع کر دیا۔ ترشی کے تصوّر سے سپاہیوں کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور وُہ بین وغیرہ بجانے کے قابل نہ رہے۔

جگر جگر صفرا و شکر ہر دو کا خزانہ ہے۔ جب اعضاء و اعصاب کام کر رہے ہوں تو انہیں شکر کی ضرورت پڑتی ہے، جو جگر سے نِکل کر بذریعہ خون مقام ضرورت تک جاتی ہے۔

جب غذا معدے میں پہنچتی ہے تو اس میں تین رس شامل ہو جاتے ہیں۔ ایک معدے کی دیواروں سے خارج ہوتا ہے۔ دُوسرا جگر سے آتا ہے اور تیسرا بائیں طرف کی ایک گلٹی (PANCREAS) سے نِکلتا ہے۔

اگر کسی آدمی کو زیادہ سردی لگ جائے تو جسم کو گرمانے کے لیے جگر اس حد صفرا خارج کرتا ہے کہ جسم، آنکھیں اور چہرہ زرد ہو جاتا ہے اس مرض کا نام یرقان ہے۔

گُردوں والی گلٹی کا رس گردوں کے پاس ایک گلٹی ایک ایسا رس خارج کرتی ہے جس سے خُون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ دوران خُون میں کوئی رکاوٹ نہیں آنے پاتی اور نبض کی رفتار نہایت عمدہ ہو جاتی ہے۔ اس رس کے اجزا یہ ہوتے ہیں:

کاربن ــ ۵۹، ہائیڈروجن ۱ــ ۷، آکسیجن ۲ــ ۲۶، نائٹروجن ۷ــ ۷، خوف کی حالت میں یہ گلٹی زیادہ رس خارج کرتی ہے، جس سے دورانِ خون زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔

گردن والی گلٹی کا رس | یہ گلٹی (THYROID GLAND) ایک نہایت مفید رس خارج کرتی ہے اگر کسی وجہ سے یہ رس جسم کے تمام حصّوں تک نہ پہنچ سکے تو یہ گلٹی پھول کر زیادہ رس نکالنے کی کوشش کرتی ہے اور گردن کے نیچے بڑے بڑے گلٹر بن جاتے ہیں۔ یہ بیماری ان علاقوں میں عام ہوتی ہے۔ جہاں پانی میں آیوڈین نہ ہو۔ آیوڈین ہمارے جسمانی نظام کا ایک ضروری جزو ہے۔ اگر یہ عنصر پانی میں موجود نہ ہو تو یہ کمی اس گلٹی کو پوری کرنی پڑتی ہے اور اسی لئے پھول جاتی ہے۔

کاربن	ہائیڈروجن	نائٹروجن	آیوڈین
۴-۲۳	۴-۱	۸-۱	۴-۶۵

اگر پانی کے ایک کروڑ قطروں میں اس رس کا ایک قطرہ ٹپکا دیا جائے اور اس پانی میں مینڈک کے بچے موجود ہوں تو وُہ بہت جلد جوان ہو جاتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ اللہ نے انسانی جسم میں نشوونما، انہضام غذا اور دفعِ امراض کے لئے کیا عجیب شفاخانہ کھول رکھا ہے جس میں تریاق کی بوتلیں نہایت قرینے سے ہر طرف لگی ہوئی ہے۔

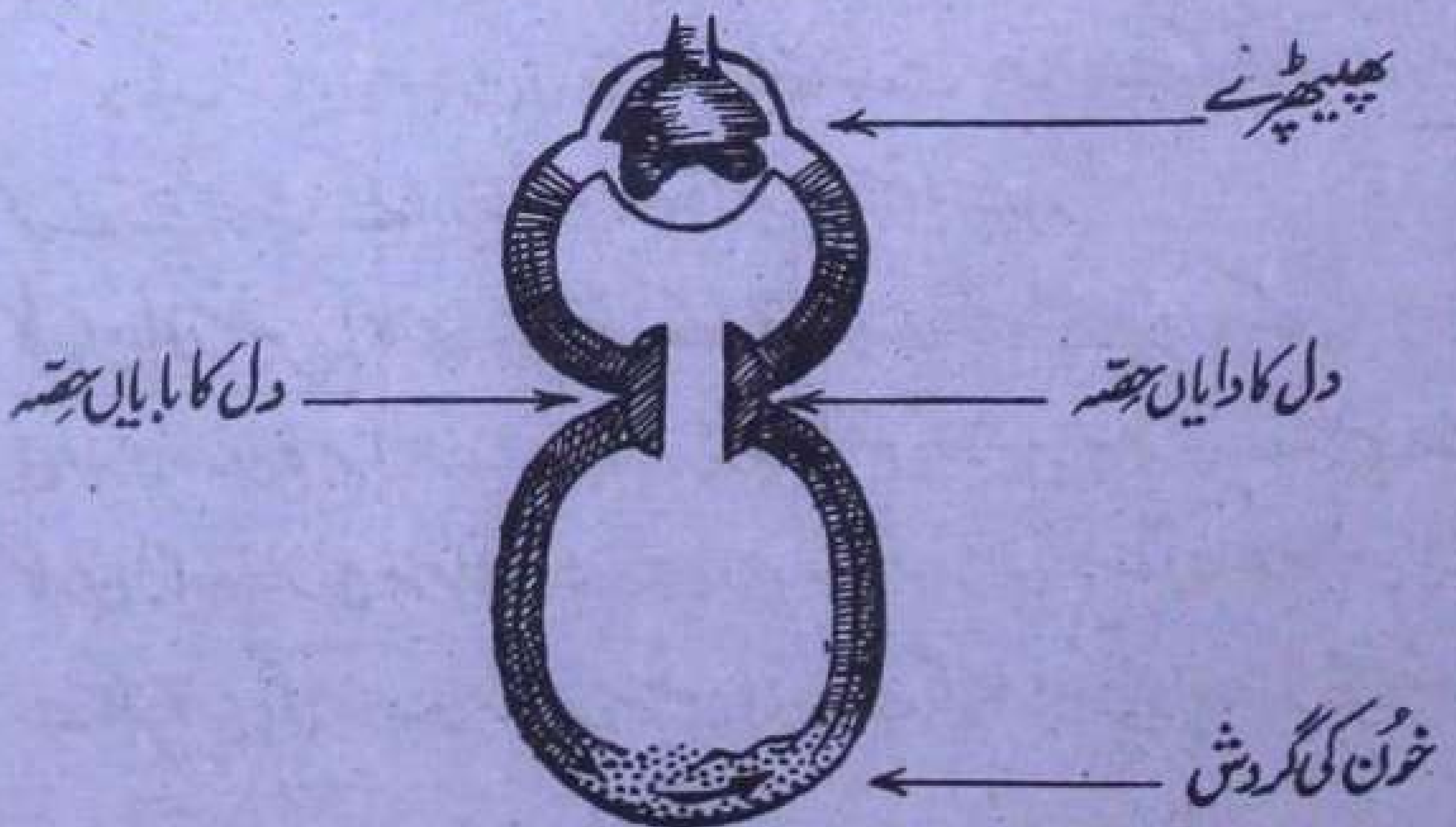
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ | تم اللہ کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ؟

جوہرِ غذا | غذا ہضم ہونے کے بعد ایک لمبی سی نالی سے ہو کر بڑی آنت میں پہنچتی ہے اور رہ میں ہر مقام پر چربی، شکر، نشاستہ و دیگر اجزائے غذا چھوڑتی آتی ہے، یہ اجزاء انتڑیوں کی دیواروں میں جذب ہو کر خون میں چلے جاتے ہیں اور فضلہ باہر نکل جاتا ہے۔

نشاستہ جسمانی انجن کا کوئلہ ہے اور لحمیات اس انجن کے خراب شدہ پرزوں کی مرمت کرتے ہیں۔ صرف لحمیات کھانے والا انسان کمزور ہو جاتا ہے اور صرف نشاستے

پر گزارہ کرنے والا انسان دُبلا پتلا رہ جاتا ہے۔

تنفس جب ہم سانس لیتے ہیں تو ہوا بڑی نالی سے گزر کر دو چھوٹی چھوٹی نالیوں میں داخل ہوتی ہے جو سیدھی پھیپھڑوں میں جاتی ہے۔ پھیپھڑوں اور معدے کے درمیان ایک ایسا پٹھا ہے جس پر تنفس کے وقت دباؤ پڑتا ہے اور اس دباؤ سے معدہ بار بار پھولتا ہے۔ پھیپھڑوں میں ہوا بھی موجود ہے اور خُون بھی لیکن ہر دو کے خانے جُدا جُدا ہیں۔ پھیپھڑوں میں ہوا کے دو فائدے ہیں اوّل یہیں سے تازہ ہوا خون میں جاتی ہے۔ دوم جب جماہی یا انگڑائی لیتے ہیں تو پھیپھڑوں پر دباؤ پڑتا ہے۔ یہ ہوا اس دباؤ کو اسی طرح غیر محسوس بنا دیتی ہے جس طرح گدّیوں کے سپرنگ ہچکولوں کو جذب کر لیتے ہیں ہمیں دن میں کئی بار پھیپھڑوں کو سکیڑ کر خُون کو دیگر اعضا کی طرف بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً اندھیری رات میں ہم کوئی آہٹ سُن پاتے ہیں فوراً سانس روک کر پھیپھڑوں کا خُون دماغ اور کانوں کی طرف بھیجتے ہیں تاکہ آہٹ کی حقیقت معلوم کر سکیں۔ دوڑ دُھوپ میں جسم کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ غلاظت زیادہ پیدا ہوتی ہے جسے خارج کرنے کیلئے پھیپھڑے جلدی جلدی تازہ ہوا کھینچتے ہیں اور اسی کا نام ہانپنا ہے۔



دِل کے دو حِصّے ہیں، دایاں اور بایاں۔ دایاں حصّہ خُون کو پھیپھڑوں میں بھیجتا ہے جہاں سے صاف ہو کر بائیں حِصّے میں داخل ہوتا ہے اور پھر باقی جسم میں جاتا ہے۔

تمام رگوں کے منہ پہ چند پٹھے ہوتے ہیں جو بوقتِ ضرورت رسی کی طرح ان رگوں کا منہ بند کر لیتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ ایک لڑکا پڑھ رہا ہے۔ اس وقت اس کے دماغ کو خُون کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور پیٹ کو کم۔ اس لئے پیٹ والی رگوں کے منہ بند ہو جائیں گے اور خون دماغ کی طرف چلا جائے گا کھانا کھانے کے بعد خُون معدے کی طرف آجائے گا اور دماغی عروق کا مُنہ بند ہو جائے گا۔

دورانِ خُون دِل کا پمپ ہوا کے دباؤ سے خُون کو تمام جسم میں بھیجتا ہے اور دو چیزیں خُون کو پھیپھڑوں میں بھیجتی ہیں۔ اوّل پھیپھڑوں سے آتے ہوئے خُون کا ریلا جو سُست رفتار خون کو تیز گام بنا دیتا ہے۔ دوم جب ہم اینٹھتے یا اکڑتے ہیں تو تمام رگیں تن کر کٹتی ہیں جس سے خُون آگے کو سرک جاتا ہے۔

جسم کے ہر حِصّے کا خُون سیدھا دل میں جاتا ہے لیکن انتڑیوں کا خون شکر کا ذخیرہ ہمراہ لِئے جگر میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہاں سے دِل میں۔

باریک شریانوں میں خون کی رفتار اس لئے سُست ہو جاتی ہے کہ غلاظت کو ہر کونے سے سمیٹ سکے اور غذا کو وہاں باطمینان پہنچا سکے۔

کاربن اور تنفس کاربن نظامِ تنفس کے لئے ضروری ہے۔ پھیپھڑوں کے نیچے ۵،۶ فی صدی کاربن کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ نظامِ تنفس درہم برہم ہو جائے تنفس سے کاربن زیادہ خارج ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مریض آہستہ آہستہ سانس لیتا ہے تاکہ کاربن کی ضروری مقدار جسم میں باقی رہے اگر کاربن کی زیادہ مقدار پھیپھڑوں

میں جمع ہو جائے تو اُس کے اخراج کے لئے مریض تیز تیز سانس لیتا ہے۔

جنگ اور تنفس قدیم زمانے میں وحشی لوگ دشمن کو دھواں دے کر غاروں سے باہر نکالا کرتے تھے۔ اہل یونان گندھک کے دھوئیں سے حملہ کیا کرتے تھے۔ جنگِ کریمیا میں لارڈن ڈانلڈ نے دشمن کے خلاف گندھک استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن جذباتِ رحم آڑے آئے۔ اپریل ۱۹۱۵ء میں جرمن مورچوں سے کلورین گیس کا ایک سفید بادل اٹھا اور فرانسیسیوں کی طرف بڑھا۔ ان غریبوں کے گلے بند ہو گئے ، نظر جاتی رہی اور سانس رُک گئی۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں برطانیہ نے گیس کا جواب گیس سے دیا جس سے جرمنوں کے پھیپھڑے متورم ہو گئے۔

گزشتہ جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) میں پچیس قسم کی گیسیں استعمال ہوئیں جن سے اسّی ہزار آدمی متاثر ہوئے۔ سولہ ہزار تو ہلاک ہو گئے اور باقی عمر بھر دُکھ سہتے رہے۔

خون خون میں دو قسم کے ذرات ہوتے ہیں۔ سُرخ و سفید۔ سُرخ ذروں کو انگریزی میں (HAEMOGLOBIN) کہتے ہیں۔ ان میں فولاد زیادہ ہوتا ہے اور آکسیجن جذب کرتے ہیں۔ اگر ان سُرخ ذروں پر ہوا کا دباؤ ڈالا جائے تو یہ فوراً آکسیجن جذب کر لیتے ہیں اور اگر یہ دباؤ ہٹا لیا جائے تو آکسیجن علیحدہ ہو جاتی ہے۔

جب خون پھیپھڑوں میں آتا ہے تو ہوائی دباؤ سے آکسیجن قبول کر لیتا ہے اور جب ایسے حصّوں میں پہنچتا ہے جہاں آکسیجن نہیں ہوتی تو ہوا کا دباؤ کم ہو جاتا ہے اور آکسیجن علیحدہ ہو جاتی ہے۔

جب خون جسم سے پھیپھڑوں کی طرف واپس جاتا ہے تو راستے میں سوڈے کی ایک خاصی مقدار خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ سُرخ ذرات اور

سوڈا ہل کر کاربن جذب کرتے ہیں۔ چنانچہ واپسی پر خون کاربن کو سمیٹ کر پھیپھڑوں میں لے آتا ہے جہاں ایک کیمیائی عمل سے کاربن علیحدہ ہو کر سانس کے ذریعے باہر نکل جاتی ہے اور خون آکسیجن لے کر سوڈے سمیت واپس چلا جاتا ہے۔ سوڈا راہ میں رہ جاتا ہے اور آکسیجن عروق و اعصاب میں چلی جاتی ہے۔

خون کے سرخ ذرات بڑی بڑی ہڈیوں کے مغز میں تیار ہوتے ہیں۔ ہر ذرہ صرف دس دن تک کے لئے کام دیتا ہے اور اس کے بعد بے کار ہو کر تلی میں گر جاتا ہے۔ تلی دراصل بے کار سرخ دانوں کا گندا ٹین ہے۔

سردی میں خون کی رفتار سست ہو جاتی ہے اور اسی لئے جسم کا رنگ نیلگوں سا ہو جاتا ہے یہ دراصل وہ غلیظ مواد ہوتا ہے جو خون میں واپسی پر شامل ہو جاتا ہے خون کے سفید ذرات مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ یعنی گول لمبے چپٹے وغیرہ۔ وجہ یہ کہ جسم کو مختلف شکل کے زخم آتے رہتے ہیں۔ یہ ذرات مقام مجروح پر پہنچ کر شریانوں کے منہ میں پھنس جاتے ہیں اور اینٹوں کی طرح نہیں جما دیتے ہیں یہاں تک کہ زخم بھر جاتا ہے۔

یہ ذرات جراثیم امراض سے باقاعدہ جنگ کرتے ہیں اور پھوڑے سے جو پیپ نکلتی ہے وہ دراصل انہی ذرات کی لاشیں ہوتی ہیں۔

دماغ ہمارا دماغ کھوپڑی کے مضبوط قلعے میں پانی کے اندر تیر رہا ہے۔ پانی کا فائدہ یہ ہے کہ اچھل کود میں دماغ دیواروں سے نہیں ٹکراتا۔ ریڑھ کی ہڈی دماغ سے نکل کر کمر تک جاتی ہے اس کی سینکڑوں رگیں الگ ہو کر جسم میں پھیلی ہوئی ہیں جس طرح ٹیلیفون میں دو تار ہوتے ہیں، ایک پیغام دینے اور دوسرا لینے کے لئے اسی طرح جسم کے ہر حصے میں پیغام بھیجنے اور لینے کے لئے علیحدہ علیحدہ تار ہیں۔ مثلاً اگر پاؤں پر کوئی مکوڑا چڑھ آئے تو فوراً ایک تار

سے دماغ کو اطلاع جاتی ہے اور دوسرے تار سے ہاتھ کو حکم ملتا ہے کہ کوڑے کو مار بھگاؤ۔

چونکہ بعض اوقات بعض اعضاء کو خون کی زیادہ مقدار درکار ہوتی ہے اس لئے دماغ اعصاب و عضلات کو خون لینے یا روکنے کا حکم بھی نافذ کیا کرتا ہے۔ فرض کرو ایک آدمی ہم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو فوراً دماغ سے مختلف اعضاء کو مختلف احکام جاری ہوں گے بھنویں تن جائیں گی، نتھنے پھول جائیں گے، آنکھیں سُرخ ہو جائیں گی۔ ہاتھ مکے کی شکل اختیار کرے گا اور دِل جلدی جلدی حرکت کرنے لگے گا تاکہ خون کی مُناسب مقدار ان تمام اعضاء تک پہنچائی جا سکے، جن سے کام لیا جا رہا ہے۔

جسمانی دکھ اللہ کی ایک رحمت ہے۔ یہ دراصل دماغ کے لئے ایک پیغام ہوتا ہے ہوشیار ہو جائیے خطرہ سر پر آ گیا ہے۔ اگر جسمانی اذیت نہ ہوتی، تو ہر روز لاکھوں انسان بن آئی مر جاتے۔ فرض کیجئے کہ دماغ میں پھوڑا نکل آتا ہے یا نیند کی حالت میں کوئی شخص ہمارے سینے میں چاقو داخل کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر دُکھ کی وجہ سے دماغ کو خبر نہ ہونے پائے تو ہم بلا علاج رہ کر ہلاک ہو جائیں۔

ہم اندھیرے میں جا رہے ہیں۔ اچانک سانپ کی پھنکار کانوں تک پہنچتی ہے کان دماغ کو اطلاع دیتے ہیں۔ دماغ فوراً کُودنے کا حکم نافذ کرتا ہے اور ہم اچھل کر خطرے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

جب ہم کوئی نہایت وحشت ناک خبر سُن پاتے ہیں تو دِل کا تمام خون دماغ کی طرف چلا جاتا ہے، تاکہ دماغ کوئی حفاظتی تجویز سوچ سکے اور اس طرح بعض اوقات ہماری موت واقع ہو جاتی ہے۔ بعض چھوٹے چھوٹے پرندے سانپ کو دیکھ کر اس لئے غش ہو جاتے ہیں کہ اُن کے دِل کا سارا خون دماغ کی طرف چلا جاتا ہے اور وہ بیچارے لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔

یورک ایسڈ نیز بعض دیگر زہروں کی وجہ سے احکام لینے والے تار تباہ ہو جاتے ہیں خطرہ کے وقت دماغ کے احکام بعض اعضاء تک نہیں پہنچ سکتے اور اسی لئے ایسے لوگ بدحواس ہو جاتے ہیں

چونکہ دماغ سے تمام حصصِ جسم تک تلغرافی تار جاتے ہیں، اسی لئے اگر میدان جنگ میں گولی سے یہ تار کمر کے پاس سے کٹ جائیں تو نچلا دھڑ بے حرکت ہو جائے گا اور اگر ان تاروں کو نقصان پہنچ جائے جن کا تعلق چشم و گوش سے ہے تو انسان اندھا اور بہرہ ہو کر رہ جائے۔

دماغ کے دو حصے ہوتے ہیں: (۱) اندرونی جو سفید ہے اور (۲) بیرونی خاکستری رنگ کا ہوتا ہے۔ ہر دو آپس میں وابستہ ہیں۔ بیرونی دماغ میں بہت ابھار نظر آتے ہیں جو درحقیقت محسوسات مشمومات و معقولات وغیرہ کے مرکز ہیں، بعض اُبھار احساس بعض شم، بعض تخیل، بعض کتابت اور بعض ریاضی و منطق سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کسی صدمے سے کسی ابھار کو نقصان پہنچ جائے تو وہ طاقت کم یا مفقود ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ بعض طلباء ریاضی میں اور بعض دیگر انگریزی وغیرہ میں کمزور رہتے ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا دماغ ۱۶ اونس اور بڑے سے بڑا ۶۴ اونس یعنی دو سیر کا ہوتا ہے۔ شکل ملاحظہ ہو۔



دست و پا ہمارے ہاتھ پاؤں میں ۱۰۶ ہڈیاں ہیں اور صرف انگلیوں میں ۵۸، انگلیوں کے نظام پر ذرا غور فرمائیے کہ پہلے ۵۸ ہڈیاں بنائی گئیں پھر انہیں ایک ترتیب میں رکھ

کر اندر عروق کا ایک جال بچھایا گیا ..... اور اوپر ایک جلد چڑھا دی گئی۔ انصافاً فرمایئے کہ یہ کام زیادہ مشکل ہے یا بنی بنائی ہڈیوں میں دوبارہ رُوح پھونکنا۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۝ (قیامہ ۳/۴)	کیا انسان کا خیال یہ ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکیں گے حالانکہ ہم اس کی انگلیوں کی پوریں بنا رہے ہیں (جو مشکل تر کام ہے)۔

الغرض جسم انسانی ایک حیرت ناک مشین ہے، جس کا ہر پرزہ اس خالق جلیل کی پرشکوہ صنّاعی و خلّاقی کی ایک رُوح افزا داستان ہے۔ آؤ ہم اس صنّاع بے چوں کی رفعت کے گیت گائیں، جس نے:

اَلَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۝ فِیۡۤ اَیِّ صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ۝ (انفطار ۷/۸)	تمہیں پیدا کیا، تمہارے نظام جسمانی میں توازن پیدا کر کے اسے ہر طرح مکمل بنا دیا اور پھر تمہیں ایک ایسی ہیئت و صورت عطا کی جو اسے پسند تھی۔

باب ۱۱

متفرق آیاتِ طبیعی کی تفسیر

اس کتاب کے آغاز میں ذکر ہو چکا ہے کہ قرآنِ حکیم میں آیات کونیہ کی تعداد ۷۵۶ تک جا پہنچتی ہے جن میں سے بعض کی تفسیر گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے اور بعض باقی ہیں۔ اوراقِ آئندہ میں چند ایسی آیات کے معارف بیان ہوں گے اور عمداً اختصار سے کام لیا جائے گا تاکہ ضخامت نہ بڑھ جائے۔

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

اس آیت کی تفسیر مختلف مقامات پر ہو چکی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ عرب میں قبائل کے باہمی تعلقات پر مدح و ذم کا بہت گہرا اثر پڑا کرتا تھا۔ شعرائے عرب نے بعض قبائل کی تعریف کی تو وہ صدیوں اینٹھتے رہے اور بعض دیگر کی مذمت کی تو وہ ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو گئے۔ ایک شاعر ایک قوم کے متعلق کہتا ہے:

ولو انی بلیت بھاشمی	خوؤلته بنو عبدالمدان
لھان علیٰ ما القیٰ ولکن	تعالوا فانظروا بمن ابتلانی

(اگر میرا مقابلہ کسی ایسے ہاشمی سے ہوتا جس کے ماموں عبدالمدان کے بیٹے ہوتے تو مجھے یہ مصیبت سہل معلوم ہوتی، لیکن آؤ دیکھو کہ میرا مقابلہ کیسے ذلیل

انسانوں سے آپڑا ہے)

ایک شاعر بنی انف کے متعلق کہتا ہے:

قومهم الانف والاذناب غيرهم	ومن يسوى بانف الناقة الذنبا
(یہ قوم دُنیا کی ناک ہے اور باقی قبائل پونچھ	بھلا پونچھ کو ناک سے کیا نسبت ہو سکتی ہے)

مدح وذم کے علاوہ بعض شعراء طلبِ زر کے لئے امراء کے دربار میں مبالغہ آمیز قصائد پڑھا کرتے تھے۔ جب مغیرہ بن شعبہ ایران کے رئیس الافواج رستم کے دربار میں جاتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ لوگ جھک جھک کر کورنش بجا لا رہے ہیں۔ سجدے ہو رہے ہیں آستانوں کو چوما جا رہا ہے اور قبلۂ عالم، اعلیٰ حضرت، حضورِ اعلیٰ و ربّ الناس وغیرہ کے القاب معمولی امراء کو دیئے جا رہے ہیں تو مغیرہ حیران ہو کر کہتا ہے:

ما ارى قوما اسفه احلاما منكم انا معشر العرب لا يستعبد بعضنا بعضا وانى رايت ان بعضكم ارباب بعض وان هذا الامر لا يستقيم فيكم	میں نے کوئی قوم تم سے زیادہ احمق نہیں دیکھی ہم اہلِ عرب ایک دُوسرے کو خدا نہیں سمجھتے اور تم میں سے بعض بعض دیگر کی عبادت میں مصروف ہیں اور یہ حرکات تمہارے لئے باعثِ رسوائی ہیں۔

الغرض شعرائے عرب کو باہمی فتنہ انگیزی سے روکنے اور ملّتِ اسلامیہ کو خوشامد اور چاپلوسی کی لعنت سے آزاد کرنے کے لئے حکم دیا گیا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی تمام ستائشوں کا مستحق صرف دُنیا کا پروردگار ہے اور بس غور فرمائیے کہ اس ایک جملے سے کس قدر مفاسد تھم گئے ہوں گے اور شعرائے عرب کا دماغ انسان پرستیوں کی الجھنوں سے آزاد ہو کر الٰہی حمد و ثنا کے ترانے کس وجد و مستی میں تصنیف کرتا ہوگا نیز تمام قوم کو کس بلند اخلاقی کا سبق دیا گیا کہ جو کچھ کسی کو ملتا ہے خواہ وُہ بلا واسطہ ہو، مثلاً روشنی، ہوا اور معادن وغیرہ یا

بالواسطہ مثلاً علم، ملازمت، انعام، تحائف وغیرہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

گرچہ تیر از کماں ہمے گزرد   از کماں دار بیند اہلِ خرد (سعدیؒ)

یہ کمان دار اللہ ہے اور یہ وسائط و وسائل محض کمان کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے ہر رنگ میں صرف اللہ ہی قابلِ تعریف ہے۔

(۲)

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ (بقرہ)

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملائکہ کیا ہیں؟

جواب: انسان میں آب و ہوا اور خاک و آتش کی ترکیب سے عقل پیدا ہوئی تو پھر کائنات کو جو انہی عناصر سے بنی ہے عقل سے کیوں محروم سمجھا جائے؟ فلاسفۂ یونان نے کائنات میں عقولِ عشرہ تسلیم کئے تھے انہی عقول کا دُوسرا نام ملائکہ ہے۔

ہم دنیا میں مختلف ذی حیات کی مختلف انواع دیکھتے ہیں مثلاً کیچوا، مچھلی اور چرپائے چوپاؤں کے مختلف طبقے مثلاً چوہا، بلی، خرگوش، ہرن، بھیڑیا، ریچھ، چیتا اور شیر۔ ان سب کے بعد انسان کا درجہ آتا ہے۔ کیا زندگی کی آخری منزل انسان ہے اور بس؟ کیا ہم انسان کے بعد ایک غیر مرئی مخلوق یعنی ملائکہ کا وجود فرض نہیں کر سکتے؟

پتھر میں شہوت، غضب، عقل وغیرہ کچھ بھی موجود نہیں۔ حیوان میں شہوت و غضب تو ہیں لیکن عقل ندارد۔ انسانوں میں تینوں موجود ہیں۔ تو کیا ہم ایک ایسی مخلوق فرض نہیں کر سکتے جس میں عقل تو موجود ہو لیکن شہوت و غضب نہ ہو۔

انسانی دُنیا کے مختلف شعبوں پر مختلف انسان بطور نگران متعین ہیں۔ کوئی جج ہے کوئی کمان دار اور کوئی گورنر۔ کیا کائنات کے مختلف شعبوں مثلاً ابر و باد وغیرہ پر چھوٹے

چھوٹے نگران متعین نہیں۔ جنہیں وید کی زبان میں دیوتا اور قرآن کی اصطلاح میں فرشتہ کہا جاتا ہے۔

(۳)

محکمات و متشابہات

قرآن حکیم میں آیات کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں۔ محکمات و متشابہات۔ آیئے دیکھیں کہ ان اصطلاحات کا مفہوم کیا ہے؟

محکمات اس کا ماخذ "حکم" ہے۔ "حکم" کے مختلف مشتقات یہ ہیں:

۱۔ حَکَمَ حُکْمًا: قَضٰی وَفَصَلَ یعنی اس نے فیصلہ کیا یا تفصیل پیش کی۔

۲۔ اَحْکَمَ: اَتْقَنَ یعنی دلائل سے ثابت کیا یا مضبوط بنایا۔

۳۔ تَحَکَّمَ: تصرّف وفق مشیئته۔ اپنی خواہش کے مطابق ردّ و بدل کر دیا۔

۴۔ اَلْحِکْمَةُ: عدل۔ علم۔ فلسفہ

۵۔ اَلْحُکُوْمَةُ: اَلرِّیَاسَةُ

(اَلْمُنْجِدُ)

اس لغوی تحقیق کی روشنی میں "محکمات" سے مراد وہ آیات ہوں گی جو دلائل سے ثابت شدہ ہوں۔ مفصل ہوں جن میں اللہ نے اپنی مشیت کی تفصیل پیش کی ہو جن میں علم فلسفہ اور عدل ہو اور جن پہ عمل کرنے کا لازمی نتیجہ تَمَکُّنٌ فِی الْاَرْضِ ہو۔

مثالیں اللہ نے بار بار فرمایا ہے کہ قانون شکن اور مجرم اقوام دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتیں اور اس سلسلے میں فرعون و نمرود، عاد و ثمود اور چند دیگر تباہ شدہ اقوام کا متعدد

مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ حکومتِ ارضی نیابتِ الٰہیہ کا دوسرا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ ایک بداخلاق قوم کو کبھی اپنا نائب نہیں بناتا۔

علمائے مغرب نے صدیوں کی تلاش و تحقیق کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ ارض و سما کی آفرینش سے پہلے فضا میں صرف دھواں تھا یعنی مختلف عناصر غبار و دخان کی صورت میں ہر سو اڑ رہے تھے۔ پھر اللہ نے چاہا کہ یہ ذرات شمس و قمر اور ارض و مشتری کی صورت اختیار کر لیں۔ چنانچہ وہ ستارے بن کر اپنی اپنی مداروں پر گھومنے لگے۔ صاحب القرآن علمائے مغرب کے ان نتائج پر یوں مہر تصدیق ثبت کرتا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔

(پھر اللہ نے تخلیقِ سما کا ارادہ کیا۔ اس وقت کائنات میں صرف دھواں ہی دھواں تھا۔ اللہ نے ارض و سما سے کہا کہ آؤ طوعاً یا کرھاً اپنا کام شروع کرو۔ ہر دو نے جواب دیا کہ ہم فرمانبردار غلاموں کی طرح حاضر ہیں)

یہ اور اس قسم کی سینکڑوں دیگر آیات کو علومِ جدیدہ نے آج محکم مفصل اور مبرہن بنا دیا ہے۔

متشابہات متشابہات کے متعلق ایک حدیث ملتی ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ متشابہات کی تفصیل اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس لئے کہ انکشافاتِ جدیدہ سینکڑوں ایسی آیات کو محکم بنا چکے ہیں جو کل تک متشابہ تھیں مثلاً فرعون غرق ہوا تو اللہ نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً

(آج ہم تیرے بدن کو بچا کر رکھیں گے تاکہ تو آنے والی نسلوں کے لئے ایک سبق بن جائے)

تیرہ سو برس تک ہمارے مفسرین حیران رہے کہ یہ "بدن کو بچانے" کا مطلب کیا ہے۔ اس صدی کے ربعِ اوّل میں جب فرعون کی لاش برآمد ہوئی تو یہ متشابہ آیت بھی محکمات میں داخل ہو گئی۔

لغوی لحاظ سے متشابہ کے معنی ہیں:

اِشْتَبَهَ: خَفِيَ، وَالْتَبَسَ۔ شَکَّ (مخفی، مشکوک اور غیر یقینی ہونا)

شَبَّهَ: اَشْکَلَ (مشکل ہونا)

نہ صرف قرآن میں بلکہ اس کائنات میں بھی لاکھوں حقائق ہماری نگاہوں سے مخفی (متشابہ) ہیں۔ آج سے سو سال پہلے کسے معلوم تھا کہ ایتھر کیا ہے۔ رنگ کی حقیقت کیا ہے۔ عناصر کی تعداد کتنی ہے۔ ستارے کتنے ہیں اور ان کی گزرگاہوں کی کیفیت کیا ہے یہ سب سربستہ راز تھے۔ بہ دیگر الفاظ یہ متشابہات تھے جنہیں انسانی تحقیق و جستجو نے محکم بنا دیا۔

علمائے مغرب نے کہا، فضا میں کروڑوں شاہراہیں موجود ہیں جن پہ یہ کروڑوں آفتاب و مہتاب سرگرمِ سفر ہیں۔ اللہ نے فرمایا:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ | ان بلندیوں کی قسم جن میں شاہراہوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔

حکمائے فرنگ نے کہا، اس زمین پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جب اس میں پہاڑوں کا سلسلہ موجود نہ تھا۔ یہ کم و بیش دس ہزار فٹ گہرے پانی میں از سرتا پا ڈوبی ہوئی تھی اور ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ | ایک ایسا وقت گزر چکا ہے کہ اللہ کا تخت صرف پانی پر بچھا ہوا تھا۔

طبیعین یورپ نے کہا کہ پودوں میں بعض نر ہوتے ہیں اور بعض مادہ۔ نر و مادہ میں سے کسی ایک کو ختم کر دیا جائے تو نباتات کی نشو و نما رک جائے اور ساتھ ہی زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائے اور اللہ نے اعلان کیا:

وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ | زمین نر و مادہ کے مکمل جوڑے پیدا کرتی ہے۔

سر جیمز جینز فرماتے ہیں کہ فلکیات میں مکمل چالیس برس تک غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جس طرح ایک مصنف کو سمجھنے کے لئے اسکی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے اسی طرح اللہ کو سمجھنے کیلئے اس کی کتاب یعنی صحیفۂ فطرت میں غور کرنا لازمی ہے۔ ہم اللہ کی محیر العقول صناعیوں میں جوں جوں غور کرتے ہیں، اسکی عظمت و حکمت سے پردے اٹھتے جاتے ہیں وہ افقِ نگاہ کے قریب آتا معلوم ہوتا ہے۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى۔ اور جب زیادہ قریب آجاتا ہے تو قلب و نظر اس کی بے کراں عظمتوں کے سامنے سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ ہمالہ دور سے ایک ٹیلہ معلوم ہوتا ہے لیکن وہ قریب سے شیروں کے کلیجے دھڑکا دیتا ہے۔ جہالت وہ مسافت ہے جو خدا و انسان میں حائل ہو تو خدا چھوٹا دکھائی دیتا ہے۔ اور علم وہ نردبان ہے جو ہمیں جوارِ قدس میں پہنچا دیتا ہے۔ قریب پہنچ کر ہم اللہ کے عظمت و جلال سے سہم جاتے ہیں۔ بدیگر الفاظ اللہ سے ڈرنے کا امتیاز ایک صاحبِ علم کو ہو سکتا ہے یہ تو تھا سر جیمز کا خیال۔ اب ذرا اللہ کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ
اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

وہ دیکھو پہاڑوں کے سینے میں سرخ و سفید اور سیاہ معادن کے طبقات . .

یاد رکھو کہ اللہ سے صرف اہل علم ہی ڈر سکتے ہیں)

ان تفاصیل کا ملخص یہ ہے کہ قرآن کی سینکڑوں آیات، آج سے سو سال پہلے متشابہ تھیں لیکن اب وُہ محکم بن چکی ہیں۔ متشابہات دراصل وُہ سربستہ حقائق ہیں جن کو صرف علم بے حجاب کر سکتا ہے۔ علم سے مُراد مُلّا کا علم نہیں کہ وُہ صرف ڈھیلے حلوے اور مُرغے تک محدود ہے بلکہ فطرت کا وُہ بے پناہ علم ہے جس کے انتہائی ادارے صرف زمینِ فرنگ میں مِلتے ہیں۔

ہر چند کہ انکشافاتِ تازہ نے بعض آیات کو حل کر دیا ہے لیکن اس قرآنِ عظیم میں سینکڑوں ایسی آیات موجود ہیں جو ہنوز راز ہیں اور نہ جانے کب تک رہیں گی مثلاً:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔

(اللہ نے تمہیں ماؤں کے بطن سے پیدا کیا۔ یہ ایک تخلیق تھی ایک اور تخلیق کے بعد تین اندھیروں میں)

تکوینِ جنین پر مشرق و مغرب کا سارا لٹریچر پڑھ جائیے۔ خط کشیدہ حصص کی تفسیر کہیں نہیں ملے گی۔ امریکہ سے حال ہی میں میرے ایک دوست واپس آئے ہیں جنہیں حیاتیات سے بہت دلچسپی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ امریکہ میں ایک ماہرِ حیات نے اس حقیقت کو پا لیا ہے کہ جو خلیے جنین کی تعمیر کرتے ہیں وُہ تین حصوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک حصّہ کمر تک۔ دوسرا کمر سے گردن تک اور تیسرا سر تیار کرتا ہے۔ ان تینوں گروہوں کے درمیان دیواریں (LAYERS) حائل کر دی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ تین اندھیروں سے مُراد یہ تین دیواریں ہوں۔

اسی طرح "سبع سموات" ایک راز ہے محققینِ مغرب نے تاحال خلا میں صرف تین ایسی شفاف دیواریں دریافت کی ہیں جن میں سے ایک بجلی کی لہروں کو، دوسری آواز کو اور تیسری وائلٹ شعاعوں کے اس زہریلے سیلاب کو روکتی ہے جو یہاں سے چند سو میل اوپر آتش فشاں پہاڑوں کے لاوے کی طرح کھول رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس شفاف دیواریں کوئی شگاف کر دے تو سطحِ زمین سے زندگی صرف ایک لمحے میں ختم ہو جائے۔

یہ راز کب حل ہوں گے۔ کوئی نہیں جانتا۔ علم بڑھ رہا ہے۔ ہر روز تازہ انکشافات ہو رہے ہیں اور ایک ایسا زمانہ آکر رہے گا جب قرآنِ عظیم کی تمام متشابہات محکمات میں بدل جائیں گی۔

جو آیات ہمیں اس وقت متشابہات معلوم ہوتی ہیں۔ وہ ہماری کم علمی کی وجہ سے راز بنی ہوئی ہیں۔ جس طرح ایک ادیب کے لئے ریاضی کے انتہائی فارمولے اور ایک مُلّا کے لئے موسیقی کا زیر و بم متشابہات میں سے ہیں اور ایک ریاضی دان یا مغنّی کے لئے وہ محکمات ہیں، اسی طرح قرآن عظیم کے بعض حقائق ہمارے لئے متشابہات ہیں۔ ورنہ دراصل وہ ایسے محکمات ہیں جنہیں علم کی نگہ رسا کسی نہ کسی وقت دیکھ ہی لے گی۔

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔

(دراصل قرآن کی آیات وہ حقائقِ ثابتہ (محکمات) ہیں جن کی تفصیل ربِ حکمت و دانش کے پاس موجود ہے)

ام الکتاب کی تشریح بطلیموس کا نظامِ فلکی غلط تھا یا صحیح، ہم نہیں جانتے۔ البتہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان تمام نظاموں کی ماں تھا جو بعد میں مرتب ہوئے۔ آج ڈارون کے

نظریۂ ارتقاء میں کافی ردوبدل کیا جا چکا ہے لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اس کا نظریہ دیگر تمام نظریاتِ ارتقاء کا باوا آدم تھا۔ اگر ڈارون یہ اچھوتا خیال پیش نہ کرتا تو شاید دیگر محققین کی توجہ ابھی تک اس مسئلے کی طرف مبذول ہی نہ ہوتی۔ حکیم ہیپری ہس نظریۂ سال و ماہ، دیمقراطیس نظریۂ اجزائے لایتجزیٰ اور ہرکلائیس نظریۂ گردشِ ارض کا مفسرِ اول تھا اور ان کے نظریات ان اصنافِ علوم میں امہات المسائل تھے۔

علمی دنیا سے ذرا اخلاقی دنیا میں آیئے اور اردگرد کے لوگوں سے پوچھئے کہ کیا واقعی جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے اقوام تباہ ہو جاتی ہیں؟ ہر شخص یہی جواب دے گا کہ اجی حضرت! عقل کے ناخن لیجئے۔ بھلا حرام اور جھوٹ کا قومی بقا سے کیا تعلق؟ انہیں کون سمجھائے کہ آدم سے لے کر اب تک دنیا کی ہزارہا اقوام صرف انہیں دو رذائل کی وجہ سے تباہ ہوئی ہیں۔ یہ دو رذائل امہات القبائح ہیں اور اپنے جلو میں بیسیوں دیگر خبائث لاتی ہیں۔ یا یہ تصور کہ ایمان و عمل سے دنیا کی سلطنت حاصل ہوتی ہے نہایت انوکھا تصور ہے۔ ان تمام نظریات و تصورات کو اللہ نے قرآن میں تفصیلاً پیش فرمایا ہے اور یہ نظریات نہایت بنیادی، قومی بقا کے لئے لازمی اور بالفاظِ قرآن ام الکتاب ہیں۔

قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل نظریاتِ جدیدہ کے متعلق مفصل یا مجمل اشارات ملتے ہیں:

۱۔ نظریۂ ارتقاء

۲۔ نظریۂ ذرات (الیکٹرون۔ ایٹم۔ مالیکیول)

۳۔ نظریۂ گردشِ ارض

۴۔ نظریۂ گردشِ آفتاب

۵۔ نظریۂ ازواجِ نباتات

۶۔ نظریۂ بقائے اصلح

۷۔ نظریۂ ایثر

۸۔ نظریۂ حیات بعد الموت

۹۔ نظریۂ موت در حیات (یعنی خواب)

۱۰۔ نظریۂ مسرّت والم

اور بیسیوں دیگر نظریئے۔ اگر آج ہرشل نے سورج کو متحرک ثابت کیا ہے تو اس نے کوئی خاص تیر نہیں چلایا۔ اس لیئے کہ اس نظریہ کا ذکر قرآن میں موجود تھا۔ یہی حال دیگر محققین کا ہے الہامی صحائف یا قرآن کے ذکر کردہ مسائل و تصورات ہی وہ بنیادیں تھیں جن پہ بعد میں علم نے سر بفلک تعمیریں اٹھائیں۔

تاویل قرآن میں ایمانیات و مابعد الطبیعیات کے متعلق بعض ایسی آیات ملتی ہیں جن کی مختلف تاویلیں ہو سکتی ہیں اور اگر مأوّل کی نیت بخیر نہ ہو تو بڑے بڑے فتنے اٹھائے جا سکتے ہیں۔ "خاتم النبیّین" کی غلط تاویل نے آج تک نوّے جھوٹے نبی پیدا کئے ہیں۔

......آیۃ لاولی الالباب...... کی غیر قرآنی تفسیر سے معتزلوں نے جنم لیا یغفر الذنوب جمیعاً سے مرجئہ ــــــ ولہ الاسماء الحسنیٰ سے معلومیہ ــــــ وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ سے جبریہ ــــــ ومن شاء فلیومن کی غلط تاویل سے قدریہ پیدا ہوئے اور ان فرقوں نے ہماری ملی بنیان مرصوص میں کتنے بڑے بڑے شگاف ڈالے۔ مؤرخ سے پوچھئے۔

ماحصل سطورِ بالا کا ماحصل یہ ہوا:

۱۔ کہ ارتقائے علم کے ساتھ متشابہات محکمات میں تبدیل ہو رہے ہیں۔

۲۔ کہ قرآن کے بیان کردہ حقائق وہ بنیادیں (ام الکتاب) ہیں جن پہ علم نے سر بفلک محل اٹھائے۔

۳۔ متشابہات میں غلط تاویل کی بھی گنجائش ہوتی ہے اور اس سے بڑے بڑے فتنے اٹھائے جا سکتے ہیں۔

ان تفاصیل کے بعد آیۂ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

(اللہ نے تمہیں ایک ایسی کتاب دی جس کی بعض آیات محکم ہیں اور وہی ام الکتاب ہیں۔ کچھ متشابہات بھی ہیں جن کی غلط تاویل سے بدنیت فتنے اٹھاتے ہیں۔ ان متشابہات کی صحیح تفسیر یا تو اللہ جانتا ہے اور یا وہ لوگ (جانیں گے یعلم مضارع ہے اور حال و مستقبل دونوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ برق) جو عظیم علم (راسخون فی العلم) کے مالک ہیں۔ یہ لوگ حقائق پہ یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سچائیوں کا سرچشمہ خدا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ محکمات ہوں یا متشابہات ان سے فائدہ صرف اہلِ دانش ہی اٹھا سکتے ہیں)

(۴)

اختلاف لیل و نہار

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ

زمین و آسمان کی تخلیق، لیل و نہار کے اختلاف اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں

وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ ..... لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ٥ (بقرہ ۱۶۴) | عقل مندوں کے لئے اسباق موجود ہیں۔

اختلافِ لیل و نہار بہت بڑی رحمت ہے۔ سورج کے قرب و بعد سے ایک ہی وقت میں کہیں سردی کہیں گرمی، کہیں بہار اور کہیں برسات ہوتی ہے۔ اگر آپ گرمیوں میں افریقہ کی گرمی سے گھبرا اٹھیں تو یورپ کے کسی حصے میں چلے جائیں اور اگر سردیوں میں روس کی برف ستائے تو ہندوستان یا آسٹریلیا میں آجائیے۔

اگر دنیا میں ہمیشہ ایک جیسا موسم رہتا تو تنوع پسند انسان اس یک رنگی سے گھبرا اٹھتا اور اگر سورج ایک مقام پر ٹھہر جاتا تو بعض ممالک شدتِ سرما اور بعض دیگر شدتِ گرما سے ہلاک ہو جاتے۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (مزمل ۲۰) | اللہ نے شب و روز کی آمد و رفت ایک خاص انداز سے مقرر کر رکھی ہے۔

سیب سردیوں میں اور خربوزہ گرمیوں میں پکتا ہے۔ اگر دنیا میں ہمیشہ سردی رہتی تو انسان تمام گرمائی غذاؤں اور میووں سے محروم رہ جاتے۔ حرکتِ آفتاب کی وجہ سے تقریباً ہر مقام پر گرمی و سردی کی برابر برابر تقسیم ہوتی رہتی ہے اس لئے ہر جگہ ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (رحمٰن ۵) | سورج اور چاند ایک حساب سے چلتے ہیں۔

آفتاب غروب نہیں ہوتا بلکہ ایک حصۂ ارضی سے مخفی ہو کر ایک اور حصے پر طلوع ہو جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کے کسی نہ کسی حصے پر ہر وقت صبح کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

مدراس کی صبح چند دقیقوں کے بعد دہلی، پھر پشاور، پھر ایران، پھر عرب، پھر افریقہ اور پھر اوقیانوس کو عبور کر کے امریکہ جا پہنچتی ہے۔ جب مدراس میں شام کے ۲۲-۵ ہوں تو

اس وقت میکسیکو میں صبح کے ۲۰-۵ لندن میں دوپہر، سنگھائی میں شام کے ۶-۷ اور مصر میں ۴-۲ (بعد از دوپہر) کا وقت ہوتا ہے۔ آسٹریلیا میں لوگ محوِ خواب اور اہلِ برلون دپہر کے کھانے کی تیاریاں کر رہے ہوتے ہیں۔ جب جزائر کالیفورنیا میں سورج ڈوب رہا ہو تو مصر میں نِکل رہا ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ پہلے خلیج فارس، دو گھنٹے پہلے افغانستان، تین گھنٹے پہلے جنوبی بحر ہند، چار گھنٹے پہلے سرحد چین، پانچ گھنٹے پہلے وسطِ چین، چھ گھنٹے پہلے دریائے زرد، سات گھنٹے پہلے جاپان، آٹھ گھنٹے پہلے آسٹریلیا، نو گھنٹے پہلے لیڈونیا دس گھنٹے پہلے جزائر ملاجین، گیارہ گھنٹے پہلے جزائر سنڈدیش اور بارہ گھنٹے پہلے جزائر کالیفورنیا میں طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔

یہ موسموں کا تغیر و تبدل اور اختلافِ لیل و نہار اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے کہ وہ ۲۱ جون کے گرم دِن کو دو سال لمبا کر دے، یا ۲۱ دسمبر کی ٹھنڈی رات کو چھ سال کے برابر بنا دے۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ جون کا لمبا دن کائنات میں آگ لگا دے گا اور ۲۱ دسمبر کی سرد رات حیوانات و نباتات کی عروق میں خونِ حیات کو منجمد کر دے گی اور ہر دو حالتوں میں زندگی کے آثار کلیتہً مٹ جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا

غور کرو کہ اگر ہم رات کو قیامت تک لمبا کر دیں تو اللہ کے سوا اور کون تمہیں روشنی کی دولت عطا کر سکے گا۔ کیا تم سنتے نہیں؟ نیز سوچو اگر ہم دن کا دامن قیامت کے دامن سے باندھ دیں تو کوئی ہے جو تمہاری راحت کے لئے رات کا انتظام کر سکے؟ کیا تم دیکھتے نہیں؟ رات اور دن اللہ کی رحمت ہیں تاکہ تم رات کو آرام کرو۔ دن کے وقت اس کا

فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ (قصص ۱/۷۳)	فضل (علم و دولت) ڈھونڈو اور اللہ کا شکر کرو۔

(۵)

ہواؤں کا ہیر پھیر ہواؤں کا سمت بدل بدل کر چلنا بھی الٰہی رحمت ہے، تاکہ بادلوں کے قافلے دُنیا کے ہر حصّے تک پہنچائے جاسکیں۔ ہوا بادلوں کی سواری ہے اور اگر کسی وقت ہوائیں تھم جائیں تو بجلی بادلوں کو ہانک سکتی ہے۔

بعض اوقات ہواؤں کی رفتار ایک سو بیس میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ آندھیاں درختوں سے پھل اور جوہڑوں سے مینڈک اڑا کر بعض دیگر خطّوں پر جا برساتی ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ آسمان سے پھل یا مینڈک برس رہے ہیں۔

بادل زمین سے سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہوتا ہے۔ اگر زیادہ قریب ہوتا تو نمی کی وجہ سے ہماری ہر چیز بھیگی رہتی۔ اور اگر بہت دُور ہوتا تو جب اولے برستے تو ہماری چھتوں کو چیر کر نکل جاتے۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے پرخچے اڑ جاتے اور مویشی ہلاک ہو جاتے۔ (قانونِ انسداد کی تفصیل سورۂ فیل کے ضمن میں آئے گی)

علاوہ ازیں اگر بہت دُوری کی وجہ سے بادل ہمیں نظر نہ آتے تو بارش، برف اور اولے ہمیں اچانک آ لیتے۔ زمیندار کی شش ماہہ محنت کھلیان ہی پر برباد ہو جاتی اور انسانی دُنیا کو بہت نقصان پہنچتا۔

اگر تمام حصصِ عالم پر مساوی بارش ہوتی تو ہر جگہ جنگل اُگ آتے۔ سانپ اور دیگر زہریلے جانوروں کی تعداد بڑھ جاتی۔ رات کو مینڈک کے شور سے لمحہ بھر چین نصیب نہ ہوتا۔ بہت زیادہ سرسبزی کی وجہ سے انسان مناظرِ کائنات سے متنفر ہو جاتا۔ کاشت کی زمین

پندرہواں باب

قرآن سے متصادم احادیث

بخاری و مسلم میں ایسی احادیث کی کمی نہیں جو قرآن سے متصادم ہوتی ہیں۔ مثلاً قرآن میں مذکور ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ (قرآن)	ہم نے انسان کو صحیح راہ دکھا دی ہے اب وہ چاہے تو سیدھا راستہ اختیار کرے یا اُلٹا۔
مَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (قرآن)	جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔
اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ (قرآن)	آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔ آپ ان پہ داروغہ نہیں لگائے گئے۔
لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (قرآن)	کیا اس فکر میں تم خودکشی کرو گے کہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟
لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔	دین میں کوئی جبر نہیں۔

ایک حاکم کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہ اپنی قلمرو میں امن قائم کرنے

کے لیے جرائم کا استیصال کرے۔ اگر کسی سلطنت میں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہوں۔ کسی عورت کی عصمت محفوظ نہ ہو اور بات بات پہ قتل ہوتے ہوں، تو وہاں امن قائم نہیں ہو سکتا اور فرمانروا کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ رعایا کی جان، مال و عزت کی حفاظت کرے۔ اس کو انگریزی زبان میں (TO ENFORCE LAW AND ORDER) کہتے ہیں۔ یعنی ملک میں تلوار کے زور سے قانون نافذ کرنا امن کی خاطر چند قوانین کو بزور شمشیر اپنی سلطنت میں نافذ کرنا الگ چیز ہے۔ اور کسی کو بہ جبر مسلمان بنانا الگ۔ انگریز اپنے دورِ حکومت میں قانون کا احترام کرانے کے لیے ہر قسم کی سختی کرتے رہے لیکن کسی گورنر نے ہمیں عیسائی بننے کے لیے کبھی مجبور نہیں کیا تھا اس نازک فرق کو سمجھنے کے بعد اب یہ آیت پڑھیے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ	تم کفار سے اس وقت تک لڑو جب تک بدامنی ختم نہ ہو جائے اور ہمارا قانون قلمرو میں نافذ نہ ہو جائے۔
(قرآن)	

مطلب یہ کہ دین کے دو معنی ہیں اوّل۔ سارا ضابطہ اسلامی۔ دوم اس ضابطہ کا وہ حصہ جس کا نفاذ قلمرو میں قیام امن کے لیے ضروری ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ میں دین سے مراد سارا قرآن ہے۔ اور دوسری آیت میں وہ حصہ جو قیام امن کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے ان آیات میں کوئی تضاد نہیں۔

اب یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

اُمِرتُ ان اقاتل النّاس حتیٰ یشھدوا ان لآ الٰہ الّا اللّٰہ وانّ محمد الرسول اللّٰہ ویقیموا الصلوٰۃ ویوتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذٰلک عصموا منی اموالھم ودماءھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللّٰہ

(بخاری ج ۱ صٓ)

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ خدا کو ایک مان کر میری رسالت کا اقرار نہ کریں اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند نہ ہو جائیں۔ اگر وہ ان باتوں کو مان لیں تو پھر میں اُن کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ ہاں جان و مال میں اللہ کے حقوق کسی طرح ساقط نہیں ہونگے۔

یہ حدیث کئی طرح سے محل نظر ہے:

اوّل۔ قرآن حکیم نے بدامنی کے روکنے اور مظالم کے انسداد کے لیے جہاد کا حکم دیا ہے۔ نہ کہ قرآن کی تعلیم زبردستی منوانے کے لیے۔ قرآن میں بار بار یہی حکم دیا گیا ہے کہ ظالموں، بدعہدوں اور فتنہ پردازوں سے لڑو۔ لیکن اگر مندرجہ ذیل چار صورتوں میں سے کوئی پیدا ہو جائے تو جنگ ختم کردو:

اوّل۔ جب فتنہ اور بدامنی ختم ہو جائے۔

دوم۔ جب دشمن سے صلح ہو جائے۔

وَاِن جَنَحُوا لِلسَّلمِ فَاجنَح لَہَا۔ (قرآن)

اگر وہ صلح چاہیں، تو اُن سے صلح کر لو۔

سوم۔ جب وہ جزیہ دینے پہ راضی ہو جائے۔

...... حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ — یہاں تک کہ وہ ہار مان کر جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں۔

چہارم۔ جب وہ اسلام قبول کر لے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (قرآن) — اور اگر وہ توبہ کرنے کے بعد صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند ہو جائیں تو پھر اُن کے راستے سے ہٹ جاؤ۔

سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں مشرکین کے خلاف اعلانِ جنگ کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی، کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ بلکہ یہ کہ انھوں نے تمام معاہدات توڑ دیئے تھے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ ..... الخ (سورۂ توبہ) — تم اُن مشرکین سے کیوں جنگ نہیں کرتے، جنھوں نے سارے معاہدات توڑ ڈالے ہیں۔

اور جن مشرکین نے معاہدات کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ اُن کے متعلق کہا گیا۔

..... فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ۔ — کہ تم بھی اُن معاہدوں کو پورا کرو۔

اور ساتھ ہی یہ رعایت دی گئی۔ کہ

"اگر کوئی مشرک تمھارے ہاں پناہ لینے آئے، تو انکار نہ کرو"۔ (توبہ)

چونکہ یہ حدیث لوگوں کو بہ جبر مسلمان بنانے کے لیے جہاد کا حکم دیتی

ہے۔ اور قرآن کی تعلیم سے متصادم ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی صحت مشتبہ ہے۔

دوم۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبل کو اہل بحرین سے جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا (بخاری ج ۲ ص۱۳۱) حالانکہ وہ لوگ غیر مسلم تھے۔ اور اس حدیث کی رُو سے اُن کے خلاف جہاد کرنا چاہیے تھا۔

سوم۔ حضور علیہ السلام نے جنگ خیبر میں حضرت علی سے فرمایا تھا کہ

ثم ادعھم الی الاسلام ان یھدی بک رجلا خیر لک من حمر النعم۔ (بخاری ج ۲ ص۱۱۳)	اور پھر تم انھیں اسلام کی طرف دعوت دو اور یاد رکھو کہ ایک انسان کا ہدایت پا جانا تمھارے لیے سُرخ اونٹ سے بہتر ہے۔

یہ نہیں فرمایا کہ غیر مسلم کو قتل کر دو۔ اور جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے۔ جنگ جاری رکھو۔

چہارم۔ موطا میں مذکور ہے۔

"ایک اعرابی نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور پھر کہنے لگا میں بیعت کو توڑتا ہوں۔ تین مرتبہ یہی التجا دہرائی لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد وہ اُٹھ کر چلا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے۔ جہاں خالص دھات باقی رہ جاتی ہے۔ اور کثافت نکل جاتی ہے۔" (موطا ص۳۵۹)

اِس موقع پر حضورؐ نے اس مرتد سے جنگ نہیں کی۔ بلکہ خاموش رہے ہے۔ جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں کسی کا مذہب بہ جبر تبدیل کرنے کی کوئی ہدایت موجود نہیں۔ اور اِس لیے حدیث زیرِ نظر وضعی ہے۔

اور یہ حدیث بھی۔

من بدّل دینہ فاقتلوہ۔ (بخاری ج ۲ ص۱۱۳) کہ جو شخص اسلام چھوڑ جائے اُسے مار ڈالو۔

سولھواں باب

غلامی اور اسلام

لارڈ ہیڈلے فاروق جب مسلمان ہوئے، تو آپ نے انگلستان کی مسجد میں اسلام پر ایک تقریر کی جس میں اسلام کی خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں کہا:

"قرآن میں ایک نقص بھی ہے کہ وہ حکومت کرنے کے تو سب گر بتاتا ہے۔ لیکن یہ گر نہیں بتاتا کہ اگر مسلمان غلام ہو جائے تو وہ کیا کرے۔ سارے قرآن میں غلام مسلمان کے لیے ایک بھی ہدایت موجود نہیں"۔

بدیگر الفاظ لارڈ فاروق یہ کہہ گئے کہ قرآن جہانبانوں کا دستور العمل ہے، نہ کہ غلاموں کا۔ اور اس مقدس کتاب پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ آقائی و فرمانروائی ہے۔ لارڈ فاروق کی تائید میں سارا قرآن پیش کیا جا سکتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	ہم اُن اہل ایمان سے جن کے اعمال صالح
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْكُمْ	(حکومت کی صلاحیت پیدا کرنے والے) ہوں
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انھیں سلطنت دینگے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ (قرآن)

ہم نے قانونِ زندگی کی تفصیل کے بعد (داؤدؑ کی کتاب) زبور میں لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے وہ بندے ہوں گے جن کے اعمال صالح ہوں گے

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ (قرآن)

اگر تمہارا ایمان قائم رہا تو تم ہی سربلند رہو گے۔

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ۔ (قرآن)

اللہ جسے چاہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے لیکن عاقبت کار فتح اہلِ تقویٰ کو ہُوا کرتی ہے۔

وَاللَّهُ يَدْعُوا إِلَى دَارِ السَّلَامِ (قرآن)

خدا ایک ایسی زندگی کی طرف دعوت دیتا ہے جس میں خوف نہ ہو۔

یعنی غلامی کا خوف۔ بھوک کا خوف، گناہ کا خوف اور احتیاج کا خوف۔

إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (قرآن)

اللہ کی جماعت دنیا میں یقیناً غالب رہے گی۔

کہاں تک لکھوں، اس مضمون پہ دس بیس نہیں سینکڑوں آیات موجود ہیں۔ قرآن کی یہی وہ تعلیم تھی۔ جس سے ہمارے دشمن خوف کھایا کرتے تھے۔ عصرِ حاضر کا مشہور مصنّف۔ ایچ۔ جی۔ ویلز اپنی کتاب "تاریخ الاقوام" میں لکھتا ہے۔

"گو اس وقت دنیا کے مسلمان بھوکے۔ پراگندہ۔ جاہل اور سخت کمزور ہیں۔ لیکن ان کے پاس ایک زبردست انقلابی کتاب موجود ہے۔ جو انھیں کسی وقت بھی نئی زندگی دے کر دنیا کی خوفناک طاقت بنا سکتی ہے"۔ .... ملخص

اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم ہمارا شکار کھیل رہی ہے۔ ہمیں خریدنے کے لیے روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے ہمیں کچلنے کے لیے گہرے منصوبے باندھے جاتے ہیں۔ ہمیں سُلانے کے لیے مؤثر مسکرات تیار کیے جاتے ہیں۔ اور ہمیں اس منبع قوت و ہیبت یعنی قرآن سے دُور رکھنے کے لیے مختلف وسائل اختیار کیے جاتے ہیں۔ انگریز نے اپنی حکومت میں اُس زبان ہی کو ختم کر دیا۔ جس میں قرآن لکھا ہوا تھا۔ تسبیح و قوالی والے پیروں کو ہم پہ مسلّط کر دیا۔ اہل دل کو نظر بند کر دیا۔ اور جاہل واعظین کو چھٹی دے دی۔ کہ دیہات میں پھر پھر کر ہمارے عقائد کا حلیہ بگاڑتے پھریں اور یہ قدم صرف انگریزوں ہی نے نہیں اُٹھایا تھا۔ بلکہ آج سے تیرہ سو برس پہلے شہنشاہانِ روما بھی اسی قسم کے وسائل سے کام لیتے تھے۔ اُنھوں نے بے شمار علما خرید رکھے تھے۔ جن کا کام احادیث تراشنی تھا۔ تاکہ مسلمان قرآن سے کٹ کر اس نئے اسلام کا گرویدہ ہو جائے۔ اور آئے دن حملوں سے اُن کی جان چھوٹ جائے۔ حدیث ذیل کچھ ایسے ہی حالات کی پیداوار معلوم ہوتی ہے۔

للعبد الصالح المملوکُ ایک نیک غلام دگنے اجر کا مستحق ہے

اجوان والذی نفسی بیدہٖ لولا الجہاد فی سبیل اللہ و الحج ...... لاحببت ان اموت وانا مملوک۔

اللہ کی قسم اگر جہاد و حج مانع نہ ہوتے تو میں موت تک غلام رہنا پسند کرتا۔
(بخاری ج ۲ صـ۲۱)

تو گویا حدیث یہ کہہ رہی ہے۔ کہ بہترین زندگی دوسروں کی غلامی ہے۔ یعنی اُن کے پنکھے کھینچنا۔ لکڑیاں کاٹنا۔ بوجھ اُٹھانا۔ پانی بھرنا اور ہل جوتنا۔

اِن غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!
(اقبالؒ)

ا؎ یہ لفظ پڑھ نہ سکا۔

سترہواں باب

تقدیر

تقدیر کا ماخذ ہے " قدر " جس کے معنی ہیں تولنا۔ ناپنا معین کرنا۔
... اللہ نے تخلیق اعمال کے بعد ہر عمل کو تولا، ناپا اور ایک صلہ ہمیشہ کے لیے معین کر دیا۔ جو اس عمل سے کسی صورت میں بھی علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر زمانے میں کاہلی کا نتیجہ ناکامی۔ محنت کا کامیابی۔ بد اعمالی کا رسوائی۔ جہالت کا ذلت۔ علم کا عزت۔ عبادت کا پاکیزگی۔ اور بلند کردار کا رفعت رہا ہے۔ یہ نتائج کسی قوم۔ کسی عقیدے۔ کسی دعا۔ کسی منتر۔ کسی چلّے۔ یا کسی عبادت کی وجہ سے نہ آج تک بدلے نہ آئندہ بدلیں گے۔ انسان اعمال کے انتخاب میں آزاد ہے۔ وہ چاہے تو شریف بنے یا شریر محنتی بنے یا کاہل۔ لیکن نتائج بھگتنے پر مجبور ہے۔ یہی " تقدیر " ہے۔ اور اسی کا نام " قضائے الٰہی " ہے۔ انسان اپنی تقدیر کا معمار خود ہے۔ وہ صرف اپنی کوششوں کا پھل پاتا۔ اور اپنی تباہ کاریوں سے نقصان اُٹھاتا ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی — انسان کو صرف اپنی کوششوں کا پھل

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى — ملتا ہے۔ اور اس کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔
(قرآن)

اِنَّا لَا نُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ — ہم کسی محنتی مرد یا عورت کی محنت کبھی برباد نہیں جانے دیتے۔

اس مضمون پہ قرآن میں بیسیوں آیات موجود ہیں۔ اور نوع انسانی کی ہزار ہا سالہ تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ دنیا دار المکافات ہے، جہاں صرف اپنی محنت کام آتی ہے۔ اور بے عمل، بدعمل، کاہل اور سہل انگار افراد و اقوام کا انجام ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

ہمارا اپنا مشاہدہ بھی یہی ہے کہ ایک نکما طالب العلم آج تک کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔ ایک بدکار کبھی معزز نہیں بن سکا۔ ایک چرسی اور افیونی کبھی عمدہ صحت کی لذت سے آشنا نہیں ہو سکا۔ اور ایک بزدل فوج کبھی میدان نہ جیت سکی۔ الغرض قرآن، تاریخ اور مشاہدہ بہ بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ انسان انتخاب اعمال میں آزاد ہے۔ لیکن نتائج اعمال برداشت کرنے پہ مجبور ہے۔ ہر قوم کی تقدیر خود اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو بلند اعمال کی بدولت دنیا کی مالک بن جائے اور چاہے تو پست کرداری کی وجہ سے جہاں بھر میں رسوا ہو جائے ؎

کافر ہے، تو تقدیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے، تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

(اقبال رح)

یہ تھا تقدیر کا قرآنی تخیل۔ اب ذرا "حدیثی تخیل" ملاحظہ ہو:۔

"حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ نطفہ رحم میں پہنچ کر چالیس دن کے بعد منجمد سا خون بنتا ہے۔ پھر وہ لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے کہ جاؤ اور اس لوتھڑے کے اعمال زندگی۔ رزق۔ موت اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ ابھی لکھ لو۔ اور اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے"۔۔۔۔۔۔ الخ (ملخص بخاری ج ۲ ص ۱۳۸)

اس حدیث تراش نے یہ نہ بتایا۔ کہ جب ایک شخص کے اعمال۔ رزق اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی ہو جاتا ہے تو پھر اللہ نے انسانی ہدایت کے لیے اتنے پیغمبر کیوں بھیجے۔ بے شمار اقوام کو غرق کیوں کیا۔ اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا کیوں حکم دیا۔ جب خود اللہ اس کی تقدیر میں چوری لکھ چکا تھا۔ تو پھر یہ غریب اللہ کی تحریر کو کیسے مٹا سکتا تھا۔ اس کی مشیت اور مرضی کے خلاف کیسے جا سکتا تھا۔ ان حالات میں اُسے سزا دینے کا مطلب؟ خود ہی فیصلہ کرنا کہ چوری کرو۔ اور جب وہ اس فیصلے کو عملی شکل دے چکے، تو حکم دے دینا کہ اس کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ عجب مذاق ہے۔ کسی کو ہدایت دے کر جنت میں بھیجنا اور کسی کو گمراہ کر کے جہنم کے حوالے کرنا بے انصافی کی انتہا ہے۔ کسی کو نیک بنا کر تختِ سلطنت پر بٹھانا، اور کسی کو چور بنا کر اس کے سامنے سزا کے لیے پیش کرنا۔ عجب ستم ظریفی ہے۔ یہ سب اُلجھنیں اس لیے

پیدا ہوئیں کہ ہم نے قرآنی تقدیر کو چھوڑ کر حدیثی تقدیر کا تخیّل اپنا لیا اور پھر لگے اتھاہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارنے۔

آج ساری دنیائے اسلام حدیثی تقدیر کے مہلک تصوّر میں گرفتار ہے ہر جگہ پٹ رہی ہے۔ ہر مقام پہ رسوا ہو رہی ہے۔ اور پھر بھی اس حُسن ظن میں مست ہے کہ اللہ کی مرضی یہی تھی۔ مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ اے او مخبوط الحواس! تو اپنی جہالت، کاہلی، کام چوری، غلاظت، بدکرداری اور بدعقیدگی کو خدا کی مرضی بنائے پھرتا ہے۔ خدا کی مرضی کی تفصیل قرآن میں درج ہے، اور تو اُسے دیکھتا نہیں۔ دیکھتا ہے، تو سمجھتا نہیں کیا اللہ نے ایک ہزار سے زیادہ مرتبہ قرآن میں نہیں کہا، کہ بلند اعمال کا صلہ بلند اور پست کا پست ہے۔ یہ خدا کی مرضی کی تفسیر نہیں تو اور کیا ہے؟ اے سوئے ہوئے مسلمان! اُٹھ جاگ۔ اوہام و عقائد کے یہ سنہرے سلاسل توڑ دے اور شمشیرِ عمل ہاتھ میں لے کر آگے بڑھ، کہ مدّت سے دنیا کے میدان تیرا انتظار کر رہے ہیں ؎

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب
صورتِ شمشیر ہے۔ دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں روحِ عمل کا حساب

اٹھارھواں باب

متضاد حیثیت

(پیاری ماں)

مرد اور عورت کے فرائض حیات پہ نظر ڈالی جائے تو عورت بظاہر نہایت دکھیا نظر آتی ہے۔ جب تک وہ بیٹی ہوتی ہے۔ صبح سے شام تک گھر بار کے کام میں مصروف رہتی ہے۔ یہ ہانڈی۔ یہ چکی۔ یہ صفائی، یہ برتن مانجھنا۔ یہ کپڑے دھونا۔ یہ سب کو کھانا کھلانا۔ بستر لگانا وغیرہ وغیرہ۔ کب ساری دنیا کھا پی کے سوئے کہ اس بیچاری کو بھی چند لمحات کے لیے آرام نصیب ہو۔ ماں بنی تو جھمیلے اور بڑھ گئے۔ نو ماہ تک کئی سیر بوجھ پیٹ میں اُٹھائے پھرنا۔ وضع حمل کی چیخیں اور کراہیں۔ دو سال تک بچے کو ہر روز سیروں خون پلانا۔ جاڑے کی راتوں میں بار بار اُٹھ کر بچے کا پیشاب اور پاخانہ دھونا۔ خدا خدا کرکے ایک چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اوپر سے دوسرا آ گیا۔ پھر وہی مصیبتیں۔ وہی دو سال کا نہایت پریشان کن زمانہ۔ گھر کا کام کاج علاوہ۔ بچے کو سنبھالے کہ ہانڈی پکائے۔ جھاڑ پونچھ کرے کہ روٹی تیار کرے۔ پانی بھرے کہ کپڑے دھوئے۔ دودھ

بوٹے کہ برتن مانجھے، ایک جان اور لاکھوں کھیڑے سے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ایک بچے کا پالنا آرام و جان کی بہت بڑی قربانی مانگتا ہے اور یہ مخلص پیکرِ ایثار اور مجسّم محبّت اس مشکل فرض کو اس خندہ پیشانی اور خوبی سے سرانجام دیتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ اس پر لاکھوں تحسینیں قربان کر دی جائیں۔

"ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ چند عورتوں نے آنحضرت صلعم سے کہا۔ کہ آپ کا تمام تر وقت مردوں کی تہذیب و اصلاح میں گذر جاتا ہے۔ اور ہم آپ کے ارشادات سے محروم رہتی ہیں۔ اس لیے ایک دن نکال کر ہمیں بھی مستفید ہونے کا موقع عطا فرمائیے۔ حضورؐ نے یہ التجا منظور فرما لی۔ اور عورتوں کے ایک مجمع کو خطاب کیا۔ دوران تقریر میں فرمایا کہ جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں گے۔ اللہ اُسے نارِ جہنم سے بچا لے گا۔ ایک عورت کہنے لگی اور دو بچوں والی؟ فرمایا دو والی بھی جنت میں جائے گی۔" (بخاری ج ا ص ۲۰)

بالکل درست فرمایا تھا حضورؐ نے سارا قرآن شاہد ہے کہ انسانی خدمت بہت بڑے اجر کی مستحق ہے تو کیا بچوں کی تولید و تربیت انسانی خدمت

بارش کے متعلق یہ تمام انکشافات گزشتہ پچاس برس میں ہوئے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے ۱۳۶۲ برس پہلے معلوم تھے۔ انصافاً کہو کہ قرآن کے الہامی ہونے پر اس سے بڑی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟

از دمِ سیراب آں اُمی لقب لالہ رُست از ریگِ صحرائے عرب

او ولے در پیکرِ آدم نہاد او نقاب از چہرۂ فطرت کشاد (اقبالؒ)

(۱۲)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ (نور ۳۹-۴۰)

گرم ریت پر نچلی ہوا ہلکی ہو جاتی ہے اور اوپر کی بھاری۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر روشنی کی شعاع دو مختلف وسائط (MEDIUM) سے گزرے تو وہ ٹیڑھی ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر ایک لاٹھی کا کچھ حصہ پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ ٹیڑھی نظر آئے گی۔ یہی قانون سراب میں بھی عمل کرتا ہے کہ نگاہ کثیف و لطیف ہوا سے گزر کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے درخت کی چوٹی نیچے اور جڑ اوپر نظر آتی ہے جس سے وہاں پانی ہونے کا دھوکا لگ جاتا ہے۔

اسی طرح اِن سراب کی طرح کفار (جاہ پرست، نفس پرست، غدار، حاسد، غماز، جھوٹے کاہل اور بد اخلاق) کی نگہ بصیرت کج ہو جاتی ہے۔ وہ کسی ایسے مقصد کو جو ان کے شخصی و قومی ارتقا کے لئے تباہ کن ہو مفید سمجھ کر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں نہایت تلخ نتائج کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

صرف الہامی ضابطہ ہی وہ نور ہے جو انسانی آنکھوں کو کج بینی سے بچاتا ہے آج اس دور میں کہ آزاد طبع کی تاریکیاں ہر سو محیط ہیں، نفس پرستی و جاہ طلبی کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور آفتاب ہدایت حجابات گناہ میں مستور ہے۔ کج بینی کا مرض اس قدر جہاں گیر ہو چکا ہے کہ الامان والحذر جسے دیکھو غلط انگاری کا پیکر، اپنی رائے کو تمام مسائل پر، خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، عمرانی ہوں یا اقتصادی، آخری سمجھتا ہے ایک غلام قوم کتنی طرح کی ظلمتوں میں گرفتار ہوتی ہے (۱) تاریکی افکار (۲) تاریکی ماحول (۳) مذہبی و سیاسی رہنماؤں کی غلط تعلیم کی تاریکی۔

ظُلُمٰتٌ م بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط

اگر مہذب دنیا کی اقوام حاضرہ یہ چاہتی ہیں کہ وہ ظلم و سفاکی کی بےپیمانہ ظلمتوں سے نکل کر ایک ایسے مستقبل میں داخل ہوں جہاں ماہتاب الہام کی ملیح کرنیں پیام سکون دے رہی ہوں اور جہاں آسمانی شہنائی کی مست آواز کیف و سرور کا عالم رچا رہی ہو تو اس کی راہ خانہ ساز فسطائیت و مشروطیت نہیں بلکہ وہی عرشی نظام ہے جو خالق فطرت نے انسانی فطرت کو عطا کیا تھا۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

(ترجمہ آیت) کفار کے اعمال سراب بیابان کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھ کر آگے بڑھتا ہے اور وہاں اللہ کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، اللہ اسے فوراً مکافات عمل میں مبتلا کر دیتا ہے یہ اس لئے کہ اللہ حساب میں دیر نہیں لگاتا یا ان کے اعمال ایک مواج سمندر کی ظلمتوں کی طرح ہیں جہاں لہروں پر لہریں اٹھتی ہوں، سیاہ گھٹائیں محیط ہوں، ظلمت در ظلمت کا سماں بندھا ہوا ہو اور اپنا ہاتھ تک نظر نہ آتا ہو۔ سچ ہے جو شخص الہٰی نور کی روشنی ہیں

راہ گرائے منزل نہیں ہوتا وہ بھٹک جاتا ہے۔)

(۱۳)

گو رات کے وقت ہمارا آفتاب غروب ہوجاتا ہے لیکن اس سے ہزاروں گنا بڑے اور زیادہ روشن سورج فضا میں موجود ہوتے ہیں ان کروڑوں آفتابوں کی موجودگی میں سطح زمین پر ظلمت کا چھا جانا الہٰی صناعی کا بہت بڑا معجزہ ہے اگر ظلمت نہ ہوتی تو جہان تمازتِ آفتاب سے کائنات میں آگ بھڑک اٹھتی، دہیں بیداری و بے خوابی سے دماغ پھٹ جاتا۔ بدیگر الفاظ رات اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

جس طرح انجن گاڑیوں کو کھینچتا ہے، اسی طرح سورج کے پیچھے پیچھے اندھیرا آرہا ہوتا ہے گویا سورج ظلمتوں کا بھی قائد ہے۔ ہر نبی کائنات میں آفتاب بن کر آتا ہے اس کے ہمراہ تجلیاں ہوتی ہیں اور جوں ہی وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو دنیائے روح پر اسی طرح تاریکیاں محیط ہوجاتی ہیں جس طرح غروبِ آفتاب کے بعد سطحِ ارضی پر۔

اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ۙ

(فرقان ۴۵)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے غروبِ آفتاب کے بعد زمین کا سایہ کس طرح پھیلا دیا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو رات کو دوامی بنا دے۔ سورج اس سائے (رات) کا قائد ہے۔

(۱۴)

دنیا میں پانی کئی شکلیں بدلتا ہے۔ کہیں منجمد ہے، کہیں مائع، کہیں گیس، کہیں پھلوں کا رس، کہیں تیل، کہیں دودھ، کہیں خون اور کہیں پٹرول ہے۔ جب ہم پانی پیتے ہیں تو وہ خون بن کر رگوں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں سے غلاظتوں کو سمیٹ کر کچھ پھیپھڑوں اور کچھ

گردوں کے راستے باہر نکال دیتا ہے۔ اسی طرح کوہستانی چشمے معادن کے ذخائر ہمراہ لے کر ہم تک پہنچتے ہیں اور ہماری بستیوں کی غلاظتیں سمیٹ کر سمندر میں چلے جاتے ہیں۔ بدیگر الفاظ "تصریفِ آب" تکوین و تخلیق کا ایک معجزہ ہے۔ یہ پٹرول، یہ خون، یہ دودھ، یہ بادل، یہ دریا اور یہ چشمے سب تصریفِ آب کے کرشمے ہیں۔ یہ شہروں میں بجلی کا طوفانِ روشنی افتادِ آب (آبشار) کا نتیجہ ہے۔ یہ انجنوں کی گرم رفتاری، سٹیم (بخاراتِ آبی) کی بدولت ہے۔ بدیگر الفاظ پانی کی دنیا قوت و ہیبت کی دنیا ہے جس کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ پانی کا قومی و انفرادی زندگی سے کتنا گہرا ربط ہے؟ اس کی ترکیب کتنا بڑا معجزہ ہے؟ اور اس کی تصریف سے سٹیم، پٹرول اور بجلی بنا کر اپنی طاقت اور دنیا کے وسائلِ سہولت میں کس قدر اضافہ کیا جا سکتا ہے؟ ان مسائل پر غور کرنا مسلم کا فرض ہے اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ قرآن کی اصطلاح میں مسلم نہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً طَهُوْرًا ۙ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ڮ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۔ (فرقان ۴۸ تا ۵۰)	اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت (بارش) کی بشارت بنا کر بھیجتا ہے، وہ آسمان سے آبِ مصفا برسا کر مردہ بستیوں کو زندہ کر دیتا ہے یہ پانی تمام ذی حیات کے لئے مدارِ حیات ہے۔ ہم پانی کو مختلف صورتوں میں بدلتے ہیں (تصریفِ آب) تاکہ لوگ فائدہ اٹھائیں لیکن کفار (کاہل، جاہل و غلط اندیش) ہماری نہیں سنتے۔

پانی مرکب ہے اور روح بسیط۔ پانی کا ایک قطرہ تک فنا نہیں ہو سکتا۔ دریا سے اٹھا تو بادل بن گیا۔ وہاں سے ریگستان میں ٹپکا تو دوبارہ فضا میں اڑ گیا باغ میں برسا تو رس بن کر پھل میں جا پہنچا۔ وہاں سے ہمارے پیٹ میں آیا اور یہاں یا تو جزوِ جسم بن کر

باقی رہا یا گردوں وغیرہ کے راستے پھر باہر نکل گیا اور اگر سمندر میں ٹپکا تو گویا وطن میں پہنچ گیا۔ الغرض قطرۂ آب کسی نہ کسی رنگ میں موجود رہتا ہے۔ اگر پانی باوجود مرکب ہونے کے زندہ رہتا ہے تو روح کو جو بسیط ہے بدرجۂ اولیٰ باقی رہنا چاہیئے جس طرح آفتابی شعاعیں پیاسے ریگستان میں ٹپکے ہوئے قطروں کو ڈھونڈ کر آسمانی بلندیوں کی طرف واپس لے جاتی ہیں اسی طرح زندگی کے یہ تمام قطرے جو اجسامِ انسانی کے خاک دانوں میں ٹپک پڑے ہیں لامکانی وسعتوں میں دوبارہ پہنچ جائیں گے۔ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔

(۱۵)

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ (النبا ۱ تا ۶)

کیا یہ لوگ قیامت کے متعلق سوال کر رہے ہیں اور اس حقیقتِ کبریٰ کے متعلق ان میں اختلاف پایا جاتا ہے؟ انہیں عنقریب یقین حاصل ہو جائے گا اور یقیناً ہو گا کیا ہم نے زمین کو گہوارہ نہیں بنایا؟

ایک پرندہ انڈے دے کر بچوں کو آشیانے میں پالتا ہے اُن کے لئے غذا مہیا کرتا ہے۔ اپنے پروں کے نیچے تھپکا تھپکا کر سلاتا ہے اور جب وُہ بڑے ہو جاتے ہیں تو گھونسلے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں بس یہی حال زمین کا ہے۔ اس مہد میں ہم پلتے ہیں۔ سُورج ہمیں روشنی دیتا ہے۔ بادل، پانی، درخت پھل اور معادن قوت بخشتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد ہم اس گہوارے کو چھوڑ کر دُوسری دُنیا میں چلے جاتے ہیں۔

جس طرح کہ پرندے کی اصلی دُنیا آشیانے سے باہر ہے اسی طرح ہماری اصلی زندگی کہیں اور ہے۔ یہاں ہم صرف چند سوگوار گھڑیاں بسر کرنے کے لئے آتے ہیں اور بس؛

زندگی ایک دم کا وقفہ ہے ۔۔۔ یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

(۱۶)

الرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ (الرحمٰن ۱-۲)	الٰہی رحمت کی لاانتہائیاں دیکھو کہ اللہ نے عروج وارتقا کا مکمل آئین (قرآن) ہمیں عطا فرمایا۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ (الرحمٰن ۳)	انسانی تخلیق الٰہی صناعی کا بہت بڑا اعجاز ہے۔
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ (الرحمٰن ۴)	انسان کو پیدا کر کے اسے قوتِ گویائی عطا کی (تاکہ وہ صحیفۂ فطرت کی تشریح کر سکے)

آؤ! دیوانِ فطرت میں سے چند اشعار آپ کو سنائیں[1]:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ○ (الرحمٰن ۵)	آفتاب و ماہتاب ایک معین دستورِ عمل کے مطابق سرگرمِ پرواز ہیں۔

یہ موسموں کا تغیر و تبدل اور یہ اشجار و اثمار کا تنوع شمس و قمر کی گردشوں کا نتیجہ ہے جن پر غور کرنا اور پھر کھول کر بیان کرنا انسان کے فرائض میں شامل ہے۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ○ (الرحمٰن ۶)	درخت اور پودے ایک آئین کے پابند ہیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ انگور میں سیب کا ذائقہ آجائے یا سنگترہ آم کی ہیئت بدل لے؟ یہ ممکن نہیں کیونکہ تمام کائنات اپنے دستور العمل کو نباہنے میں پوری طرح سرگرم ہے اور اسی اطاعت کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف اعتدال، باقاعدگی اور نظام پایا جاتا ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ○ (الرحمٰن ۷) اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ (رحمٰن ۸)	اللہ نے آسمان کو مرتفع کر کے کائنات میں عدل و توازن پیدا کر دیا۔ خبردار توازن کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔

افراد اعتدال سے اور اقوام عدل سے دور ہٹ کر پٹ جاتی ہیں۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ○ (رحمٰن ۹)	عدل و توازن کا پورا پورا خیال رکھو اور ترازو کو ایک طرف جھکنے نہ دو۔

---

[1] یہاں سورۂ رحمٰن کی صرف آیاتِ طبیعیہ کی تفسیر درج ہو گی۔ (برق)

آج سطحِ زمین پر کوئی ایک قوم بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ابنائے آدم کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے تیار ہو۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ دُنیا کی حریص قومیں ایک دُوسرے پر آگ برسا رہی ہیں۔ بستیاں اجڑ رہی ہیں۔ صدیوں کی تہذیبیں مٹ رہی ہیں اقوام ہفتوں اور دِنوں میں[1] تباہ ہو رہی ہیں اور انسان کا خُون پانی سے زیادہ ارزاں ہو رہا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ اقوام میں عدل نہیں رہا۔

عدل و انصاف سے اقوام اِسی طرح زندہ ہوتی ہیں جس طرح بارش سے زمین۔ یہ زمین بظاہر روکھی پھیکی سی ہے لیکن جب اس پہ بہار کے بادل برستے ہیں تو ہر سُو لالہ زار کھِل جاتے ہیں اِسی طرح جب انصاف کی گھٹائیں کسی قوم کی کھیتی پر برستی ہیں تو حدِ نگاہ تک چمن ہی چمن نظر آتے ہیں۔ المیزان کے ذکر کے بعد سرسبز چراگاہوں کا ذکر کچھ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ (رحمٰن ۱۰-۱۱)

زمین کو مخلوق کے لِئے تیار کیا اور اس میں پھل دار درخت اگائے۔

خود انسان کیا چیز ہے؟ ایک قطرۂ آب یا دُھوپ سے جلی ہُوئی مٹی اِس نے اپنے جذبات میں اعتدال پیدا کیا تو اس کی حیاتِ انفرادی میں چار چاند لگ گئے۔ کائناتِ انسانی میں توازن قائم کرنے کی کوشش کی تو اس کی حیاتِ ملی چمک اُٹھی۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ (رحمٰن ۱۴)

اللہ نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو تمازتِ آفتاب سے ٹھیکرا بن چکی تھی۔

---

[1] ہٹلر نے پولینڈ کو ۱۸ ایام، ناروے، ڈنمارک اور لکسمبرگ کو صرف ایک دن۔ ہالینڈ کو پانچ دن، بلجیم کو ۱۳ دن۔ فرانس کو ۱۲ ایام اور یونان، یوگوسلاویہ کو تین ہفتوں میں مٹا دیا تھا اور چھ برس کی جنگ (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) کے بعد خود بھی تباہ ہو گیا۔ برق

آج حکمتِ مغرب نے اعلان کیا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں سمندر کے ساحل پہ لاکھوں سال تک سورج چمکتا رہا۔ اسی چمک کا نتیجہ تھا کہ ساحل سے زندگی کا آغاز ہوا فخّار کے معنی ہیں ٹھیکری۔ ٹھیکری، مٹی، پانی اور آگ سے تیار ہوتی ہے بدیں الفاظ اللہ نے فخّار کا لفظ استعمال فرما کر نظریۂ مغرب کی تصدیق کر دی۔

جس طرح کہ زمین، پتھر، کوئلے اور درخت کے پیٹ میں آگ چھپی ہوئی ہوتی ہے اسی طرح انسان میں بھی غصے اور شہوت کی آگ پنہاں ہے۔ وہی لوگ صاحبِ کمال کہلاتے ہیں جو اس آگ کو بھڑکنے نہیں دیتے بلکہ اس میں اعتدال پیدا کر لیتے ہیں اور جو لوگ اس آگ پر قابو نہیں پا سکتے وہ سراپا آگ بن جاتے ہیں اور ان کو شیطان یا جن کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (رحمٰن ۱۵) | اور اللہ نے جنّوں کو آتشِ مخلوط سے پیدا کیا۔

حکمائے مغرب نے سالہا سال کی تحقیق و تلاش کے بعد یہ اعلان افروز کیا ہے کہ موتی میٹھے پانی میں اور مونگا کھاری پانی میں تیار ہوتا ہے۔ قرآن حکیم اس انکشاف پر یوں مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے:

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (رحمٰن ۲۲) | ان دونوں پانیوں (میٹھے اور کھاری) سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

اگر اس آیت کی یہ تفسیر نہ کی جائے تو مِنْهُمَا کی ضمیر تثنیہ (ان دونوں) بے کار ہو جاتی ہے اور اس کی کوئی اور تفسیر نہیں ہو سکتی ہے۔

آج سے بہت پہلے سمندروں میں بڑے بڑے جانور موجود تھے۔ جو غیر اصلح ہونے کی وجہ سے اسی طرح مٹ گئے جس طرح بے شمار گزشتہ اقوام صلاحیتِ حیات کھو بیٹھنے کے بعد تباہ ہو گئیں۔ اللہ ازل سے موجود ہے اور موجود رہے گا اس لئے کہ وہ

اصلح و اقوٰی ہے، صاحبِ جلال و اکرام ہے۔

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ۝ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (رحمٰن ۲۶-۲۷)	جاہ و جلال والے رب کی ذات کے سوا باقی تمام اشیاء فنا پذیر ہیں۔

زندگی کا سب سے بڑا خزانہ اللہ ہے جس سے ہر چیز زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے

زندگی کیا ہے؟ قرآن پر عمل اور صحیفۂ کائنات میں تدبّر۔ کائنات ایک ایسا حسین نگارستان ہے جس میں ہر روز لاتعداد دل فریبیوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور یہ اضافہ خالق کی نیرنگیٔ تخیل پر سب سے بڑی شہادت ہے۔

یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ۝ (رحمٰن ۲۹)	ارض و سما کی ہر چیز اللہ سے زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے اور وہ صناعِ بے چوں ہر روز نئے نئے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے

عدل حیاتِ اقوام ہے اور ناانصافی موت۔ دُنیا میں جہاں کہیں عدل ہو رہا ہے، وہاں زندگی شباب پر ہے ۔ہے کوئی فرد یا قوم جو قوانینِ حیات کو توڑنے کے بعد سزا سے بچ سکے؟ یا اس زمین سے بھاگ نکلے؟ یہ زمین ایک قلعہ ہے جس کے چار طرف گہرے سمندر، اوپر ہوا نا درد۔ قدرے اوپر طبقہ باردہ، کچھ اور اوپر زہریلی شعاعوں کے طوفان، برق زدہ فضائیں کہ ذرا زمینی کشش سے آزاد ہوئے اور معاً کسی ستارے نے کھینچ کر وہ جھٹکا دیا کہ ہر بُنِ مُو سے آگ کی لپٹیں اٹھنے لگیں۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ (رحمٰن ۳۳)	اے جنّ او رانسانو! اگر تم زمین و آسمان کے اطراف سے بھاگ کر نکل سکتے ہو تو ذرا کر کے دکھاؤ، یاد رکھو کہ سلطان کے بغیر تم ایسا نہیں کر سکو گے۔

اگر سلطان کے معنی طاقت لیے جائیں اور مراد "علم" لی جائے تو تفسیر یوں ہوگی کہ علم

ایک ایسی طاقت ہے جس کی بدولت تم فضا کی سیر کر سکتے ہو۔

(۱۷)

عہدِ حاضر میں کوئلہ دُنیا کی مہیب ترین طاقت ہے اس کے استعمال سے اقوام رُبع مسکون کو دہلا رہی ہے اور ہم مُسلمان استعمال زغال سے ناآشنا ہونے کے باعث ننگِ دو عالم بنے ہُوئے ہیں۔ خُدا جانے مُسلم کو قرآن کی یہ آیت کیوں نہ نظر آئی؟

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ۝ (واقعہ ۷۳/۴)	کبھی اس آگ (کوئلے) پر بھی غور کیا جو تم جلاتے ہو اس کے درخت کو (جو زمین میں دب کر کوئلہ بنتا ہے) تم نے پیدا کیا تھا یا ہم نے؟ ہم نے اس کوئلہ کو تذکرۂ حیات اور مفلس اقوام کی سب سے قیمتی متاع قرار دیا ہے۔

کوئلے کے سینے میں سُورج کی شعاعیں پنہاں ہیں اور انسان کے دِل میں آفتابِ ازل کی کرنیں مضمر ہیں۔ سیاہ کوئلہ انسان کو زندہ کر سکتا ہے اور انسان اگر انسان بن جائے تو تمام کائنات میں زندگی کے طوفان اٹھا سکتا ہے۔

(۱۸)

ستارے اسی لئے فضا میں طوفانِ نور اٹھا رہے ہیں کہ وُہ ایک دستور العمل کے پابند ہیں۔ اگر آج وُہ نافرمانی پر اتر آئیں تو ایک دُوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں جس طرح شموس و کواکب کی جلوہ آرائی ایک خاص نظام کی پابندی کا نتیجہ ہے اسی طرح انسان کبھی چمک نہیں سکتا اگر وُہ اپنے دستور العمل کو جس کی تفصیل الہامی کتابوں میں درج ہے نہ نبا ہے۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ	مشرق و مغرب کی طرف باقاعدگی کے ساتھ سفر کرنے والے ستاروں کی قسم! کاش تمہیں علم ہوتا کہ یہ کتنی بڑی شہادت پیش کی جا رہی ہے کہ پیغمبر عربی صلعم کی تعلیم انسانی موت و حیات کا مکمل دستور العمل ہے۔ جس کا نام قرآن

کریم ہے۔ | کریم ۔ (واقعہ ۷۵تا ۷۷)

(۱۹)

قرآن حکیم پیامِ زندگی ہے اور رسول پیغمبرِ زندگی۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئلے اور فولاد سے اقوام زندہ ہو رہی ہیں۔ بدیگر الفاظ یہ اقوام قرآن حکیم کے بعض اصول پر عمل کر رہی ہیں اور پیروانِ اسلام جو ان معادن کے استعمال سے نا آشنا ہیں مر چکے ہیں۔ ایک مردہ قوم پیرو رسول نہیں ہو سکتی۔ رسول اقوام کو زندہ کرنے کے لئے آتا ہے اور جو مر چکے ہیں یا مر رہے ہیں، وہ کسی صورت میں بھی پیروِ پیغمبر نہیں کہلا سکتے۔

استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (انفال ۲۴)	اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو کہ وہ تمہیں زندگی کی طرف بلا رہا ہے۔

دنیائے امروزہ میں پیامِ الٰہی کو دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کے لئے رحم کے ساتھ ساتھ قہر و غلبہ کی بھی ضرورت ہے جو حدید و زغال کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک بے دست و پا اور کم زور قوم کی آواز اربابِ حدید کے ایوانِ بلند تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب ان اللہ قوی عزیز (حدید ۲۵)	ہم نے فولاد اتارا جس میں زبردست ہیبت اور چند در چند فوائد موجود ہیں ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کون سی اقوام اس دھات کے استعمال سے طاقتور بن کر خدا اور رسول کی مدد کرنا چاہتی ہیں اللہ خود طاقتور اور غالب ہے اور ایسی ہی اقوام کو پسند کرتا ہے جن میں یہ اوصاف موجود ہوں

اللہ کو معلوم تھا کہ حدید و زغال کا زمانہ سلسلۂ رسالت ختم ہونے کے بعد آئے گا۔ اسی لئے "بالغیب" کا اضافہ فرمایا۔

(۲۰)

زمین میں زلزلے اس لئے آتے ہیں کہ بطن الارض کے مخفی خزانے اور اعماقِ بحر کے

سلاسلِ جبال باہر آجائیں۔ یہ زلازل کوئی اتفاقی حوادث نہیں ہوتے بلکہ مشیتِ ایزدی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ایک خاص آئین ان انفجارات کی تہ میں کارفرما ہوتا ہے۔

قرآنِ حکیم حیاتِ انسانی کا مکمل نظام ہے اور ہمیں اس لئے دیا گیا ہے کہ ہمارے دلوں میں بھی زلزلے آئیں۔ فضائل و فواضل کی معادن نکلیں اور علوم و معادن کے چشمے پھوٹیں۔

انسان کی طرح کائنات کی باقی اشیاء کو بھی ایک ایک قرآن یعنی نظامِ حیات دیا گیا تھا جس پر یہ نہایت تن دہی سے عمل کر رہی ہیں لیکن انسان قدم قدم پر اپنے نظام کو توڑ رہا ہے اور اسی لئے پٹ رہا ہے۔ اگر انسانی نظامِ حیات (قرآن) بجائے انسان کے کسی پہاڑ کو دیا جاتا تو پہاڑ برغبتِ تمام اس کی ہر دفعہ کو نباہتا۔ ہلتا، پھٹتا، چشمے بہاتا اور معادن کی ایک دنیا باہر پھینکتا۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔ (حشر ۲۱)	اگر ہم یہی قرآن پہاڑ کو عطا کرتے تو وہ الٰہی خوف سے ہلتا اور پھٹتا۔

(۲۱)

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ (قلم ۱-۲)

اس آیت میں "بِنِعْمَةِ رَبِّكَ" کا جملہ تشریح طلب ہے اگر بِنِعْمَةِ کی با کو قسمیہ قرار دیں تو معنی ہوں گے: "تمہارے رب کی نعمت (قرآن) کی قسم کہ تم مجنوں نہیں ہو" اور اگر نِعْمَة کے معنی "فضل" لئے جائیں تو معنی ہوں گے: "قلم اور قلم نے جو کچھ لکھا (قرآن) وہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ آپ اللہ کے فضل سے دیوانہ نہیں ہیں"۔

مسلمانوں نے قرآن حکیم کی دفعات پر عمل کر کے ثابت کر دیا کہ اس کی ہر ہدایت زندگی کا لازوال پیام ہے، پھر اس کے "شارحِ اعظم" کو دیوانہ کہنا کہاں کا انصاف ہے؟

آں حضرتؐ کی حیرت انگیز ہستی اور آپ کے انقلاب انگیز پیام پر قلم و دوات نے اس قدر لٹریچر مہیا کیا کہ دُنیا کے کسی اور مصلح کے متعلق اس کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا گیا تو کیا تمام خدائی کی یہ آواز اس حقیقت کا اعلان نہیں کر

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ

اگر یَسْطُرُوْنَ کو مستقبل کے معنی میں لیا جائے تو یہ آیت ایک بشارت بن جاتی ہے کہ پیروانِ اسلام اس قدر علوم و فنون پیدا کریں گے کہ تمام دُنیا کے مُعلّم تسلیم کئے جائیں گے اس وقت دُنیا پکار اُٹھے گی کہ اتنے بڑے بڑے مورخوں، فلسفیوں، محدّثوں، مفسّروں جغرافیہ دانوں، محاسبوں اور منجّموں کا قائد دیوانہ نہیں ہو سکتا۔

اہل اسلام کے علاوہ عُلمائے مغرب مثلاً کارلائل، نولڈکے، نکلسن، ولیم میور اور ڈریپر جیسے متعصّب نصرانیوں کو بھی آں حضرتؐ کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ ہر چند کہ ان لوگوں نے آں حضرتؐ پر نکتہ چینی کی ہے لیکن ساتھ ہی آپ کی بلند تعلیم، تدبّر، دانش، سیاست اور دیگر رہنمایانہ اوصاف پر وُہ حسین مقالے لکھے ہیں کہ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ کی تفسیر معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۲)

رات کو چاند کی دھیمی دھیمی روشنی کیف و بہار کا کیا مست پیام دے رہی تھی۔

صبح ہُوئی تو کائنات اپنی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ بے حجاب ہو گئی اور جب آفتاب طلوع ہُوا تو فضا میں نور کے چشمے اُبلنے لگے۔

یہ زندگی چاند کی روشنی ہے، بڑھاپا ظہورِ سحر اور موت طلوعِ آفتاب۔ اس کے بعد فضاؤں میں نور کے چشمے اُبلتے نظر آئیں گے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۝ (مدثر ۳۲ تا ۳۵)	مہتاب کی روشنی کی قسم، ظہور سحر اور طلوع آفتاب کی قسم کہ آخرت حیاتِ انسانی کی ایک شاندار منزل ہے۔

(۲۳)

انبیاءؑ نے دُنیا کو عدل و احسان کی تعلیم دی اور استیصال شر کے لئے زندگیاں وقف کر دیں۔ ان حضرات کی آمد پر دُنیا دو حصّوں میں تقسیم ہوتی رہی، معاون اور مخالف معاون جنّاتِ ارضی و اُخروی کے حقدار بنے اور مخالف تباہی و ہلاکت کے شکار۔

انسانی ہدایت کے اس انقلاب آفرین نظام پر ایک مؤرخانہ نگاہ ڈالنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بدکاروں کے لئے انتقام فطرت سے کوئی مفر موجود نہیں۔

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ۝ فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ۝ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا ۝ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا أَوْ نُذْرًا ۝ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ۝ (مرسلات ۱تا۷)	قسم ہے اُن ہستیوں کی جو دُنیا کو خیر و معروف کا پیام سناتی ہیں، جو گناہوں کے خس و خاشاک کو آندھی بن کر سمیٹتی ہیں، جو برشگالی ہواؤں کی طرح رحمت کی گھٹا ڈل کو کائنات کے ہر گوشے تک پہنچاتی ہیں جو دُنیا کو نیک و بد میں تقسیم کرتی ہیں جو کفر کی تاریکیوں کو شعاعِ نور بن کر چیرتی ہیں اور جو اتمامِ حجت یا تذکیر کے لئے احکامِ الٰہی سناتی ہیں کہ نتائجِ اعمال ٹل نہیں سکتے۔

(۲۴)

شاعر و ساحر میں ایک خاص تشابہ ہے، ساحر غیر حقیقی اشیاء کو حقیقی بنا کر دکھاتا ہے اور شاعر خیالی اشیاء کو جاذبِ قلب و نگاہ بنا کر پیش کرتا ہے۔ شاعر کا تمام زور تراشِ الفاظ پر صرف ہو جاتا ہے اور اس لئے دُنیائے عمل سے بمنازل دُور رہتا ہے۔ یہ فطرۃً مبالغہ

پسند حساس، استقلال و حوصلہ سے محروم، حُسن و رنگ کا دیوانہ اور جذبات کے ہاتھ میں ایک بازیچہ ہوتا ہے۔ یہ صاحب الرائے نہیں ہوتا، بلکہ گرگٹ کی طرح ہر لحظہ رنگ بدلتا ہے چونکہ شعر کہنا ایک آسان سا مشغلہ ہے جس میں دماغی تربیت، بلند علم اور تحقیق و تلاش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیز اشعار داد کے لیے کہے جاتے ہیں، اس لیے شاعر سہل انگار، خود نما اور عیاش بن جاتا ہے اور اس کے پیرو بھی اسی قماش کے لوگ ہوتے ہیں۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ وَالَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (الشعراء ۲۲۴ تا ۲۲۶)	شاعروں کے پیرو گمراہ ہوا کرتے ہیں کیا تم دیکھتے نہیں کہ انہیں کسی اصول پر قرار حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ہر وادی میں بے طرح گھوم رہے ہوتے ہیں اور ان کے اقوال کبھی شرمندۂ عمل نہیں ہوتے۔

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شاعر ہمیشہ زوال و ہلاکت کا قاصد رہا ہے۔ عرب میں آں حضرتؐ پہلے کئی ہزار فصیح البیان شعراء موجود تھے اور ساتھ ہی قوم عیاشی و پست اخلاقی کی انتہائی گہرائیوں میں گری ہوئی تھی جب اس قوم نے آنکھ کھولی اور ایشیائے وسطیٰ میں ایک لرزہ خیز سلطنت کی طرح ڈالی تو معاً شاعر معدوم ہو گیا۔ چند سو سال بعد مرگ و زوال کا یہ قاصد پھر کہیں سے نکل آیا عباسیہ کے بڑے بڑے راویوں اور شاعروں کا تذکرہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ حماد کو ایک لاکھ قصائد جاہلیت یاد تھے۔ ابو تمام نے چودہ ہزار اور اصمعی نے سولہ ہزار ارجوزے یاد کر رکھے تھے اور ایک مرتبہ ابو ضمضم نے ہارون الرشید کو ایک سو عمرو نامی شعرا کا کلام سُنایا تھا جن کی صرف ردیفِ الف ڈیڑھ یوم میں ختم ہوئی تھی۔ ان شعرا کے قصائدِ مدحیہ کا اثر لازماً سلاطین عباسیہ پر پڑتا تھا چنانچہ اس خاندان کے چند آخری فرمانروا کاہل و کم کوش ہو گئے اور سیلابِ تتار میں تنکوں کی طرح بہہ گئے۔

اُندلس میں عربوں کو تبھی زوال آیا، جب وہاں سینکڑوں شاعر پیدا ہو گئے تھے یہاں تک کہ سرکاری خط و کتابت بھی شعروں میں ہوتی تھی۔

ایران میں غزنوی، تیموری اور سلجوقی سیلاب کی طرح اٹھے اور جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اس فوری زوال کی ایک وجہ شعراء کی یادہ گوئی تھی۔ ان کے قصائد سے سلاطین کو دارائے ارض و سما ہونے کا دھوکہ لگ جاتا تھا۔ نتیجۃً وہ اپنی غفلت و ناداتی کا شکار بن جاتے تھے۔ محمود غزنوی کے دربار میں کم و بیش چار سو شاعر تھے۔ ملک شاہ اور سنجر کے درباری شاعروں سے کون آگاہ نہیں۔ صفوی خاندان نے کم و بیش تین سو برس تک حکومت کی اور اس عرصے میں ایک بھی کام کا شاعر پیدا نہ ہوا۔ وجہ ظاہر ہے کہ شاعر صرف دورِ انحطاط میں پیدا ہوتا ہے اور دورِ عروج میں ناپید ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں اردو شاعری کا عروج محمد شاہ رنگیلے کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جب خاندانِ مغلیہ کے آثارِ زوال ہر سو عیاں تھے۔ شاہ عالم ثانی نواب آصف الدولہ اور بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں شاعری کا وہ چرچا ہوا کہ طوفان شعر میں خاندانِ مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا۔

آج[1] کہ ہندوستان کا زوال بحدِ کمال پہنچ چکا ہے، شاعری پورے جوبن پر ہے۔ آئے دن شہروں میں شاعروں کی محفلیں جمتی ہیں۔ دس بیس سبزہ سر امل کر بیٹھ جاتے ہیں ایک صاحب ایک ہی شعر کو بار بار پڑھتے اور داد لینے کے لئے سامعین کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں، سامعین شعر کو سمجھیں یا نہ سمجھیں "خوب مکرر، واللہ قلم توڑ دیا، سبحان اللہ اور آہا ہا کے نعرے لگاتے ہیں اور شاعر صاحب "بندہ نوازی" قدر دانی، ہیچ کیا ہوں، نالائق پاجی جو کچھ ہیں جناب ہی ہیں"، کہہ کر داد وصول کرتے ہیں مشاعرے

---

[1] سنہ ۱۹۴۲ء

شیطان کے دو سینگوں میں سما جاتی ہے۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں، کہ پیشانی طول جسم کا سولھواں حصّہ ہوتی ہے۔ تو شیطان کے جسم کی لمبائی پانچ کھرب بیس ارب میل ہونی چاہیئے۔ اور چوڑائی بھی اسی نسبت سے۔ اتنا بڑا شیطان کھڑا کہاں ہوتا ہوگا۔ زمین سے سورج نو کروڑ پینتیس لاکھ میل دور ہے۔ اور شیطان کی لمبائی سوا پانچ کھرب میل۔ اگر شیطان کو زمین پر کھڑا کیا جائے، تو سورج اس کے ٹخنوں سے بھی نیچے رہ جاتا ہے۔ اسے شیطان کے سینگوں تک پہنچانے کا کیا انتظام کیا جاتا ہے۔ اور اتنا بڑا شیطان زمین میں سماتا کیسے ہے؟

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زمین تقریباً گول ہے۔ اور زمین کے کسی نہ کسی حصّے پر ہر وقت سورج طلوع ہوتا رہتا ہے۔ یعنی اوقات مسلسل محوِ سفر رہتے ہیں۔ کلکتہ کی صبح چند لمحوں کے بعد بنارس پہنچتی ہے۔ پھر دہلی۔ پھر لاہور۔ پھر پشاور۔ پھر کابل۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ سورج ہر وقت شیطان کے سینگوں کے درمیان رہتا ہے۔ چونکہ ایسی حالت میں نماز ناجائز ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو نماز بالکل ترک کر دینی چاہیئے۔

حدیث کا علم الجغرافیہ

حدیث کا علم الافلاک آپ پڑھ چکے۔ اب یہ سنیئے کہ موسم کس طرح بدلتے ہیں۔ ہم اور آپ تو اتنا ہی جانتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گرما میں ہم سورج کے قریب ہو جاتے ہیں اور سرما میں دُور۔ اس لیے گرمی و سردی۔

مجامعت کرنے لگے تو یہ دعا پڑھ لے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقنا (اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو شیطان سے بچا) اس کی اولاد کو شیطان کبھی گمراہ نہیں کر سکے گا"۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۴۷)

کتنی امرت دھارا قسم کی دعا ہے۔ کہ نہ قرآن کی ضرورت باقی رہی اور نہ رسول کی۔ اس لیے کہ قرآن و رسول کا کام تو ہدایت ہے اور جس بچے کے گمراہ ہونے کا امکان ہی باقی نہ رہا۔ قرآن و رسول اس کے کس کام کے؟

حدیث کا علم الصوت مرغ کیوں بانگ دیتا ہے۔ گدھا کیوں ہینگتا ہے۔ گھوڑا کیوں ہنہناتا ہے۔ شیر کیوں دھاڑتا ہے اور ہاتھی کیوں چنگھاڑتا ہے؟ ان تمام سوالات کا حل تو مشکل ہے۔ البتہ ایک دو سوالات کے جوابات حاضر ہیں:

"ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم مرغ کی صدا سنو تو اللہ سے فضل کی دعا مانگا کرو۔ اس لیے کہ اس وقت مرغ کو فرشتہ نظر آیا کرتا ہے۔ اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگو۔ اس لیے کہ وہ شیطان کو دیکھ کر ہینگتا ہے"۔ بخاری ج ۲ ص ۱۴۷)

ع حقیقت خرافات میں کھو گئی

حدیث کا علم الآداب

اگر کوئی شخص کسی محفل میں جا کر تین مرتبہ سلام کرے۔ اور ہر بات کو تین تین مرتبہ دُہرائے تو آپ اُسے کب تک برداشت کریں گے؟

عن انس عن النبی صلعم انہ کان اذا سلّم سلّم ثلاثاً واذا تکلّم بکلمۃٍ اعادھا ثلاثاً۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی یہ عادت تھی کہ وہ تین مرتبہ سلام کہتے۔ اور ہر بات کو تین تین مرتبہ دہراتے تھے۔

(بخاری ج ۱ صـ۲۰)

حضور علیہ السلام کے بے شمار اقوال و خطبات ہمارے سامنے موجود ہیں کہیں بھی کسی بات کو تین تین مرتبہ دُہرایا نہیں گیا۔ ہاں اگر کسی نے دو چار مرتبہ ایک ہی سوال پوچھا ہو تو آپ نے ایک ہی جواب اتنی ہی مرتبہ دُہرا دیا ہو گا۔ ورنہ ہمارے رہبر فطرتِ انسانی کے بہت بڑے ماہر اور مزاج شناس تھے۔ وہ افصح العرب والعجم تھے۔ انھیں یہ چھوٹی سی بات یقیناً معلوم ہو گی۔ کہ تکرار تنافر پیدا کرتا ہے۔ اور کلام کو درجۂ فصاحت سے گرا دیتا ہے۔

ایک اور حدیث سُنیے:

"حذیفہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کھاد کے ایک ڈھیر کے قریب آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا۔"

(بخاری ج ۱ صـ۳۶)

اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے دو دو مرتبہ دہرایا ہے۔ لیکن امام مالکؒ

حدیث کا علم التولید رحم مادر میں بچہ کیسے بنتا ہے۔ نر و مادہ کی علامات اس میں کس منزل پہ کس طرح پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ماں یا باپ یا دونوں کے خدّ و خال کس طرح حاصل کر لیتا ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا۔ یہ فطرت کے وہ رموز ہیں جنہیں کوئی ماہر فطرت آج تک نہیں سمجھ سکا۔ لیکن ہمارے علما ان مسائل کو صدیوں پہلے حل کر چکے ہیں:

"مرد کا نطفہ سفید ہوتا ہے، اور عورت کا زرد۔ انزال کے بعد یہ ہر دو قسم کے نطفے مل جاتے ہیں۔ اگر مرد کا نطفہ غالب آجائے یعنی یہ مرکب مائل بہ سفیدی ہو تو اللہ کے حکم سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ بچی" (مسلم ج ۱ ص۱۴۶)

ماہرین تولید اس امر پر متفق ہیں، کہ عورت کا نطفہ مقدار میں بیحد کم یعنی بمشکل ایک آدھ قطرہ ہوتا ہے، اور مرد کا کافی زیادہ۔ اگر ان دونوں کو ملا دیا جائے تو عورت کا نطفہ نظر تک نہ آئے۔ چہ جائیکہ وہ نطفۂ شوہر کا رنگ بدلتا پھرے۔ اس صورت میں چاہیئے تو یہ تھا کہ مجامعت سے ہمیشہ لڑکا پیدا ہوتا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ لڑکیاں زیادہ پیدا ہو رہی ہیں، اور لڑکے کم۔

علمائے جدید نے واضح کیا ہے کہ بچہ دانی کے عین سامنے ایک باریک سا خوردبینی انڈا منتظر رہتا ہے۔ جونہی مجامعت کے وقت مرد کے نطفہ کا کوئی قطرہ اس سے چھو جاتا ہے، تو یہ دونوں ایک

دوسرے کو مضبوط پکڑ لیتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ سرک کر رحم کے اندر چلے جاتے ہیں۔ رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ اور تکوینِ جنین کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ تولید کے لیے نطفے کا صرف ایک مہین سا ذرہ استعمال ہوتا ہے۔ اور باقی بہہ کر باہر آجاتا ہے۔ بس یہ ہے داستانِ تولید۔

خدّ و خال کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

"مجامعت کے وقت اگر مرد کا انزال عورت سے پہلے ہو، تو بچہ" باپ پہ جاتا ہے، ورنہ ماں پر"۔ (بخاری ج ۲ صـ۱۴۹)

داد دیجیے اس مُلّا کو کہ فطرت کے ایک نہایت مخفی راز کو کس بے تکلفی، صفائی اور آسانی سے بے حجاب کر دیا ہے۔ اب یورپ ہمیں یہ طعنہ تو نہیں دے گا۔ کہ مسلمان کائنات پہ غور نہیں کیا کرتے۔ اور کہ وہ جاہل نااہل اور نالائق ہیں۔ ذرا پیش تو کرے ہمارے اس ریسرچ کے مقابلے میں کوئی اپنی تحقیق ؎

میں لایا ہوں پکڑ کر شیر تحقیق
تم اپنے فنبل معنی کو لاؤ!

اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ آپ کے ہاں ایسی اولاد پیدا ہو جو فرشتوں سے زیادہ پاکیزہ اور ابلیس کی زد سے بالکل باہر ہو۔ تو لیجیے نسخہ حاضر ہے:

"ابن عباسؓ حضور سے روایت کرتے ہیں، کہ جب کوئی شخص

محسوس کرتے ہیں۔ گرمی میں زمین کے خاکی ذرّات گرم ہو جاتے ہیں اور چونکہ یہ ذرّات پہاڑوں پہ کم ہوتے ہیں۔ اِس لیے وہاں مقابلۃً ٹھنڈک ہوتی ہے۔ لیکن حدیث کہتی ہے:

"ابو ہریرہؓ آنحضرت صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جہنّم نے خدا کے پاس شکایت کی کہ میرا دم گھٹ چلا ہے۔ اِس لیے مجھے سانس لینے کی اجازت دیجیے۔ اللہ نے کہا کہ تم سال میں صرف دو سانس لے سکتے ہو۔ چنانچہ اس کی ایک سانس سے موسم گرما اور دوسری میں موسم سرما[1] پیدا ہو گیا۔ لیکن دنیا کی گرمی و سردی سے جہنّم کی گرمی و سردی بہت زیادہ ہے۔"

(بخاری ج ۲ صـ ۱۴۳)

لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا۔ کہ ہر سال گرمیوں کے موسم میں صرف وہی علاقے اس سانس کی لپیٹ میں کیوں آتے ہیں۔ جو خط استوا کے قریب ہیں۔ اور سارا یورپ۔ سائبیریا۔ گرین لینڈ اور کینیڈا وغیرہ کیوں بچ جاتے ہیں؟ اور یہ بھی تو فرمایا ہوتا۔ کہ گرمیوں میں پہاڑوں پہ کیوں گرمی نہیں ہوتی؟ وہاں تک اس سانس کا اثر کیوں نہیں پہنچتا؟ اور سردیوں میں خطِ استوا کا علاقہ کیوں گرم رہتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ جہنّم نے زمین کو دو حصّوں میں بانٹ رکھا ہے۔ سردیوں میں وہ اہلِ یورپ کی خبر لیتا ہے اور گرمیوں میں ہماری۔ سچ ہے انصاف اچھی چیز ہے۔

---

[1] کہتے ہیں کہ دوزخ کا ایک حصّہ سخت سرد اور دوسرا سخت گرم ہے۔

ماہرین طب کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ

حدیث کا علم الطب:- مکھی ایک نہایت خطرناک جانور ہے۔ جو مہلک امراض کے جراثیم ایک جسم سے دوسرے جسم تک منتقل کرتی رہتی ہے۔ تپ دق کا مریض بازار میں تھوکتا ہے۔ تھوک پہ مکھیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ اپنے پروں اور ٹانگوں کے ساتھ لاکھوں زندہ جراثیم لے کر اڑ جاتی ہیں۔ کچھ حلوائی کی دکان پہ چلی جاتی ہیں اور کچھ گھروں میں داخل ہو کر اشیائے خوردنی پہ آبیٹھتی ہیں۔ اور کھانے والا ان امراض کا شکار بن جاتا ہے۔ یہ ہیضہ، یہ دق، یہ پیچش، یہ تپ محرقہ اور بیسیوں دیگر امراض مکھیوں کی مہربانی کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے علمائے صحت نے ہمیں سخت تاکید کر رکھی ہے۔ کہ اشیائے خوردنی کو مکھیوں سے بچاؤ جس چیز پہ مکھی بیٹھ جائے، اسے ہرگز نہ کھاؤ۔ اور مکھیوں کو تباہ کرنے کے لیے فلاں فلاں وسائل سے کام لو۔ لیکن حدیث کہتی ہے:

اذا وقع الذباب فی شراب احدکم فلیغمسہ ثم لینزعہ فان فی احدی جناحیہ داء وفی الاخری شفاء	اگر مکھی شربت وغیرہ میں گر جائے تو اسے پوری طرح غوطہ دے کر باہر نکالو اسلیئے کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفا۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۸)

مکھی بیت الخلا سے اڑ کر آتی ہے۔ پر اور ٹانگیں غلاظت سے لتھڑی ہوئی ہیں۔ اور مولانا اس کے دوسرے پر میں شفا تلاش کر رہے ہیں۔

نے اسے بیان نہیں کیا۔ اُنھوں نے یہ بات حضرت عبداللہ بن عمرو کی طرف منسوب کی ہے۔ فرماتے ہیں:

عن عبد اللہ بن دینار قال رأیت عبد اللہ بن عمر یبول قائماً۔ (موطا صہ ۲۲)

عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا۔

حدیث کا علم السنہ

اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ سعدیؔ نے گلستان سات بولیوں یا زبانوں میں لکھی تھی۔ تو آپ کیا سمجھیں گے؟ یہی کہ اُنھوں نے گلستاں کے سات نسخے تیار کیے تھے۔ ایک فارسی میں۔ دوسرا عربی۔ تیسرا انگریزی میں چوتھا جرمنی میں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ لیکن اگر کوئی شخص فارسی کی گلستاں کے متعلق یہ کہے کہ یہ سات زبانوں میں لکھی ہوئی ہے۔ تو آپ اسے یہی کہیں گے کہ سر پہ ٹھنڈا پانی ڈال لو۔ تاکہ حواس درست ہو جائیں۔

"ابیؓ بن کعب کہتے ہیں کہ مسجد میں دو آدمیوں نے ایک ہی آیت کو مختلف طور پر پڑھا۔ اور مجھے کچھ اور طرح یاد تھی۔ ہم سب رسول اللہ صلعم کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں درست پڑھ رہے ہیں۔ یہ سُن کر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں اسلام چھوڑنے کو تیار ہو گیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ قرآن سات بولیوں میں اُتارا گیا ہے۔

(ملخص مسلم ج ۲۔ صہ ۳۶۳)

کیا سات بولیوں میں اُتارنے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی آیت سات مختلف بولیوں میں اُتری تھی۔ تو پھر وہ باقی چھ بولیوں کے قرآن کہاں چلے گئے۔ اگر مراد یہ ہے کہ ایک آیت قریش کی بولی میں اُتری تھی، دوسری ہذیل کی اور تیسری ازد کی بولی میں۔ تو پھر ایک ہی آیت کے متعلق ان تین صحابہ کی مختلف قرأتوں کو حضورؐ نے درست کیوں قرار دیا؟

تدوین قرآن کی تاریخ بتلاتی ہے کہ حضورؐ پہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی۔ تو آپ قرآن میں اس کی صحیح جگہ فوراً متعین کر دیتے تھے۔ کاتب الوحی کو ہدایت ہوتی تھی۔ کہ اسے لکھ کر مناسب جگہ پہ رکھ دو۔ اور حفّاظ کو ارشاد ہوتا تھا۔ کہ اسے فلاں سورہ میں فلاں آیت کے بعد پڑھو۔ سینکڑوں حفاظ نے حضورؐ کی مقرر کردہ ترتیب کے مطابق قرآن یاد کر لیا تھا۔ اور ایک نسخہ حضرت عائشہ رضؓ کے گھر میں موجود تھا۔ جو چمڑے کے ٹکڑوں، پتھروں اور پتّوں وغیرہ پہ لکھا ہوا تھا جب حضرت صدیقؓ کے زمانے میں حفاظ قرآن کی ایک خاصی تعداد جنگِ یمامہ میں شہید ہو گئی۔ تو آپ نے نسخۂ رسولؐ سے ایک نسخہ نیا تیار کرایا۔ جو حضرت حفصہ رضؓ کے ہاں رکھ دیا گیا۔ جب حضرت عمر رضؓ کو اپنے عہد میں یہ شکایت پہنچی کہ سلطنت کے دُور و دراز علاقوں (مثلاً عراق و عجم وغیرہ) میں بعض آیاتِ قرآن میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ تو آپ نے حضرت حفصہ رضؓ سے وہ نسخہ منگوا کر کئی نقول تیار کرائیں اور سلطنت کے

بیسواں باب

صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا

صفحاتِ گذشتہ میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ بوجوہاتِ ذیل صحیح احادیث کا سراغ لگانا اگر نا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

(۱) خلفائے راشدین احادیث کو ڈھونڈ کر جلاتے رہے۔

(۲) حضورؐ نے کتابتِ احادیث سے منع فرما دیا تھا۔

(۳) اڑھائی سو برس تک احادیث ہر کہ ومہ کی زبان پر جاری ہیں اور بگڑتے بگڑتے خدا جانے کیا سے کیا بن گئیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کوئی حدیث موجود ہی نہیں۔ "صحیح حدیث" کے دو مفہوم ہیں۔ اول یہ کہ کسی حدیث کی نسبت آنحضرت صلعم کی طرف صحیح ہو۔ یعنی ہم بہ دلائل ثابت کر سکیں۔ کہ یہ قول حضورؐ کی زبانِ مبارک سے واقعی نکلا تھا ان معنوں میں کوئی حدیث یقینی طور پر صحیح نہیں۔ البتہ ظنِ غالب یہ ہے کہ بعض اقوال صحیح ہوں گے۔ دوم کہ حدیث کا مضمون صحیح ہو۔ اور ان معنوں میں ہزاروں احادیث صحیح ہیں۔

اس صورت میں ہمیں صرف یہ دیکھنا پڑے گا۔ کہ حدیث قرآن سے تو نہیں ٹکراتی۔ حضورؐ یا صحابہ کرام کی توہین تو نہیں کرتی۔ تعلیماتِ قرآن کا مضحکہ تو نہیں اڑاتی۔ تاریخ کے مسلّمہ واقعات کے خلاف تو نہیں جاتی۔ انسانی فطرت اور حقائقِ کونیہ کو تو نہیں جھٹلاتی۔ اُمّت کو گرفتارِ اوہام تو نہیں بناتی۔ اور قرآن کی قطعیت پہ حملہ تو نہیں کرتی۔ پس ہر ایسی حدیث صحیح ہے۔ خواہ اُس کا راوی ابو ہریرہؓ ہو یا بابا رتن۔ ہمارے محدّثین اسناد و روایت پہ تکیہ کرتے رہے اور انھیں کرنا بھی چاہیئے تھا۔ آخر کسی قول کو آنحضرت کی طرف منسوب کرنے کے لیے روایت کا سلسلہ ضروری تھا۔ لیکن آج ہمیں صرف مضمونِ حدیث کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی بات قرآن کے مطابق ہو، تو اُسے تسلیم نہ کرنا گویا قرآن سے انکار کرنا ہے۔ اگر کوئی انگریز کہہ دے کہ خدا ایک ہے۔ چوری۔ زنا۔ اور قمار بازی گناہ ہیں۔ تو کیا کسی مسلمان میں یہ جرأت ہے۔ کہ وہ ان اقوال کے صحیح ہونے سے انکار کرے۔ گو یہ اقوال انگریز کے منہ سے نکل رہے ہیں۔ لیکن قرآن کی آیات کے لفظی تراجم ہیں۔ ان کو نہ ماننا گویا اپنی کتاب کو جھٹلانا ہے۔ اس طرح کی ہزارہا احادیث ہمارے پاس موجود ہیں۔ جو نہ صرف تعلیماتِ قرآن کے عین مطابق ہیں۔ بلکہ وہ آنحضرت صلعم کی حیاتِ مطہرہ کی مکمل تصویر پیش کرتی ہیں۔ صحابۂ کرام کی جراءت۔ شجاعت۔ ایثار۔ سرفروشی۔ خدمتِ خلق۔ حرارتِ ایمانی۔ عشقِ رسولؐ۔ تقویٰ اور نظم و ضبط کی حیات انگیز

اِس لیے کہ یہ اُس آگ کو پھونکوں سے بھڑکاتا تھا، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو پھینکا گیا تھا۔" (بخاری ج ۲ ص ۱۵۳)

بھلا حضرت ابراہیمؑ نے سانڈھے کا کیا بگاڑا تھا؟ اور اُس آگ کو جس میں ساٹھ ستّر من ایندھن جل رہا تھا۔ ایک ننھا سا کیڑا کیا بھڑکا سکتا تھا؟ اور اس کے تنفّس میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ آگ کے شعلوں میں ذرّہ بھر بھی اضافہ کر سکتا؟

کہاں تک گنوں صاحب! بات لمبی ہو رہی ہے۔ ورنہ صحاح ستّہ میں اِس نوع کی سینکڑوں اور احادیث موجود ہیں۔ جن کی نسبت اُس معلّمِ اخلاق و تہذیب کی طرف خدا اور رسول ہر دو کے لیے باعثِ توہین ہے۔ میرا مقصد احادیث پہ تنقید نہیں۔ بلکہ یہ دکھانا ہے کہ احادیث کے جن مجموعوں کو "صحیح" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُن میں بھی ایسے ایسے اقوال بھرے پڑے ہیں۔ جنھیں سُن کر تہذیب کانوں پہ ہاتھ دھرے۔ عقلِ سلیم بلبلا اُٹھے۔ اور کتابِ الٰہی کلیجہ تھام کے رہ جائے۔ نمونہ آپ نے دیکھ لیا۔ انصافاً کہیئے کہ ان اقوال کو وحی سمجھ کر ان پہ کیسے عمل کریں۔ اور اُس دستور العمل کو کیسے چھوڑ دیں۔ جس کی ہر ہدایت روشن۔ ہر لفظ حقیقت۔ ہر حرف صداقت۔ ہر حکم دینی و اُخروی فلاح کا ضامن۔ اور ہر قول تمام شبہات سے دار، الوراء ہے۔ ہم نے قرآن کی ہر بات کو سائنس[1] کی کسوٹی پہ پرکھا۔ فطرت کی میزان میں تولا۔ اور

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری کتاب "دو قرآن" مطبوعہ کتاب منزل کشمیری بازار۔ لاہور

اعمالِ خدا سے اس کا مقابلہ کر کے دیکھا۔ ہمیں ہر جگہ صرف حقیقت اور ٹھوس حقیقت نظر آئی۔ تاریخ نے بارہا اس دستور العمل کا تجربہ کیا۔ اور ہر مرتبہ اسے تابدار کامرانی نصیب ہوئی۔ اسے بارہا چھوڑا اور ہر بار اسے مہیب شکست و ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔ قرآن حقائق سے بحث کرتا ہے اور حدیث اوہام کی طرف دعوت دیتی ہے۔ حقیقت کو چھوڑ کر ہم سراب کی طرف کیوں بھاگیں۔

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست　　زیرِ گردوں رازِ تمکینِ تو چیست

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم　　حکمتِ اولایزال است و قدیم

از یک آئینی مسلماں زندہ است

پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است

(اقبال رح)

مختلف حصّوں میں بھیجدیں۔

سوال یہ ہے۔ کہ کیا حضورؐ کے اپنے نسخے میں ہر آیت سات سات بولیوں میں لکھی ہوتی تھی۔ اگر تھی تو صدیقؓ و فاروقؓ نے اس کی صحیح نقل ہم تک کیوں نہ پہنچائی۔ اگر نہیں تھی تو اس حدیث کا مطلب؟

آیۂ وضو میں صرف ایک اختلاف کی بنا پر کسی نے "ارجُلَکُمْ"[1] کو "ارجُلِکُمْ" پڑھ دیا۔ پورا ایک فرقہ پیدا ہو گیا۔ جو وضو میں پاؤں پہ مسح کرتا ہے۔ اگر قرآن میں اس قسم کے اختلافات کی اجازت دے دی جاتے، تو ہر مسلمان کا مذہب دوسرے سے جدا ہو جائے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ اس حدیث کے تراشنے کا مقصد بھی مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا۔ اور قرآن کو ناقابل اعتماد بنانا تھا۔ اگر اس حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ یہ اختلاف صرف قرأت تک محدود تھا۔ جیسے کہ ہم "سکُول" کہتے ہیں اور یو۔ پی والے "اِسکول"۔ تو پھر حدیث کا مفہوم واضح ہے۔ لیکن ستم تو یہی ہے۔ کہ بعض ایسی آیات بھی اس باب میں درج ہیں جن کے الفاظ مختلف ہیں۔

حدیث کا علم النباتات

"جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک درخت تھا جس کے پاس کھڑے ہو کر جمعہ کے دن حضورؐ وعظ فرمایا کرتے تھے انصار

---

[1] اگر "ارجلکم" کو بفتح لام پڑھیں تو تفسیر ہو گی "پاؤں کو دھوؤ"۔ اور بکسر لام پڑھیں تو معنی ہوں گے "پاؤں پہ مسح کرو"۔ اور اسی لیے شیعہ حضرات مسح کیا کرتے ہیں۔

میں سے ایک مرد یا عورت نے منبر کی تجویز کی۔ آپ نے فرمایا جیسے تمہاری مرضی۔ پھر جس روز منبر تیار ہو گیا اور آپ منبر پر چڑھ کر وعظ کہنے لگے، تو اس تنے نے ایک بچے کی طرح رونا شروع کر دیا۔ حضورؐ منبر سے اُترے اور اُس درخت کو باہوں میں لے کر چپ کرایا ...." (بخاری ج ۲ صہ ۱۶۹)

حضورؐ مکہ سے نکلے، تو اُن کا نہ گھر رویا۔ نہ درخت نہ کوئی پتھر۔ آپ زندگی میں ہزارہا درختوں کے نیچے بیٹھے ہوں گے۔ لیکن کوئی درخت کبھی نہ رویا۔ پھر اس مسجد والے درخت کو کیا خاص صدمہ پہنچا تھا کہ وہ رونے لگا۔ حالانکہ حضورؐ صرف دو قدم کے فاصلے پہ موجود تھے۔

رونے کے لیے احساس۔ دل۔ دماغ۔ پھیپھڑوں، گلے اور دقیق نظامِ جسمانی کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ اُس درخت میں کہاں سے آ گیا تھا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ معجزہ تھا۔ تو پھر رسول اللہ صلعم نے کفار کو معجزہ دکھانے سے کیوں انکار کر دیا تھا۔ اور صاف صاف کہہ دیا تھا۔

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا (قرآن)

میں ایک انسان ہوں جس کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا ہے نہ کہ معجزے دکھانا۔

اور مسلمانوں کے سامنے معجزہ دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے!

حدیث کا علم الحقائق

"ام شریک راوی ہیں کہ حضورؐ نے سانڈھے کو مارنے کا حکم دیا تھا۔

داستانیں سناتی ہیں۔ اُس عہد کے تمدن پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب کیا تھے؟ اکاسرہ کیوں مٹ گئے؟ قیاصرہ کو کیوں شکست ہوئی؟ مٹھی بھر مسلمان سندھ کے ریگستان سے فرانس کی عشرت گاہوں تک کیسے چھا گئے؟ لٹیرے فرمانروا کیسے بن گئے؟ گڈریے اور تختِ جہانبانی پہ کیسے جا بیٹھے؟ وحشی فلسفہ و حکمت کا درس کیسے دینے لگے؟ شرابیوں اور جواریوں میں اس بلا کی پاکیزگی کہاں سے آ گئی؟ ۳۶۰ بتوں کے پجاری ایک خدا، ایک قبلہ، ایک مرکز، اور ایک نصب العین کے تخیل پہ کیسے متحد ہو گئے؟

یہ تمام تفاصیل حدیث میں ملتی ہیں۔ اور یہی وہ بیش بہا سرمایہ ہے جس پہ ہم نازاں ہیں۔ اور جس سے اب تک کروڑوں غیر مسلم متاثر ہو چکے ہیں۔ مولانا شبلی کے "الفاروق" کا ماخذ یہی احادیث تھیں۔ اور یہ وہ کتابِ عظیم ہے۔ جو اس وقت تک لاکھوں کیرکٹر (کردار) بنا چکی ہے۔ اگر عہدِ رسول کے ایک فرد کی سیرت اس قدر انقلاب پیدا کر سکتی ہے تو اندازہ لگائیے کہ اگر احادیث کے تمام کردار اسی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔ تو نتائج کس قدر حیرت انگیز ہو سکتے ہیں۔

وحیِ خفی کا مسئلہ

ہم صفحاتِ گذشتہ میں کئی آیات سے واضح کر چکے ہیں۔ کہ حضورؐ پہ بذریعہ وحی صرف قرآن نازل ہوا تھا۔ اور آپ کا کوئی اور قول وحی کا درجہ نہیں رکھتا۔ چونکہ قرآن میں صرف مہماتِ مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ اور چھوٹی موٹی تفاصیل کو

۵۹	کاکوی	۲	کردستان	سنہ ۳۹۸ھ	سنہ ۴۴۳ھ	۴۵ سال
۶۰	سلاجقہ	۵۱	مغربی ایشیا	سنہ ۴۲۹ھ	سنہ ۷۰۰ھ	۲۷۱ ″
۶۱	دانشمندیہ	۵	ملاطیہ وغیرہ	سنہ ۴۹۰ھ	سنہ ۵۶۰ھ	۷۰ ″
۶۲	اتابکہ بوری	۶	دمشق	سنہ ۴۹۷ھ	سنہ ۵۴۹ھ	۵۲ ″
۶۳	زنگی	۲۰	شام وغیرہ	سنہ ۵۲۱ھ	سنہ ۶۴۸ھ	۱۲۷ ″
۶۴	امرائے بکتگینی	۳	اربلا	سنہ ۵۳۹ھ	سنہ ۶۳۰ھ	۵۱ ″
۶۵	امرائے ارتقیہ	۲۵	دیار بکر وغیرہ	سنہ ۴۹۵ھ	سنہ ۸۱۱ھ	۳۱۶ ″
۶۶	شاہان ارمینیہ	۸	ارمینیہ	سنہ ۴۹۳ھ	سنہ ۶۰۴ھ	۱۱۱ ″
۶۷	امرائے آذربائیجان	۵	آذربائیجان	سنہ ۵۲۱ھ	سنہ ۶۲۲ھ	۱۹ ″
۶۸	سلغریہ	۹	فارس	سنہ ۵۴۳ھ	سنہ ۶۸۶ھ	۱۴۳ ″
۶۹	ہزار اسپیہ	۱۴	لورستان	سنہ ۵۴۳ھ	سنہ ۷۴۰ھ	۱۹۷ ″
۷۰	شاہانِ خوارزم	۸	خوارزم	سنہ ۴۷۰ھ	سنہ ۶۲۸ھ	۱۵۷ ″
۷۱	خانانِ قتلغیہ	۸	کرمان	سنہ ۶۱۹ھ	سنہ ۷۰۳ھ	۸۴ ″
۷۲	آلِ عثمان	۳۷	قسطنطنیہ	سنہ ۶۹۹ھ	سنہ ۱۳۳۶ھ	لہ
۷۳	خانان مغول	۳۴	زنگاریہ وغیرہ	سنہ ۶۰۳ھ	سنہ ۱۰۴۳ھ	۴۴۰ ″
۷۴	مغول فارسی	۱۷	فارس	سنہ ۶۵۴ھ	سنہ ۷۵۰ھ	۹۶ ″
۷۵	خانانِ اردو	۴۰	شمال سیحون	سنہ ۶۲۱ھ	سنہ ۹۰۷ھ	۲۸۶ ″

لہ آلِ عثمان کا سلسلہ سنہ ۱۹۱۸ء میں ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مصطفےٰ کمال اتاترکؒ نے اتحادی اقوام کو ترکی سے نکال کر ایک جمہوریہ کی بنیاد ڈال دی جس کا پہلا صدر خود اتاترک تھا۔ دوسرا عصمت انونو اور آج کل سنہ ۱۹۵۳ء میں کمال بائر ہے۔ برقؔ

۷۶	خانان القرم	۶۲	القرم	سنہ ۸۲۳ھ	سنہ ۱۱۹۷ھ	۳۷۴ سال
۷۷	خانانِ چغتائی	۲۸	ترکستان	سنہ ۶۲۴ھ	سنہ ۷۶۰ھ	۱۳۶ 〃
۷۸	جلائری	۶	عراق	سنہ ۷۳۶ھ	سنہ ۸۱۴ھ	۷۸ 〃
۷۹	مظفری	۶	فارس وغیرہ	سنہ ۷۱۳ھ	سنہ ۷۹۵ھ	۸۲ 〃
۸۰	سربداری	۱۲	خراسان	سنہ ۷۳۷ھ	سنہ ۷۸۳ھ	۴۶ 〃
۸۱	کرتی	۸	ہرات	سنہ ۶۴۳ھ	سنہ ۷۹۱ھ	۱۴۸ 〃
۸۲	قراقویون لو	۵	آذربائیجان	سنہ ۷۸۰ھ	سنہ ۸۷۴ھ	۹۴ 〃
۸۳	امرائے آق قویون لو	۱۲	〃	سنہ ۷۸۰ھ	سنہ ۹۰۸ھ	۱۲۸ 〃
۸۴	شاہانِ ایران	۲۳	طہران	سنہ ۹۰۷ھ	جاری ہے	
۸۵	تیموری	۱۱	ترکستان	سنہ ۷۷۱ھ	سنہ ۹۰۶ھ	۱۳۵ 〃
۸۶	شیبانی	۲۰	〃	سنہ ۹۰۶ھ	سنہ ۱۰۰۷ھ	۱۰۱ 〃
۸۷	امرائے منگیت	۶	〃	سنہ ۱۲۰۰ھ	سنہ ۱۲۸۴ھ	۸۴ 〃
۸۸	شاہانِ خیوا	۳۵	〃	سنہ ۹۲۱ھ	سنہ ۱۲۸۹ھ	۶۸ 〃
۸۹	شاہانِ خوقند	۱۹	〃	سنہ ۱۱۱۲ھ	سنہ ۱۲۹۳ھ	۱۸۱ 〃
۹۰	جانی	۱۱	استرخان	سنہ ۱۰۰۷ھ	سنہ ۱۲۰۰ھ	۱۹۳ 〃
۹۱	غزنوی	۲۲	افغانستان و پنجاب	سنہ ۳۵۱ھ	سنہ ۵۸۲ھ	۲۳۱ 〃
۹۲	غوری	۱۰	افغانستان و ہند	سنہ ۵۴۳ھ	سنہ ۶۱۲ھ	۶۹ 〃
۹۳	سلاطینِ دہلی	۳۸	دہلی	سنہ ۶۰۲ھ	سنہ ۹۶۲ھ	۳۶۰ 〃
۹۴	ملوکِ بنگال	۵۶	کلکتہ	سنہ ۵۹۹ھ	سنہ ۹۸۴ھ	۳۸۵ 〃
۹۵	ملوکِ جونپور	۶	جونپور	سنہ ۷۹۶ھ	سنہ ۹۰۵ھ	۱۰۹ 〃
۹۶	ملوکِ مالوہ	۷	مالوہ	سنہ ۸۰۴ھ	سنہ ۹۳۷ھ	۱۲۳ 〃

۹۷	گجرات	۱۴	گجرات	سنہ ۷۹۹ھ	سنہ ۹۸۰ھ	۸۱ سال
۹۸	خاندیس	۱۱	خاندیس	سنہ ۸۰۱ھ	سنہ ۱۰۰۸ھ	۲۰۷ "
۹۹	ملوک بہمنی	۱۸	دکن	سنہ ۷۴۸ھ	سنہ ۹۳۳ھ	۱۸۵ "
۱۰۰	" عمادیہ	۵	برار	سنہ ۸۹۰ھ	سنہ ۹۸۰ھ	۹۰ "
۱۰۱	" کشمیر		کشمیر	سنہ ۷۳۵ھ	سنہ ۹۹۵ھ	۲۶۰ "
۱۰۲	" نظامیہ	۱۰	احمد نگر	سنہ ۸۹۶ھ	سنہ ۱۰۰۴ھ	۱۰۸ "
۱۰۳	" بریدیہ	۵	بیدر	سنہ ۸۹۷ھ	سنہ ۱۰۱۸ھ	۱۲۱ "
۱۰۴	" عادلیہ	۸	بیجاپور	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ	۲۰۲ "
۱۰۵	" قطبیہ	۵	گولکنڈہ	سنہ ۹۱۸ھ	سنہ ۱۰۹۸ھ	۱۸۰ "
۱۰۶	" مغل	۲۱	دہلی	سنہ ۹۳۲ھ	سنہ ۱۲۷۵ھ	۳۴۳ "
۱۰۷	افغانستان	۱۶	کابل	سنہ ۱۱۶۰ھ	جاری ہے	
۱۰۸	سلطنتِ سعودیہ[1]	۱	ریاض	سنہ ۱۳۴۲-۴۳ھ	جاری ہے	
۱۰۹	ملوکِ عراق[1]	۳	بغداد	سنہ ۱۳۳۸-۳۹ھ	جاری ہے	
۱۱۰	پاکستان		کراچی	سنہ ۱۳۶۶ھ	جاری ہے	
۱۱۱	انڈونیشیا		جاوا	سنہ ۱۳۶۸ھ	جاری ہے	

نوٹ :- یہ معلومات صحیح ترین اور بہترین ماخذ سے حاصل کی گئی ہیں۔

[1] ۱۰۸ و ۱۰۹ کی تواریخ قیاساً درج کر دی گئی ہیں۔ ممکن ہے اصلی تواریخ اور ان میں کچھ اختلاف ہو۔

باب ۱۲

بعض سورتوں کے مطالب

والفجر جب ایک ملزم کے پاس اپنی مدافعت کے لئے کوئی شہادت موجود نہیں ہوتی تو وہ اللہ کی قسم کھا کر اپنی برأت ثابت کیا کرتا ہے۔ بدیگر الفاظ وہ اللہ کی شہادت پیش کرتا ہے اس لئے قسم کے معنی ہوں گے، شہادت، دلیل اور ثبوت وَالْفَجْرِ ۙ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۚ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۗ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۙ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ (فجر ا تا ۷)

تشریح الفاظ:۔ اَلْفَجْرِ: اس فجر سے مراد صبح ہے۔

لَيَالٍ عَشْرٍ: دس راتوں سے مراد حج کی راتیں ہیں۔ ہمارے ہاں حج کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ تمام مسلمانانِ عالم کے نمائندے ایک لباس میں ایک مرکز پر جمع ہو کر ہر سال اپنی طاقت، وحدت اور تنظیم کا مظاہرہ کیا کرتے ہیں۔

اَلشَّفْعِ: جفت اعداد۔

اَلْوَتْرِ: وہ اعداد جو دو پر تقسیم نہ ہو سکیں یعنی اَحاد، جس طرح کہ ایک سے ایک مل جائے تو گیارہ بن جاتے ہیں، اسی طرح آغازِ اسلام میں مسلمان منظم و متحد ہو کر ایک مہیب طاقت بن گئے تھے اور آج منتشر ہو کر پٹ رہے ہیں۔ اعداد کے ذکر میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ مسلم الجبرا کے موجد ہوں گے۔ انقلاب زمانہ دیکھئے کہ آج یونیورسٹی

امتحانات میں مسلمانوں کی کثرت حساب ہی میں فیل ہوتی ہے۔

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ: تمام عرب ارم بن سام کی اولاد ہیں اور عاد ثمود اسلاف عرب تھے، جو عراق سے ہجرت کر کے عرب میں پہنچے تھے۔ عرب کی ایک شاخ عمالقہ کے سوا باقی تمام شاخیں مٹ چکی ہیں۔ یہ عمالقہ عراق و مصر پر ۳۴۶۰ سنہ سے ۲۸۱ سنہ ق م تک حکمران رہے اور رُعاۃ کہلائے۔ عراق پر مختلف زمانوں میں مختلف اقوام حکمران رہیں مثلاً مادبین۔ کلدانی، اشوری، دولۃ البابلیۃ الاولیٰ۔ مؤخر الذکر خالص عربوں کی حکومت تھی جس کے فرماں رواؤں کی تعداد گیارہ تھی۔ ان میں سے ایک کا نام حمورابی تھا جو مسیح سے تئیس سو برس پہلے گزرا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اسی عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کی حکومت کے ضابطۂ قوانین (جس میں دو سو اسی قوانین ہیں) کا ایک نسخہ سنہ ۱۹۰۱ء میں بلادِ سوس میں دستیاب ہوا تھا، یہ پتھر کی سات قدم لمبی ایک سل پر مسماری حروف میں منقوش تھا۔ طسو اور جدیس بھی انہی عربوں میں سے تھے۔

عاد و ثمود ۲۲۰۰ سنہ ق م میں عرب میں داخل ہوئے اور یمن میں ایک حکومت کی بنیاد ڈالی جو دولۃ معینیین کے نام سے مشہور ہوئی، یہ حکومت سبا و حمیر کی حکومت سے بڑی تھی۔ اس کے دو سو تینتیس کتبے ایک انگریز سیاح ہیلف کے ہاتھ لگے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکومت خلیج فارس سے بحر ابیض کے سواحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور اسے آخر میں قحطانیوں نے تباہ کیا تھا۔

بعض مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ اہرام مصر عادی فرمانرواؤں کے تیار کردہ ہیں اور غالباً اس آیت ارم ذات العماد میں عماد سے مُراد یہی اہرام مصر ہیں۔

ترجمہ آیت: صبحِ رسالت کا طلوع، تنظیم و اتحاد کی دس راتیں، آحاد و ازواج کا سلسلہ

اور کفر کی بستی ہو تی رات شاہد ہے ۔ کیا اہلِ دانش کے لئے یہ شہادت کافی نہیں کہ بدکار کا
انجام بُرا ہو گا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے بنا رہا نیوالے عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔
مطلب یہ ہے کہ صبحِ رسالت طلوع ہو چکی ہے مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر متحد ہو رہے
ہیں، ایک سے دو اور دو سے چار بن رہے ہیں۔ علوم و فنون کی بنیاد ڈال رہے ہیں، کفر و
شرک کی ظلمتیں پھٹ رہی ہیں تو کیا ان حالات میں وہ اقوام زندہ رہ سکتی ہیں جن میں تنظیم
نہیں، وحدت نہیں، رسولِ مقبول جیسا کوئی رہبر نہیں اور علوم کی طرف توجہ نہیں ؟ اہلِ
دانش کو یہ یقین تھا کہ یہ تمام اقوام عاد ارم کی طرح مٹ جائیں گی اور آخر ایسا ہی ہوا۔
جس طرح ایک کے عدد سے لا متناہی اعداد بنے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی
اسی طرح ایک خدا سے لاکھوں قسم کے موجودات نکلے اور پھر بھی وہ ایک کے ہندسے
کی طرح بے تغیر و تبدل موجود ہے۔
ایک کا کوئی جزو نہیں، اور نہ دیگر غیر متناہی اعداد میں اس کی کوئی اور مثال موجود ہے
بس یہی حال اللہ کا ہے کہ غیر منقسم بھی ہے اور بے مثال بھی۔
ایک کا عدد تمام دیگر اعداد کا منبع ہے، اسے مٹا دیجئے تو دیگر اعداد خود بخود مٹ
جائیں گے لیکن اگر باقی تمام اعداد مٹ جائیں تو بھی ایک کا عدد باقی رہے گا۔ یہی تعلق خدا
اور کائنات کا ہے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (رحمٰن ۲۶-۲۷)	تمام موجودات فنا ہو جائیں گے لیکن بزرگ و برتر رب باقی رہے گا۔

الذاریات | جب آفتاب پانی پر چمکتا ہے تو پانی بخارات کی صورت بدل کر اوپر
چلا جاتا ہے، وہاں سے برستا ہے تو زمین پر ہر سو چمن زار کھل جاتے ہیں۔ دریاؤں، نالوں

اور ندیوں میں طغیانی آجاتی ہے۔

رسُول ایک آفتاب ہوتا ہے جو انسانی دُنیا پر چمک کر جاہل، بے کار کُن اور سلیم الفطرت افراد واقوام کو اخلاقی، تمدنی و سیاسی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے، جہاں سے وہ بارانِ رحمت بن کر برستے ہیں، ہر طرف لالہ زار کھل جاتے ہیں اور کاہل و بے کار لوگ خس و خاشاک کی طرح اس سیلاب میں بہہ نکلتے ہیں۔

آغازِ آفرینش سے اب تک ضابطۂ اخلاق ایک رہا ہے۔ گو صحفِ مقدسہ کی بعض فروعی ہدایات ایک دُوسرے سے مختلف تھیں لیکن اصُول سب کے ایک تھے۔ فضا میں کروڑوں بڑے بڑے آفتاب گزرگاہوں پر نہایت تندہی سے گھوم رہے ہیں ان کی حرکات ایک دُوسرے سے مختلف ہیں لیکن سب کے سب ایک ہی آئین کو نباہ رہے ہیں اسی طرح تمام انبیائے کرام بعض فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی امرِ عظیم کی طرف دعوت دیتے رہے اور ایک ہی آئین کو مختلف عبارتوں اور زبانوں میں پیش فرماتے رہے اگر حرکاتِ نجوم کے اختلاف پر نکتہ چینی کی کوئی گنجائش نہیں تو پھر مصلحین کرام کی مقدس تعلیم پر جہاں اختلاف محض جزوی و فروعی ہے، یہ سر پھٹول کیوں ہو؟

والذّٰریٰتِ ذروًا ۙ فالحٰملٰتِ وقرًا ۙ فالجٰریٰتِ یُسرًا ۙ فالمقسّمٰتِ امرًا ۙ انما توعدون لصادقٌ ۙ وان الدّین لواقع ۙ والسماءِ ذاتِ الحُبُک ۙ انکم لفی قولٍ مختلفٍ ۙ (الذاریات ۱تا۸)	قسم ہے ان ہواؤں کی جو ذرات کو تکوینِ باراں کیلئے اڑا لے جاتی ہیں جو بادلوں کی ایک دنیا کندھوں پر لئے پھرتی ہیں جو کسی دکھ کے بغیر چلتی اور ہر طرف قطراتِ باراں کو تقسیم کرتی پھرتی ہیں کہ تم سے جو وعدے کئے گئے ہیں وہ پورے ہو کے رہیں گے اور جزا و سزا کا نظام قائم ہو کر رہے گا۔ مختلف گزرگاہوں والے آسمان کی قسم کہ تم تعلیم انبیاء کے متعلق خواہ مخواہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہو۔

الطور | حضرت موسیٰ کوہِ طور پر اس لئے تشریف لے گئے تھے کہ نجاتِ انسانی کا ضابطہ حاصل کریں اور اسی مقصد کے لئے ہزارہا انبیاء گلۂ آدم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ کعبہ کی تعمیر کا مقصد بھی یہی تھا کہ طبقاتِ انسانی ایک مرکز پر جمع ہو کر وسائلِ امن و سلام پر غور کریں یہ فضا میں سیاروں کا محیر العقول نظام ہماری تربیت کے لئے ہے۔ بطنِ زمین میں کھولتے ہوئے سمندر اسی لئے رکھے گئے ہیں کہ وقتاً فوقتاً اُبل کر مکنوناتِ ارضی کے ذخائر ہم تک پہنچائیں۔

کہو کہ کیا ان بے شمار نعمتوں کو استعمال کرنے والے انسان سے اس کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا؟ کیا ضوابطِ انبیاء کے منکر استعمالِ کعبہ سے ناآشنا، آفتاب و ماہتاب کے پکائے ہوئے پھل کھا کر غافل سو جانے والا انسان پاداشِ عمل سے بچ جائے گا؟ ہرگز نہیں!

والطور ۝ وکتٰب مسطور ۝ فی رق منشور ۝ والبیت المعمور ۝ والسقف المرفوع ۝ والبحر المسجور ۝ ان عذاب ربک لواقع ۝ ما لہ من دافع ۝ (طور ۱-۸)

کوہِ طور کی قسم کھلے کاغذات میں لکھی ہوئی کتاب (قرآن اور دیگر صحائف جو اتحادِ تعلیم کی وجہ سے ایک ہی کتاب سمجھے جاتے ہیں) کی قسم، آباد کعبہ کی قسم، اس بلند آسمان اور ابلتے ہوئے سمندر کی قسم کہ اللہ کا عذاب آیا ہی چاہتا ہے، جسے روکنے والا کوئی نہیں۔

والنجم | جس طرح ہر ستارہ انسانی دنیا کا رہبر ہے، اسی طرح آں حضرت صلعم ابنِ آدم کے ہادی و معلم تھے جس طرح ستارہ نور و ضیا کا منبع ہے اسی طرح آنحضرت نورِ ہدایت کے مصدر تھے جس طرح ستارہ اپنی گزرگاہ پر سیدھا جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ کے معین کردہ صراطِ مستقیم پر سیدھے چلتے رہے جس طرح کہ ہر ستارے کی حرکت پر ایک نگران موجود ہے اسی طرح آنحضرت بھی اللہ کی نگرانی میں تھے اور جس طرح ستارہ غروب تو ہوتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا اسی طرح آنحضرت صلعم بعد از مرگ بھی اپنی بے پناہ تعلیم اور کروڑوں نام لیواؤں کی بدولت زندہ ہیں۔

آپ نے جس عظیم الشان شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی تھی، اس کے چند در و دیوار بدستور موجود ہیں۔ آپ کی بنائی ہوئی بین الملتی جمہوریت آج پھر زندہ ہو رہی ہے اور دنیا چوٹ کھا کر آپ کے اصولوں کی طرف دوبارہ لوٹ رہی ہے۔ والنجم اذا ھوٰی ۝ ما ضل صاحبکم وما غوٰی وما ینطق عن الھوٰی ۝ ان ھو الا وحی یوحٰی ۝ (نجم ۱-۴)

ھوٰی کے معنی لغت میں طلوع و غروب ہر دو ہیں۔ ھوٰی ھَوِیًا اذا غرب وَھُوِیًّا اذا علا و صعَد۔

ترجمہ آیت: "قسم ہے ستارے کی جب وہ افق سے نکل کر اپنی گزرگاہ پر سیدھا چل پڑے کہ تمہارا دوست (رسولؐ) اپنی سیدھی راہ سے ذرہ برابر نہیں بھٹکا۔ وہ تم سے کوئی من گھڑت باتیں نہیں کہتا بلکہ ہمارا دیا ہوا پیغام سناتا ہے۔"

ایک ارادت مند یا سعادت مند شاگرد اپنے استاد کے اخلاق و اطوار سے بسا اوقات یہاں تک متاثر ہوتا ہے کہ استاد کا اسوہ عمل اس کی زندگی کے ہر پہلو پر چھا جاتا ہے اور ہر بات میں اپنے استاد کی نقل کرتا ہے۔

ہمارے سامنے آنحضرتؐ جیسا شاگرد ہے اور خود خالق کائنات معلم۔ یہ شاگردی استادی کا سلسلہ پہلے بذریعہ نامہ و پیام شروع ہوا اور پھر یہ ایک دوسرے کے اس قدر قریب آگئے کہ درمیان میں صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا۔

علمہ شدید القوٰی ۝ ذو مرۃ ۝ فاستوٰی ۝ وھو بالافق الاعلٰی ثم دنا فتدلّٰی ۝ فکان قاب قوسین او ادنٰی ۝ فاوحٰی الٰی عبدہٖ ما اوحٰی ۝ (النجم ۵-۱۰)

مفسرین کرام نے شدید القوٰی سے مراد جبریل لئے ہیں اور فاوحٰی الٰی عبدہٖ میں کا فاعل اللہ قرار دیا ہے جو محض تکلف ہے میری ناقص رائے میں اگر شدید القوٰی

سے اللہ مراد لیا جائے تو تفسیر میں زیادہ حسن پیدا ہو جاتا ہے اور دنا کا بھی کا فاعل بھی تلاش کرنے سے نجات مِل جاتی ہے۔

ترجمہ آیت: آں حضرت کو طاقت ور اور پرہیبت رب نے تعلیم دی (پرہیبت استاد سے طلبہ زیادہ مستفیض ہوتے ہیں) اللہ ایک بلند افق پر جلوہ فرما تھا جہاں سے وہ نیچے اُترا اور قریب آتا گیا۔ یہاں تک کہ استاد شاگرد میں صرف دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا اس کے بعد اللہ نے اپنے پیارے بندے کو جو سمجھانا تھا سمجھایا۔

سورۃ البلد (الف) مکہ مکرمہ زمانہ جاہلیت میں بھی بیت اللہ سمجھا جاتا تھا جہاں شکار قتل اور جھگڑا ممنوع تھا لیکن اہل مکہ اسی شہر میں آنحضرت کو ایذا پہنچاتے تھے۔ اگر دنیا کے مقدس ترین شہر میں ایک مقدس ترین انسان، انسانی دست درازیوں سے محفوظ نہ رہ سکا تو دنیا کی باقی بستیوں میں عام انسانوں پر کیا بیت رہی ہو گی؟

(ب) انسانی ولادت پر غور کرو، انسان ظلمتِ شکم میں نو ماہ تک رہنے کے بعد کس تکلیف سے جنم لیتا ہے اور کتنی مصیبتوں کے بعد پلتا ہے۔ زندگی کا کوئی مرحلہ دکھ درد سے خالی نہیں، عیالداری کی الجھنیں، طلبِ علم و تلاش معاش کی صعوبتیں اور قلبہ رانی و بار برداری کی مصیبتیں تادم واپسیں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ تو پھر انسان جو جفاؤں کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے، کیوں نہ ذرا اور دکھ اٹھا کر سعادتِ جاوداں کی گھاٹی پر چڑھنے کی کوشش کرے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۔

(ج) انسان کی تمام زندگی تلاشِ سکون میں کٹ جاتی ہے لیکن یہ نعمت اسے پھر

۱؎ فاضل مصنف نے شدید القویٰ سے اللہ تو مراد لے کر نہایت مستحسن اقدام کیا ہے (البیان)

بھی حاصل نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ انسانی سعادت و شقاوت کی باگ ڈور کسی اور طاقت کے ہاتھ میں ہے۔ ایحسب ان لن یقدر علیہ احد (البلد)

(د) انسان ہمیشہ شکایت کیا کرتا ہے کہ اس نے لاکھوں روپے کمائے لیکن اطمینان کی دولت سے پھر بھی محروم رہا۔ کاش اسے معلوم ہوتا کہ اطمینان فراوانیٔ دولت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ نعمت اعضاء و جوارح کے صحیح استعمال سے میسّر ہوتی ہے۔ اعضاء کا صحیح استعمال کیا ہے؟ اس کا جواب صحفِ سماویہ کے علاوہ خود انسانی ضمیر میں بھی موجود ہے۔

وھدینٰہ النجدین | ہم نے انسان کو سعادت و شقاوت کی دونوں راہیں دکھا دی ہیں۔

(ر) دُنیا کے بڑے بڑے مصلح بے شمار جسمانی اذیتیں سہتے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے لیکن پھر بھی خوش تھے یہ اس لئے کہ وُہ اعضا کا صحیح استعمال کرنے کے بعد اطمینانِ قلبی کی نعمت سے بہرہ در ہو چکے تھے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۭ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۭ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۭ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ڮ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۭ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ	قسم ہے مکہ کی اور تم مکہ میں عنقریب فاتحانہ داخل ہوا چاہتے ہو (جہانگیر ہو) اور قسم ہے جننے والی ماں اور جنے ہوئے بچے کی ہم نے انسان کو دکھوں میں پیدا کیا ہے انسان کا یہ خیال کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں غلط ہے۔ وہ چلاتا ہے کہ اس نے بے شمار دولت ضائع کی لیکن اسے چین نہ ملا کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کی کوششوں پر کوئی نگران موجود نہیں؟ وہ کیوں اپنے اعضاء کو صحیح طریق پہ استعمال نہیں کرتا؟ کیا ہم نے اسے دو آنکھیں زبان اور ہونٹ بلاوجہ عطا کئے ہیں؟ اور سعادت و شقاوت کی دو راہیں دکھانے کی خواہ مخواہ تکلیف کی ہے؟ افسوس کہ انسان حریت پاکردار کی

مَسْغَبَۃٍ ○ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ ○ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ ○ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ ○ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ○ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا ھُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ ○ عَلَیْھِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَۃٌ ○ (بلد)

گھاٹی پر نہ چڑھا۔ جانتے ہو کہ یہ گھاٹی کیا ہے؟ غلام افراد و اقوام کو آزاد کرانا، رشتہ دار یتیموں اور خاک آلود مسکینوں کو ایام قحط میں کھانا کھلانا اور دنیا کو صبر و شفقت کا درس دینا کہ یہی لوگ نجات پائیں گے اور ہمارے احکام کی مخالفت کرنے والے عذاب جہنم کا شکار بنیں گے۔

الشمس فلاحِ انسانی کا انحصار تزکیۂ دل و دماغ پر ہے۔ یہ تزکیہ اعمالِ حسنہ اور مطالعۂ فطرت سے حاصل ہوتا ہے۔ آفتاب و ماہتاب کی نور پاشیاں اور ارض و سما کے دیگر مناظر کا مطالعہ انسانی دل و دماغ پر وہ کیفیتِ خشیتہ و حیرت طاری کر دیتا ہے کہ طائرِ تخیل ان جمیل فضاؤں کو چیر کر خیام قدس تک پہنچنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے جس طرح حسنِ کائنات آفتاب کا رہینِ منت ہے، اسی طرح بزمِ انسانی کی رونقیں تزکیۂ دل و دماغ پر موقوف ہیں جس طرح بادل نورِ آفتاب کو روک لیتے ہیں، اسی طرح گناہوں کی ظلمتیں انوارِ نفس کو ڈھانپ لیتی ہیں اور دُنیائے دِل ایک ظلمت کدہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اعمالِ حسنہ میں سب سے بڑا عمل مطالعۂ کائنات ہے کہ اس سے جہاں انسان کی مخفی طاقتیں بے حجاب ہوتی ہیں۔ وہاں فطرت کا سب سے بڑا راز یعنی اللہ متلاشی نگاہوں کے سامنے عریاں ہو جاتا ہے۔

کنت کنزا مخفیا فاردت ان اعرف فخلقت آدم (حدیث)

مَیں ایک مخفی خزانہ تھا، مَیں نے بے حجاب ہونا چاہا اس مقصد کے لئے انسان کو پیدا کر دیا۔

چونکہ فطرت میں ہر سُو نہایت حسین و جمیل مناظر بکھرے پڑے ہیں جن میں سے ہر ایک پر معبود ہونے کا دھوکا ہو سکتا ہے اس لئے پیروِ ابراہیمؑ کو مطالعہ کائنات کے وقت ابراہیمی

نظر سے کام لینا ہوگا، نہ کہ مشرکانہ سطحیت سے کہ کبھی چاند کے سامنے سر جھکا دیا اور کبھی سورج کے سامنے۔

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ (آل عمران ۹۵)

تم خدا پرست ابراہیم کے پیچھے چلو اور یاد رکھو کہ وہ مشرک نہ تھا۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ○ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ○ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ○ وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰهَا ○ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ○ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ○ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس ۱-۱۰)

آفتاب، ضیائے آفتاب، اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے والے ماہتاب، کائنات کو بے نقاب کر دینے والے دن، روشنیوں پر حجاب پھینکنے والی رات، ارض و سما کے حسین و جمیل مناظر اور انسان کی فطرتِ کاملہ (جسے ہم نے گناہ و ثواب کی تمام راہیں بتا دی ہیں) کی قسم کہ تزکیۂ نفس باعثِ فلاح اور آلودگیٔ نفس باعثِ خسران و نامرادی ہے۔

اللّیل ہماری زمین فضائی دنیاؤں کے مقابلے میں ایک ذرہ دبیقراطیسی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ جب رات مناظرِ ارضی کو ڈھانپ لیتی ہے تو پہنائے فلک کی لامتناہی دنیاؤں کو عریاں کر دیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر دن زمینی نیرنگیوں کو بے حجاب کرتا ہے تو گردوں کے لاتعداد عوالم کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔

موت زندگی کی شام ہے جس کے آتے ہی اس دنیا کے مناظر اوجھل ہو جائیں گے اور وہ تمام اسرار جو نصف النہارِ حیات میں چشمِ بینا سے نہاں تھے، عیاں ہو جائیں گے۔

تھیں بنات النعش گردوں دن کے پردے میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں (غالب)

اللّیل لیل و نہار اور مؤنث و مذکر کا اختلاف دراصل ایک اکمل و اجمل نظام کا حامل ہے جس طرح یہ اختلاف حسنِ فطرت ہے، اسی طرح قبائلِ انسانی کے تنوع سے بزمِ انسان کی بہار

قائم ہے اقوام کا عمل، منہج، تمدن اور رنگِ تفکر ایک دوسرے سے جدا جدا ہے۔ اسی اختلاف سے روحِ مقابلہ زندہ ہے۔ ایک قوم کے عروج سے دوسری میں رشک پیدا ہوتا ہے اور اگر آج یہ جذبہ سرد پڑ جائے تو انسانوں کی دنیا ڈھوروں کی دنیا بن کر رہ جائے۔ اقوام و افراد ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش ترک کر دیں اور ہر سینے میں چراغِ جستجو بجھ جائے۔

کامیابی کوشش کا نام ہے، جو لوگ تعمیری کوششوں میں جانی و مالی ایثار سے کام لیتے ہیں وہ کامران بن جاتے ہیں اور جو ان قربانیوں سے دور بھاگتے ہیں انہیں پیس دیا جاتا ہے۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ○ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ○
وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ○ إِنَّ سَعْيَكُمْ
لَشَتَّىٰ ○ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ○ وَصَدَّقَ
بِالْحُسْنَىٰ ○ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ○ وَأَمَّا مَنْ
بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ○
فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ○ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ
مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ○ (اللیل ۱ تا ۱۱)

سیاہ رات، روشن دن اور مونث و مذکر کے اختلاف کی قسم کہ تم انسانوں کے اعمال میں اختلاف ہے جس قوم یا فرد نے مالی قربانی کی، نافرمانی کے نتائج سے ڈرا اور حسنات کو اختیار کیا تو اسے راحت و سعادت نصیب ہوگی اور جس نے بخل سے کام لیا۔ قوانینِ فوز و فلاح سے بے پروائی برتی اور ہر اچھی ہدایت کو جھٹلایا تو ہم اسے مصائب کا شکار بنا دیں گے اور اسکی دولت اسے تباہی سے نہیں بچا سکے گی۔

الضحیٰ حدیث میں مذکور ہے کہ کچھ عرصے کے لیے آنحضرت صلعم پر وحی کا نزول بند ہو گیا تھا۔ اس سے آپ کی طبیعت مکدر رہنے لگی اور کفار طعنے دینے لگے کہ لو آپ کی رسالت ختم ہو گئی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ سورت نازل ہوئی۔

جس طرح دنیا میں لیل و نہار کا سلسلہ قائم ہے اور ہر دو الٰہی رحمت ہیں اسی طرح وحی کا آنا یومِ رسالت اور رک جانا شبِ رسالت ہے اور ہر دو رحمت ہیں۔

جس اللہ نے ایک یتیم پر اس قدر نوازشیں کیں کہ اسے پالا، دشمنوں سے بچایا، تاجِ رسالت سر پر رکھا اور چرواہے سے سلطانِ عالم بنا ڈالا تو کیا آئندہ کے لئے اسے اپنی نوازشوں سے محروم کر دے گا۔

وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ۝ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی ۝ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۝ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ)

روزِ روشن اور شبِ سیاہ کی قسم کہ اللہ نے نہ تو تمہیں رخصت کیا اور نہ وہ ناراض ہے تمہارا انجام آغاز سے بہتر ہوگا (دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی) اور تمہیں یوں کامیاب بنائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے تم ایک یتیم تھے ہم نے تمہیں اپنی پناہ میں لیا۔ تم اصلاحِ قوم کے وسائل سوچنے میں حیران تھے اور اسی ایک خیال میں کھوئے تھے ضَآلًّا ہم نے تمہیں فوز و فلاح کے گُر بتائے۔ فَهَدٰی تم نقیر تھے اور ہم نے علم و سلطنت دے کر تمہیں دولتمند بنایا (تم یتیم رہ چکے ہو) اس لئے یتیموں پر رحم کھایا کرو، سائل کو مت ڈانٹو اور الٰہی نعمتوں کا ہر جگہ ذکر کیا کرو۔

التِّین انجیر (تین) سریع الهضم، ملین، محلل بلغم، گُردوں کو صاف کرنے والا اور مثانہ کی ریت بہا لے جانے والا میوہ ہے۔ طور مشہور پہاڑ ہے جہاں حضرت کلیمؑ کو اللہ سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا تھا۔ پہاڑ عموماً معادن کے خزانے ہوتے ہیں لیکن طور تعلیم وحی بھی تھا۔ مکّہ مولدِ رسولؐ اور مقامِ کعبہ ہے۔

اگر اللہ میووں، پہاڑوں اور شہروں کو منبعِ برکات بنا سکتا ہے تو کیا انسان کی تخلیق ہی ناقص ہونا تھی۔

سرزمینِ بابل میں انجیر کی کثرت تھی اور یروشلم کے گرد و نواح میں زیتون کی فراوانی۔

طور کا تعلق حضرت موسیٰؑ اور مکہ کا آنحضرت صلعم سے ہے۔ ان چار چیزوں کا ذکر فرما کر اللہ نے ہمیں ان چار انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ کیا جو کفرستان میں پیدا ہونے کے باوجود اپنی بہترین فطرت کی بدولت شموس ہدیٰ بن کر چمکے۔ اگر انسان کی فطرت ناقص ہوتی تو یہ مصلحین کرام اس تاریک ماحول اور گناہ آلود دنیا میں باآب و تاب کیونکر جلوہ گر ہوتے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۙ

(سرزمین) تین و زیتون اور طور و مکہ کی قسم کہ ہم نے انسانوں کو بہترین فطرت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

العلق اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۙ (علق ۱تا۵)

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ میں اگر قَلَم کو عَلَّمَ کا فاعل سمجھا جائے تو تفسیر میں زیادہ حُسن پیدا ہو جاتا ہے یعنی قلم نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جس سے وہ نا آشنا تھا ظاہر ہے کہ تہذیب و تمدن کا ارتقاء قلم کا رہین منت ہے۔ اگر اسلاف کے افکار ہم تک بذریعہ قلم نہ پہنچتے تو ہم بدستور تہذیب کے ابتدائی مراحل میں ہوتے۔

یہ وہ پہلی آیات ہیں جو آنحضرتؐ پر غارِ حرا میں نازل ہوئی تھیں۔ غور فرمائیے کہ اس پہلے سبق ہی میں کس زور سے کائنات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تم اس رب کے نام سے پڑھو جس نے جونک سے انسان بنایا.....؟

انسان ماں کے رحم میں ایک مرحلے پر جونک تھا۔ رفتہ رفتہ انسان بنا اور پھر مختلف مدارجِ تہذیب و تمدن سے گزر کر سلطنت و نبوت کے درجے تک پہنچا۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ جاہل عرب وحشت و بربریت کی ظلمتوں سے نکل کر فلاح و ہدیٰ کے جلوہ زاروں میں جا پہنچیں؟

ہم والد کی تعظیم اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا مربی اور بظاہر رزاق ہے استاد کے

سامنے اس لیے جھکتے ہیں کہ وہ اخلاقی معلّم ہے اور مرشد کا ادب اس لیے کہ وہ ہادی و رہبر ہے۔ اللہ تعالیٰ میں یہ تمام اوصاف بدرجہ کمال موجود ہیں۔ وہ ہمارا خالق و رازق بھی ہے۔ ہادی و رہبر بھی ہے اور معلم و مرشد بھی۔ اس لیے وہ بہت زیادہ تعظیم کے قابل ہے۔ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ اللہ نے قلم کی قسم کھائی اور انسانی ذہن و زبان کو نظر انداز کر دیا حالانکہ تحریر احساسات ذہنی ہی کی تصویر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہنی تصورات مٹ جاتے ہیں اور تحریر باقی رہتی ہے۔ بدیگر الفاظ قلم انسانی افکار کا محافظ ہیں اور اس لیے اسے بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ آیات ایک طرح کی پیش گوئی معلوم ہوتی ہے کہ عرب بہت جلد سیاست و تمدن کے منازل طے کرنے کے بعد دنیا کے معلم و ہادی قرار پائیں گے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بشارت کس طرح درست نکلی۔

ترجمہ آیت: پڑھ اور اس اللہ کا نام لے کر پڑھ جس نے انسان کو پہلے جونک اور پھر انسان بنایا۔ اس معزز و معظم رب کا نام لے کر پڑھ جس قلم کو علم دیا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جس سے وہ نا آشنا تھا۔

القدر

قدر کے معنی لغات میں یوں دیے گئے ہیں:

تقدیر، تکوین، تقسیم، تعیین، فیصلہ، اندازہ وغیرہ

قرآن حکیم کا نزول بلاریب تقسیم نعمت، تعیین صراط اور تکوین ملت کا پیغام تھا۔ بدکرداروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا اٹل فیصلہ اور باطل اقوام کے لیے دنیوی و اخروی ناکامیوں کا پر زور اعلان تھا۔ اس محشر بداماں صحیفے کا مقصد سطح ارضی پر ایک زبردست انسانی و سیاسی انقلاب برپا کرنا تھا۔ پست کو بلند اور بلند کو پست بنانا تھا۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ قرآن کریم کا نزول ایک ایسی رات میں ہوا جو اقوام عالم کے لیے ایک فیصلہ کن رات تھی۔ قیصر و کسریٰ کے زوال اور

پیروانِ رسولؐ کے عروج و ارتقا کی رات تھی ۔ اس رات کے پردوں میں سے سینکڑوں انقلابات ہیجانات اقوامِ مستقبل کو جھانک رہے تھے ۔ نظمِ کہن ٹوٹ رہا تھا اور نظامِ نو کا آفتاب پوری شان و شکوہ کے ساتھ افقِ انسانیت سے طلوع ہو رہا تھا ۔

اس وقت کفر و عصیاں کی شبِ تاریک تمام عالم پر محیط تھی ، اور اس رات کے آخری حصے میں قرآنی روشنیاں الہامی بلندیوں سے برسنا شروع ہوئیں تو جو رات کہ اہلِ زمین کی طرف آسمانی برکات کی بشارتیں لے کر آئی تھی وہ یقیناً ہزار مہینوں سے بہتر تھی ......

...... خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ط

اَلْفِ شَهْرٍ (ہزار ماہ) سے مراد زمانہ جاہلیت ہے ۔ یوں تو یہ زمانہ کئی سو سال لمبا تھا لیکن آخری اَسّی برس ہر لحاظ سے نہایت تاریک تھے ۔ الفجر آنحضرتؐ نے ایک نوجوان قوم کی بنیاد ڈالی تھی ۔ ہر چیز زندگی کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد کامل بنتی ہے ۔ گندم کا پودا چھ ماہ اور آم کا درخت آٹھ برس کے بعد مکمل ہوتا ہے ۔ اقوام کی رفتارِ عروج بہت زیادہ صبر آزما اور سست ہوتی ہے ۔ برطانیہ نو سو برس کے بعد ایک طاقتور سلطنت کا مالک بنا اور یہی حال دیگر اقوام کا ہے ۔

اس حقیقت سے ایک عالم آشنا ہے کہ خاندانِ امیہ کے آخری دَور میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں مشرق میں ملتان اور مغرب میں رود بارِ انگلستان تک پھیل چکی تھیں ۔ علوم و فنون کے چشمے پھوٹ رہے تھے اور بڑے بڑے محدث ، منجم ، مؤرخ اور فلسفی ابھر رہے تھے پھر جب خاندان عباسیہ برسرِ اقتدار آیا تو صوم کا گویا ایک سیلاب امنڈ پڑا ہزارہا اہلِ قلم نے جنم لیا اور لاکھوں کتابیں تصنیف ہوئیں ۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ بغداد میں بہتر دار الکتب موجود تھے اور بقول ڈاکٹر ڈریپر (معرکۂ مذہب و سائنس) زبیدہ والدہ امین کی ذاتی لائبریری میں چھ لاکھ کتابیں

تھیں۔ ایک مرتبہ ماموں اور شاہ روم کے درمیان جنگ چھڑ گئی جس میں مؤخر الذکر کو شکست ہوئی۔ ماموں کی علم نوازی دیکھئے کہ صرف ایک کتاب (المجسطی) لے کر ساری سلطنت شکست خوردہ بادشاہ کو واپس دے دی۔ اس دورِ نہضت میں علم کی سب سے زیادہ خدمت اہل ایران نے سرانجام دی تھی۔ علماء، اطباء، حکماء اور فلاسفہ کی ایک کثیر تعداد ایرانی تھی اور اس طرح آنحضرتؐ کا وہ ارشاد بھی پورا ہو کر رہا کہ

لو کان العلم بالثریا لنالہ رجل من اھل فارس۔

اگر علم ثریا میں بھی ہوگا تو ایران کا مرد اسے اتار لائے گا۔

تو یہ تھی وہ صبح جس کا ظہور کوفہ و بغداد سے ہوا تھا۔

علم کے بغیر کوئی حکمران قوم مہذب نہیں بن سکتی۔ تاتاریوں نے تھوڑی سی مدت میں تمام اسلامی ممالک کو روند ڈالا تھا لیکن بے علم تھے۔ اس لئے مؤرخ انہیں بدستور وحشی، غیر مہذب اور جاہل لکھتا ہے۔ علم افراد و اقوام ہر دو کی زینت ہے اور یہی وہ آفتاب ہے جس سے ان کی شبِ تیرہ منور ہوتی ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ‎﴿١﴾‏ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ‎﴿٢﴾‏ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ‎﴿٣﴾‏ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ‎﴿٤﴾‏ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ (القدر)

ہم نے یہ قرآن ایک فیصلہ کن رات میں نازل کیا۔ جانتے ہو کہ یہ شبِ فیصلہ کیا ہے؟ یہ رات گزشتہ ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس میں الٰہی حکم سے فرشتے نازل ہوئے ہیں اور زندگی زمین پر اتر رہی ہے یہ رات امن و سلام کا پیام لے کر آئی ہے اور طلوعِ سحر تک باقی رہے گی۔

العادیات گھوڑوں کا خالق اللہ ہے اور اللہ ہی نے ان کی غذا پیدا کی۔ انسان صرف اتنا کرتا ہے کہ کھیت سے چارہ لا کر گھوڑے کے آگے ڈال دیتا ہے۔ گھوڑا اس چھوٹی سی مہربانی کا بدلہ یوں ادا کرتا ہے کہ مالک کی خاطر دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتا ہے سنگلاخ زمینوں میں یوں

گرم سیر ہوتا ہے کہ اس کے سموں سے شرارے پھوٹنے لگتے ہیں۔ برچھیوں اور بھالوں کی پروا نہ کرتے ہوئے صفوفِ اعدا پر ٹوٹ پڑتا ہے اور گرد و غبار کے طوفانوں کو چیر کر نکل جاتا ہے۔ دوسری طرف انسان کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ نعمتِ عقل عطا فرمائی۔ اس کی پرورش کا حیرت انگیز سامان فراہم کیا اور آفتاب و ماہتاب تک اس کے قبضے میں دے دیئے۔ لیکن پھر بھی یہ سرکش کا سرکش ہی رہا اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا آدھا معاوضہ بھی ادا نہ کر سکا جتنا گھوڑا اپنے مالک کی چھوٹی سی نوازش کا کیا کرتا ہے۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (العادیات)

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتے ہیں۔ جن کے سموں سے آگ نکلتی ہے جو صبح دم دشمن پر دھاوا بولتے ہیں جو گرد و غبار کی آندھیاں اٹھا کر صفوفِ عدا میں جا گھستے ہیں کہ انسان اپنے رب کا یقیناً باغی ہے۔

العصر دفاترِ تاریخ انسانی زیاکاریوں، ناکامیوں اور تباہیوں سے لبریز ہیں۔ سینکڑوں اقوام دنیا میں ابھریں، پھلیں، پھولیں اور جونہی آئینِ فطرت سے دور ہٹیں تو فطرت نے انہیں پیس کر رکھ دیا

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا... (العصر)

تاریخ عالم شاہد ہے (والعصر) کہ انسان ہمیشہ الٰہی نامرادی کا شکار رہا۔ ہاں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو الٰہی قانون پر عمل پیرا ہو گئے۔

الفیل ابرہہ بن الصباح نے صنعا میں ایک "کعبہ" بنوایا جس کا نام قلیس رکھا اور لوگوں کو اس کعبے کے طواف پر مجبور کیا۔ ایک منچلا رات کے وقت موقع پا کر اس "کعبے" میں پاخانہ پھر گیا۔ جس پر ابرہہ بھڑک اٹھا اور ایک طاقتور فوج (جس میں

۱۳ ہاتھی بھی تھے) لے کر کعبے کو گرانے کی ٹھان لی۔ کہتے ہیں کہ مکہ کے قریب پہنچ کر ہاتھی رک گئے۔ اگر انہیں صنعا کی طرف متوجہ کیا جاتا تو چل پڑتے ورنہ بیٹھ جاتے۔

مکہ کے پاس عبدالمطلب (آنحضرتؐ کے جدِّ امجد) کے دو سو اونٹ چر رہے تھے جنہیں ابرہہ نے پکڑ لیا۔ جب عبدالمطلب انہیں چھڑانے کے لئے آیا تو ابرہہ کہنے لگا۔

"تم قریش کے سردار ہو اور کعبہ کے متولی بھی۔ تم کو معلوم ہے کہ میں کعبہ گرانے آیا ہوں۔ حیرت ہے کہ تمہیں اونٹوں کی تو فکر ہے لیکن کعبہ کی کوئی فکر نہیں"

عبدالمطلب نے کہا "میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے مجھے انہی کی فکر ہونی چاہیئے۔ باقی رہا کعبہ تو اس کا بھی ایک مالک موجود ہے جو مجھ سے بہت زیادہ طاقتور ہے وہ خود اس کی فکر کرے گا۔"

اتنے میں خاص قسم کے پرندے منہ میں کنکر لئے آ پہنچے۔ یہ کنکر ہاتھیوں گھوڑوں اور سپاہیوں کے جسم سے سیدھے پار نکل جاتے تھے۔

یہاں دو معمے حل طلب ہیں (۱) پرندوں کا پتھر لے کر آنا (۲) پتھروں سے گھوڑوں وغیرہ کا ہلاک ہو جانا۔ پہلا معمہ بدستور حل طلب ہے اور انسانی علم ابھی اس راز سے نقاب اٹھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور دوسرے معمے کو آج قانونِ افتاد نے حل کر دیا ہے۔

قانونِ افتاد اگر ہم ہوائی جہاز سے جو دس ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا ہو ایک پتھر پھینکیں تو کششِ ارضی کی وجہ سے ہر ثانیہ کے بعد اس پتھر کی رفتار بڑھتی چلی جائے گی۔ حساب کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ رفتار پہلے سیکنڈ میں صرف ۳۲ فٹ، دوسرے میں ۶۴، تیسرے میں ۹۶ اور چوتھے میں ۱۲۸ فٹ ہو گی۔ اصول یہ ہے:

سیکنڈ	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×	×
۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲	۳۲
۳۲	۶۴	۹۶	۱۲۸	۱۶۰	۱۹۲	۲۲۴	۲۵۶	۲۸۸	۳۲۰	۳۵۲	۳۸۴

اگر ہم ایسی بلندی سے پتھر پھینکیں کہ اسے زمین تک آتے آتے دو منٹ لگ جائیں تو آخری سیکنڈ میں اس کی رفتار ۳۸۴۰ فٹ ہوگی یعنی بندوق کی گولی کی رفتار سے تقریباً نصف۔

اگر پرندوں نے ایسی بلندی سے کنکر پھینکے ہوں جہاں سے زمین تک پہنچنے میں دو اڑھائی منٹ صرف ہو گئے ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کنکروں کی رفتار زمین کے قریب چار یا پانچ ہزار فٹ فی ثانیہ ہوگی جو انسانوں اور حیوانوں کی ہلاکت کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔

وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ[1] ۝ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝ (الفیل)

اللہ نے ان پر پرندوں کے ڈار کے ڈار بھیجے جو ان پر کنکر برساتے تھے اور اس طرح اللہ نے انہیں کھائے ہوئے چارے کی طرح روند کر رکھ دیا۔

حکایت | ایک رات خواب میں حضرت اقبال اور سر سید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہما سے ملاقات ہوئی۔ علامہ اقبال مجھے فرمانے لگے۔ "ذرا الفیل کی تفسیر تو سناؤ"۔ میں نے تعمیل ارشاد کی، تو سر ہلا کر اظہار پسندیدگی فرمایا۔ اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

خاتمۂ سخن | ہر ابتدا کی انتہا ہے اور آج "دو قرآن" طباعت کی چودہ منازل طے

۱؎ عموماً اس کے معنی سیاہ رنگ کا چھوٹا سا پرندہ سمجھے جاتے ہیں جس کے سینے کے پر سفید ہوتے ہیں۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ "اردو" کا لفظ ہے "عربی ابابیل" ابالہ کی جمع ہے جو ابل سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں متفرق گروہ۔ ڈاروں کے ڈار، اونٹوں کا بڑا گلہ۔

کرنے کے بعد انجام تک آ پہنچی۔ اس طویل عرصے میں بیسیوں خطوط اطرافِ ملک سے موصول ہوئے۔ کسی میں معجزاتِ تکوین و تدوین کی ان ایمان افروز تفاصیل پر مجھے شاباش دی گئی تھی اور کسی میں میری کوتاہیوں کو بے حجاب کیا گیا تھا۔ میں ان ہر دو قسم کے بزرگوں کا بے حد شکرگزار ہوں۔ اوّل الذکر کا اس لئے کہ انہوں نے میری اس حقیر تحریر کو قابلِ توجہ سمجھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی اور موخر الذکر کا اس لئے کہ انہوں نے نہایت خلوص و محبت سے مجھے سیدھی راہ دکھائی۔ چونکہ بحث میں الجھنا میرا ذاتی وطیرہ نہیں اس لئے ایک آدھ خط کا میں نے جواب نہیں دیا اس بد اخلاقی کی معافی چاہتا ہوں۔

صحیفۂ کائنات کے بے شمار پہلو تشنۂ تکمیل رہ گئے ہیں۔ کچھ تو خوفِ طوالت سے نظر انداز کر دیئے گئے اور کہیں میری کم علمی و بے بضاعتی حائل تھی۔ میں نے طلبۂ کائنات کو راہ دکھا دی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی زیادہ باہمت تمام پہلوؤں پر اس قدر روشنی ڈال سکے کہ متلاشیانِ علم کی تشنگی فرو ہو جائے۔

میں سائنس کا طالب علم نہیں ہوں۔ اس لئے ممکن ہے کہ بعض مسائل طبعی کو میں نے غلط بیان کر دیا ہو لیکن بقول سعدیؒ

چو "تو" اے "پسند آیدت" از ہزار بمردی کہ دست از قنت بدار

میرے محترم بھائی مولانا غلام احمد صاحب پرویز نے شکایت کی تھی کہ مضمون بہت لمبا ہو چلا ہے اور ممکن ہے کہ بعض دیگر قارئین "البیان" بھی مجھے کوستے ہوں لیکن

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

شعرائے عرب جب کسی موضوع پر نظم لکھتے تھے تو محبوبہ کی تعریف سے شروع کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات اس موضوع پر چند اشعار ہوتے تھے اور محبوبہ کی تعریف

میں تین چوتھائی سے زیادہ۔ جب کعب ابن زبیر رسول اللہ صلعم کی خدمتِ عالیہ میں ۵۵۔ اشعار کا قصیدہ مدحیہ پیش کرتا ہے تو محبوبہ کی شان میں ۱۴۔ اشعار کہہ جاتا ہے۔

طرفہ اپنی ناقہ کی تعریف میں ۲۹' اور لبید بن ربیعہ ۳۱۔ اشعار لکھ جاتا ہے۔ یہی حال امراءالقیس' عمر بن کلثوم اور دیگر شعرائے عرب کا تھا۔ اگر آپ ان شعراء کی اس بے ربطی کو برداشت فرماتے رہے۔ اگر آپ کشاف' معالم التنزیل' بیضاوی اور جلالین کی صرفی ونحوی موشگافیوں' علامہ فخر الدین رازی کی منطقیانہ نکتہ سنجیوں اور بعض دیگر مفسرین کی فقہی مطلب طرازیوں کو گوارا کرتے رہے تو مجھے امید ہے کہ الٰہی صنائع پر میری ان بے ربط تفاصیل کو بھی برداشت فرمائیں گے۔

ماخذ میں نے جن کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں۔ بعض کتب کے صرف نام درج ہیں مصنفوں کے نام حافظے سے اتر گئے ہیں اور اب ڈھونڈتا ہوں تو وہ کتابیں نہیں ملتیں۔

(۱) تفسیر جواہر القرآن۔ ۲۵ جلد (علامہ جوہری طنطاوی)

(۲) طبقات الارض (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند)

(۳) مِلَل قدیمہ (" " " ")

(۴) انسان اور چوپایہ (ڈاکٹر ایم۔ ایل سیٹھی)

(۵) نباتات اور نباتاتی خوراک (" ")

(۶) القمر (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند)

(۷) تذکرہ (علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی

(۸) تفسیر بیان القرآن (سورہ فاتحہ) مولانا ابوالکلام آزاد)

ہماری مذہبی کتب

محمد رسول اللہؐ	توفیق الحکیم
سکینۃ الاولیاء	دارا شکوہ
سفینۃ الاولیاء	"
انبیائے کرام	مولانا آزاد
تاریخِ اسلام کامل	اکبر شاہ نجیب آبادی
شمعِ رسالت کے پروانے	طالب ہاشمی
جواہرِ خمسہ	شیخ محمد غوث
میری نماز	ـلانا ادریس
مسلمان بیوی	"
مسلمان خاوند	"
اعمالِ قرآنی	مولانا اشرف علی
اصلاح الرسوم	"
تعلیم الدین	"
رحمت عالم	سید سلیمان ندوی
الفاروق	شبلی نعمانی
الغزالی	"
شرح اسماء نبیؐ	غلام محمد
نقشِ سلیمانی	

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	مولانا عاشق الٰہی
مسنون مقبول دعائیں	"
حصنِ حصین	مولانا محمد ادریس
قبر کی باتیں	"
تاریخِ مکۃ المکرمہ	مولانا عبد المعبود
تاریخِ مدینہ منورہ	"
منہاجِ العابدین	امام غزالی
کشف المحجوب	حضرت داتا گنج
احکام نماز	عالم فقری
مظہر جمال مصطفائی	سید نصیر الدین
نسخۂ کیمیا	مولانا محمد یوسف
فتوح الغیب	حضرت شیخ عبد القادر
دو اسلام	غلام جیلانی برق
دو قرآن	"
اللہ کی عادت	"
روشن چراغ	اردو ترجمہ قرآن پاک
قصص الانبیاء	
خیر المجالس	ملفوظات حضرت روشن چراغ دہلوی

ناز پبلشنگ ہاؤس، پہاڑی بھوجلہ، دہلی ۶